Volume No 2

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (القرآن)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔

تحفظِ عقائدِ اہلِ سنّت

مع

ایمانی آیات

بجواب

شیطانی خرافات

مُرتّب

مولانا علامہ محمد مظہر الدین قادری مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اُردو بازار، لاہور

گویا اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کے عموم کا بیان ہے جس کا دائرہ آپ کے زمانہ اقدس کے لوگوں اور بعد کے لوگوں تک وسیع ہے۔

(۳) اَللّٰہُ یَصْطَفِی مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ (حج:پ۱۷'ع۱۷)

اور اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغام پہنچانے والوں کو اور لوگوں سے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس میں یصطفی فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے' پس ثابت ہوا کہ آئندہ بھی فعل اصطفاء جاری رہے گا' یعنی اللہ چنتا رہے گا۔ اس کے دو جواب ہیں۔

۱۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین یہود اور نصاریٰ کے اس اعتراض کا جواب دے رہا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیونکر نبی بن سکتے ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ انسانوں اور فرشتوں میں سے بعض کو اس شرف و کرامت کے لیے چن لیتا ہے اگر تم خدا کے اختیار و اقتدار کو تسلیم کرتے ہو تو اس کے اس فیصلے کو بھی تسلیم کرو' اب رہی یہ بات کہ مستقبل کے معنی یہاں کیوں نہیں لیے جاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ختم نبوت کے سلسلے میں جتنی آیات صریحہ نازل ہوئی ہیں وہ ایسا کرنے سے مانع ہیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو معاذ اللہ قرآن میں تضاد ہو گا جو محال ہے۔

۲۔ دوسرا جواب الزامی ہے اور وہ یہ کہ ہم تمام دنیا کے مرزائیوں سے دریافت کرتے ہیں' تم بھی مانتے ہو کہ تشریعی(۱) نبوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور آپ کے بعد کسی تشریعی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے مگر آیت مذکورہ میں اگر تمہارے جانیں والے معنی لیے تو شرعی نبوت اور تم نے نبوت کی جتنی قسمیں بتائی ہیں سب کا جاری رہنا ثابت ہو جائے گا جو تمہارے مدعا کے بھی خلاف ہے' اب بولو کہ جواب کیا ہے؟ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے' ظاہر ہے کہ تم جواب میں خاتم النبیین والی آیت کو پیش کرو گے بلکہ پیش کرتے چلے آئے ہو اور اس وقت سے تشریعی نبوت کے ختم ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہو گے کہ اس آیت کی بناء پر یصطفی میں استقبال کے معنی تشریعی نبوت کے حق میں نہیں لیے جائیں گے۔ بس جینہ ہمارا یہی جواب ہے کیونکہ جو نبوت خدا کی طرف سے دی جاتی تھی وہ تو تشریعی ہی تھی' ظلی بروزی' حقیقی' مجازی وغیرہ کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ہے۔ اگر ہے تو دکھاؤ۔ آج تک دنیائے قادیانیت و مرزائیت اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکی ہے اور انشاء اللہ العزیز کبھی نہ دے سکے گی۔ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔

(۴) اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ (انعام)

اور اللہ خوب جانتا ہے اس جگہ کو جہاں وہ رسالت کرتا ہے۔

اس آیت سے بھی مرزائی وہی استدلال کرتے ہیں جو گزرا کہ یجعل فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں۔

(۵) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ

اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتوں کی تلاوت کریں تو جو پرہیزگاری

(۱) مرزا صاحب نے فرمایا "کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں' شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا"۔ (تجلیات الہیہ طبع ل' ص۳۵' ج۱) اگرچہ خود مرزا صاحب نے تشریعی نبوت کا دعویٰ داغ دیا ہے' چنانچہ فرماتے ہیں: یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے س نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا' وہی صاحب شریعت ہو گیا..... میری وحی ی امر بھی ہے اور نہی بھی۔ (اربعین) حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کا کلام تضاد بیانیوں اور تاویل در تاویل کا مجموعہ ہے۔

marfat.com

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ- (اعراف) اختیار کرے گا اور اصلاح کرے گا تو اس پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مرزائی اس آیت پر بڑی اچھل کود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم آدم کی اولاد ہو تو اس میں تمہیں مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ تم میں رسول آتے رہیں گے' ہاں! اگر تم اپنے آپ کو زمرۂ آدمیت سے خارج مان لو تو یہ خطاب بھی تمہاری طرف سے پھر جائے گا۔

جو لوگ علوم قرآنی سے باخبر ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن میں جب خصوصی طور پر امت محمدیہ کو خطاب ہوتا ہے تو اس کے دو طریقے ہیں:

۱- یٰاَیُّهَا النَّاسُ-

۲- اور یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا-

اگر صرف یہودی مخاطب ہوں ان کے لیے یٰبَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ ہے اور اگر تمام انسانیت جو آدم سے لے کر قیامت تک ہے مخاطب ہو تو اس کے لیے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کا خطاب ہے اور آیت مذکورہ میں بھی یہی انداز تخاطب ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ یہ آیت حرف بہ حرف صحیح ہو چکی ہے اور اس کا مصداق دنیا میں آچکا ہے کیونکہ آدم' نوح' موسیٰ' یعقوب' یوسف اور عیسیٰ علیہم و علیٰ جمیع الانبیاء صلوت اللہ و تسلیماتہ کی امتیں اس آیت کا مخاطب ہیں اور اگر ختم نبوت والی آیات نہ ہوتیں تو اس کا دائرہ کار آگے تک بڑھ جاتا۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ فعل مضارع بے شک استقبال کے لیے آتا ہے مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ استقبال موبد کے لیے آتا ہے اور یہ کہ اس کے آگے کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے' علاوہ اس تحقیقی جواب کے۔ مرزائی صاحبان! ہم پھر آپ سے سابق سوال کا اعادہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر آیت جریان نبوت پر دال ہے تو مطلق نبوت جاری ہو جائے گی۔ پھر تشریعی نبوت کو کیسے بند کریں گے؟ جس طرح آپ تشریعی نبوت کو بند کریں گے' اسی طرح ہم آپ کی بنائی ہوئی نبوت کو بھی بند کر کے دکھادیں گے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

قادیانی کہتے ہیں کہ ہر امت اس خوش عقیدگی میں مبتلا رہی ہے کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر باوجود ان کی خوش اعتقادی کے نبی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اس خوش فہمی کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے یوسف علیہ السلام کی قوم کے بارے میں:

(۶) حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا- (مومن: ۳۵) یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا۔

مگر ان کے بعد رسول اور نبی آتے رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کا عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بابت ایسا ہی بے بنیاد تھا جیسا کہ قوم یوسف کا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم یوسف کی تردید کی اسی طرح امت محمدیہ کی تردید فرمادیتا' مگر ایسا نہ ہوا معاملہ برعکس ہوا اور وہ اس طرح کہ وہاں قوم یوسف نے یوسف کو آخری نبی کہا اور یہاں خود اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی

marfat.com

کہا۔ تو اے مرزائی صاحبان! کیا آپ خدا کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ خدا خوش عقیدگی میں مبتلا ہے؟ معاذ اللہ! خدارا بندوں کے کلام اور خدا کے کلام میں فرق کیجئے۔ میں نے جب ایک مرزائی مناظر صاحب کو اس طرح سمجھایا تو بوکھلا گئے' پھر سوچ کر کہنے لگے کہ خود اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ آپ کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ رکھتی ہے' جیسے پہلی امت کے لوگ اپنے نبیوں کے بارے میں رکھتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔ (الجن: ۷)

اور بے شک ان لوگوں نے بھی تمہاری طرح گمان کیا کہ اللہ ہرگز کسی کو نہ بھیجے گا۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں سے فرمایا کہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ اس طرح ہے جس طرح پہلی امتوں نے رکھا تھا۔ مگر ہم نے ان کے عقیدے کے برعکس رسول بھیجے۔

جواب میں مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کی یہ تقریر قادیانیوں کی طرف سے قرآن میں تحریف معنوی کرنے کی کھلی جسارت ہے۔ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو قادیانی کہتے ہیں۔ یہ آیت سورۂ جن کی ساتویں آیت ہے۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ "اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو وہ ایمان افروز گفتگو سنا دیجئے جو جنات نے قرآن سننے کے بعد اپنی قوم سے کی تاکہ قوم کی ہدایت کا موجب بنے"۔ چنانچہ یہ آیت جنات کی گفتگو کا ایک حصہ ہے' جنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے لوگوں کو تمہاری طرح یہ خیال تھا کہ ان کے رسول کے بعد کوئی رسول نہ آئے گا۔ اب تم بھی یہ خیال کرتے ہو اور اسی خیال کی بنیاد پر تم نبوت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکر ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت حق ہے' چونکہ اس کے دلائل و شواہد ہم نے دیکھ لیے۔ پھر تفصیل سے نبوت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

پس یہ آیت تو صرف ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کرتی ہے جو حضرت خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو آخری نبی سمجھتے رہے تھے اور لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کا مقصد صاف واضح ہے کہ غیر خاتم کو خاتم ماننا اسی طرح کفر ہے جس طرح خاتم کو غیر خاتم ماننا کفر ہے اور بعض تفاسیر میں لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ زندگی نہیں ملے گی۔ یہ خیال غلط ہے' یہ تفسیر بھی قرآن کے عین مطابق ہے۔

یہ چند آیات کی تشریح ہے ان کے علاوہ بعض آیات جو صراحتاً حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں' مرزا صاحب نے ان کو اپنے حق میں کہہ دیا ہے۔ ان کا جواب دینے کی ضرورت نہیں یا انہوں نے اپنے کو محمد اور احمد کہہ دیا' یا اللہ کہہ دیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو سوائے مالیخولیا کے مریض کے کسی اور سے متصور نہیں' لہٰذا ان کا جواب بے سود ہے۔

marfat.com

رسول محترم کا عدالتی نظام

رشدی کی نظام عادلانہ پر تنقید

عدالت کو عربی زبان میں "قضا" کہتے ہیں اور قضا کے لغوی معنی "کسی چیز کو ختم کرنا' فارغ ہونا' پورا کرنا" اور شریعت میں حکم یعنی ظالم کو کسی حکمت عملی سے ظلم سے روکنے کو قضا کہتے ہیں۔(۱) اور جو فیصلہ کرے اسے "قاضی" (JUDGE) کہتے ہیں اور جس جگہ فیصلہ کیا جائے اسے "دار القضاء" (COURT) کہتے ہیں۔ جس قانون کے تحت فیصلہ کریں' اسے "دستور قضا" کہا جاتا ہے۔

اللہ جل مجدہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں ہر ظلم سے پاک و صاف معاشرہ قائم کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ نے دنیا کو وہ نظام عدل دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت مبارکہ میں ودیعت رکھی تھیں جس کی تکمیل عہد نبوت میں ہوئی۔ ان فطری صلاحیتوں کی بنا پر آپ نے قبل از نبوت قضاء کے فرائض اعزازی طور پر حلف الفضول میں انجام دیئے۔(۲)

حلف الفضول میں آپ کا نمایاں کردار تھا۔ روض الانف میں سہیلی' طبقات ابن سعد میں ابن سعد اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ:

حلف الفضول میں آپ کا کام ہر مظلوم کو خواہ وہ مقامی ہو یا بیرونی' ہر ایک کی بلا فرق و امتیاز مدد فرمانا اور اس وقت تک چین نہ لینا جب تک مظلوم اپنا حق حاصل نہ کرلیں۔

آنحضرت اس حلف الفضول میں گرم جوشانہ حصہ لیتے تھے۔ بڑے بڑے سرکش اس سے گھبراتے تھے' اس کا کوئی رکن مرنے تک معزول نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال! یہ اس زمانہ کا تذکرہ ہے جب کہ عرب میں اسلام کی داغ بیل نہیں پڑی تھی۔

آپ زمانہ نبوت کے آغاز اور تقریباً تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ یہاں پر اس دوران آپ نے دین متین کی تبلیغ کی اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل فرمائی اور ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اسلامی ریاست کا سربراہ آپ کو مقرر فرمایا اور "عہدۂ قضا" بھی سپرد کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ — اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلے کریں۔

آئندہ اوراق میں آپ کی رسالت اسلامیہ میں عدلیہ کے انتظام کا بیان ملاحظہ فرمائیں:

(۱) فتح القدیر' شرح ہدایہ' مطبوعہ المطبعہ الکبریٰ مصر' الطبعہ الاولیٰ' ج۵ ص ۴۵۳۔

(۲) سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر' ج۱ ص ۸۵ تا ۸۸' روض الانف للسہیلی ص ۹۰ تا ۹۴' طبقات ابن سعد ج۱ ص ۴۲' مسند امام احمد بن حنبل' ج۱' ص ۱۹۰۔

marfat.com

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔

ہم نے زبور میں لکھا تھا ذکر کے بعد (کہ) بے شک اس زمین کے مالک میرے صالحین بندے ہوں گے۔

مومنوں کو حکم ہوا کہ اپنے تنازعات کا فیصلہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کرائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ۔

اے مومنو! اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ۔

یعنی قرآن و حدیث سے کرو۔

پھر جب یہ حکم ہوا' اس کے بعد مومنوں نے ہر تنازعہ کا فیصلہ آپ کی کورٹ سے کرایا اور جیسے آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا' اس پر عمل کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے' جسے ترمذی نے کتاب الاحکام ص۲۶ باب مَا جَآءَ فِی الرَّجُلَیْنِ یَکُوْنُ اَحَدُھُمَا اَسْفَلُ مِنَ الْاٰخَرِ میں ذکر کیا ہے۔ حدیث نمبر ۱۳۶۳:

ابن شہاب عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ ایک شخص نے (انصار میں سے) زبیر سے جھگڑا کیا جس کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کورٹ میں لایا گیا۔ وہ جھگڑا پانی کے متعلق تھا جس سے کھجوروں کے باغ کو سیراب کرتے تھے۔ (جھگڑا اس طرح ہوا کہ انصاری کا باغ زبیر کے باغ کے بعد میں نیچے تھا) تو انصاری نے کہا' پانی کو چھوڑ دو' تاکہ میرے باغ میں بھی آجائے۔ حضرت زبیر نے انکار کیا۔ یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا: اے زبیر! تم پانی سینچنے کے بعد اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ اس فیصلہ پر انصاری کو غصہ آیا اور کہا یا رسول اللہ! یہ فیصلہ اس لیے کیا کہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے۔ اس اعتراض پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا۔ پھر فرمایا: اے زبیر! سینچائی کر کے پانی روک لے' یہاں تک کہ باغ کی دیواروں کو جا لگے۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت "مجھے تیرے رب کی قسم! یہ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کرلیں اپنے جھگڑوں میں اور آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کو دل سے قبول کریں' اس میں مایوسی نہ دکھائیں" اسی موقع پر نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ کے فیصلہ کو دل سے نہ تسلیم کرنے والے کو قرآن حکیم نے دائرہ ایمان سے خارج کر دیا۔ فرمایا گیا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ۔

اے محبوب! تیرے رب کی قسم! ایمان والے نہیں ہیں جب تک تجھے حکم تسلیم نہیں کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فیصلے کو "سپریم کورٹ" کی حیثیت حاصل ہے اور آپ اس کورٹ کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بلکہ اس سے بھی زیادہ حیثیت رکھتے تھے۔

مرکزی نظام

شروع میں جبکہ ریاست کی بنیاد ڈالی گئی' اس وقت تمام عہدے مثلاً سربراہی ریاست' فوجی سپہ سالاری' عدالت آپ

marfat.com

بذات خود انجام دیتے مگر جس وقت اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہو تا گیا اور انتظامی کام بڑھتے گئے تو آپ نے مدینہ منورہ میں چند قاضی مقرر فرمائے جو فیصلہ کیا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے باشندے مدینہ میں اپنے تنازعات حل کرواتے۔ مدینے کو دارالحکومت کا درجہ حاصل تھا اور پورے ملک کی کورٹوں کے خلاف آپ کے یہاں فیصلے ہوتے۔

صوبائی انتظام

آپ کے زیر نگیں جتنے صوبے تھے آپ نے ان پر اپنا ایک حاکم (گورنر) مقرر کیا تھا اور وہی گورنر صوبائی کورٹ کا قاضی (JUDGE) ہوتا تھا۔ چنانچہ یمن کے قاضی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر کیے گئے۔ جبکہ حاکم (گورنر) یمن بھی اس وقت آپ ہی تھے اور حضرت عتاب بن اسید ابن ابی العیص بن عبدالشمس اموی کو مکہ مکرمہ کا والی (گورنر) اور قاضی مقرر کر کے بھیجا۔ اسی طرح عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا۔ اگر کوئی مسئلہ صوبائی حکومت نے طے کیا لیکن فریقین میں سے کسی کو اس پر اعتراض ہوتا تو "سپریم کورٹ" میں اپیل کی جاتی جو مدینے میں تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل فرمادیتے۔

دارالقضاء

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا مناسب ہے کہ عہد نبوی میں قاضی کے لیے دارالقضاء یا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے لیے کوئی خاص علیحدہ جگہ نہیں تھی جہاں فیصلے کرتے۔ بلکہ کورٹ یا سپریم کورٹ مسجد یا منزل ہی ہوتی تھی' جہاں بیٹھ کر ہر طرح کے معاملات طے کیے جاتے تھے اور مسلم و غیر مسلم سب کے لیے انصاف کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ ہر ایک کو بلا کسی روک کے حق ملتا تھا۔

ہنگامی عدالت

بسا اوقات کسی خاص مسئلہ کے لیے کوئی خاص عدالت قائم کی جاتی۔ اس کو کلی اختیار ہوتا کہ فیصلہ کی اچھی چھان بین کر کے عدل سے فیصلہ کرے۔ جیسے مبسوط سرخسی میں ہے کہ آپ نے کسی خاص معاملہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہنگامی طور پر قاضی (جج) بنا کر مدینہ منورہ ہی میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو اس پر حضرت عمرو بن العاص نے شرماتے ہوئے عرض کیا' کہ یارسول اللہ! کیا آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ حضور نے فرمایا: ہاں! اس طور پر کہ اجتہاد کرو' اگر صحیح چیز پر پہنچو گے تو دو نیکیوں کا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد میں خطا کرو گے تو ایک نیکی شمار ہوگی۔

فوجی عدالت

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر کہیں فوج بھیجتے تو اس فوج کا سپہ سالار فوج کی ہر قسم کی رہنمائی کرتا تھا اور اگر مشکل قسم کے واقعات درپیش آتے تو ان سے نمٹنے کے لیے یا تو ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا جاتا' یا فوجی سالار خود ہی اس قضیہ کو حل کرتا تھا۔ نتیجتاً وہی امام' وہی قاضی اور وہی سپہ سالار ہوتا تھا۔

marfat.com

فل بنچ

سپریم کورٹ کے حاکم اعلیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعض اہم معاملات میں فل بنچ کو بٹھاتے اور مل کر مسئلہ کو حل کردیتے اور فرماتے۔ جیسے مبسوط (للعلامہ شمس الدین السرخسی) میں ہے:

وَكَانَ يُشَاوِرُهُمْ اَلَا تَرٰى اَنَّهٗ شَاوَرَهُمْ فِيْ اُسٰرٰى بَدْرٍ وَشَاوَرَ سَعْدَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَوْمَ الْاَحْزَابِ فِيْ صُلْحِ بَنِيْ فَزَارَةَ عَلٰى بَعْضِ ثِمَارِ الْمَدِيْنَةِ وَاَخَذَ بِمَا اَشَارَا بِهٖ۔

آپ مجلس بٹھا کر مشورہ فرماتے تھے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق اصحاب کرام (اہل علم و دانش) سے مشورہ فرمایا اور دونوں سعدوں سے احزاب کے دن مشورہ کیا کہ بنی فزارہ کے ساتھ مدینہ کے بعض ثمار پر صلح کی جائے تو جیسے آپ کو مشورہ میں کہا گیا' آپ نے ویسا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم بھی ہوا تھا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ۔

کام میں ان کے ساتھ مشورہ کیجئے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت آج کل کی فل بنچ جیسی شکل تھی' بلکہ اس کی صورت ایسی تھی کہ اسلامی ریاستیں اور ان کی کورٹیں جو فیصلے کرتی تھیں وہ کسی آئین اور دستور کے تحت تھے۔ دراصل یہ دستور اور آئین ہی ہے جس سے مسلم ریاست کی عدلیہ کو اور عدالتوں سے امتیاز حاصل ہے۔ دنیا کی عدالتیں آج بھی اگر اسلامی دستور کے مطابق فیصلے کریں تو پوری دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس لیے کہ اسلامی تعزیرات انسان کی اصلاح کے لیے نفسیاتی علاج ہیں۔ جس قانون کا بانی خود اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے اور نافذ کرنے والے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ہم ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں' ہم اقوام عالم کو دعوت دیتے ہیں!!

کہ آیئے! دستور اسلامی اپنی عدالتوں میں رائج کر کے سکون کی زندگی بسر کریں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں یہودیوں' نصرانیوں' مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کو یقین تھا کہ ہمارے لیے انصاف ملنے اور حق پانے کے لیے نبوی کورٹ ہی ہے۔

اس لیے وہ اپنے مذہب کے سرداروں کو چھوڑ کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کورٹ میں مقدمہ لے آتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں حق فیصلہ دیتے تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ۔

اگر آپ اے رسول! ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق کریں۔ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

آئین عدالت

اسلامی عدلیہ کا آئین وہی ہے جس پر عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فیصلے ہوتے رہے اور وہ قرآن' حدیث اور اجتہاد ہے۔

یہاں اس بات کی نشاندہی کرنا ضروری ہے کہ اسلامی آئین کا چوتھا ماخذ "اجماع امت" ہے۔ عہد نبوت میں اس کی ضرورت اس لیے نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو بھی نیا مسئلہ آتا' اس کا وحی کے ذریعہ اللہ

marfat.com

تعالیٰ یا حضور خود حل فرماتے تھے۔

ماخذ اول' قرآن

اسلامی آئین کے پہلے ماخذ' قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(۱) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ-(مائدہ: ۴۴)

جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) سے فیصلے نہ کریں گے پس وہ کافر ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اسلامی ریاست کو اسلامی قانون نافذ کرنا چاہیے۔ اس کی انتظامیہ اور عدلیہ قرآن کے دیے ہوئے احکام کی پابند رہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ ناانصاف اور بے شکر شمار کیے جائیں گے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا○

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے' (انصاف کی) گواہی دینے والے بنے رہو' اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو' وہ امیر ہو' یا غریب ہو۔ اللہ دونوں کا زیادہ مالک ہے۔ سو تم خواہش نفس کی اتباع مت کرنا کہ حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج روی یا روگردانی کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

اس آیت میں انصاف پر رہنے کے لیے حکم دیا گیا۔ ساتھ ساتھ گواہی کو پوری طرح ادا کرنے پر بہت زور دیا گیا۔

ایک جگہ پر قرآن اور حدیث دونوں کی اتباع کرنے اور ہر فیصلہ قرآن اور حدیث کے مطابق کرنے کے متعلق کہا گیا۔

(۳) فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ-

اور اگر تم (اے ایمان والو) کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے آؤ (یعنی اس کا حل قرآن اور حدیث سے طلب کرو)

اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کا صراحتاً ذکر قرآن حکیم میں نہ ملے تو حدیث سے اخذ کرو اور اگر حدیث میں بھی نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔

مآخذ ثانی' حدیث

(۴) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

فرمایئے اے حبیب! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو' پس میری اتباع کرو اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۵) مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا-

رسول جو تمہیں دیں لے لو اور جس سے روکیں باز آ جاؤ۔

ایک جگہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا:

marfat.com

(۶) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اے رسول! لوگوں کے درمیان احکام کے بموجب فیصلہ کرو جو اللہ نے تم پر نازل کیے ہیں۔

اور ایک اور مقام پر مومنوں کو اللہ جل مجدہ نے مخاطب ہو کر فرمایا:

(۷) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اے رسول! تمہارے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو' اس پر اپنے دلوں میں کوئی بار محسوس نہ کریں اور تمہارے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔

ماخذ ثالث' اجتہاد

مذکورہ آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان اپنی ریاست میں وہ عدالتی نظام رائج و نافذ کرے جو قرآن و حدیث میں ہے۔ مگر بعض نئے مسائل ایسے رونما ہو گئے ہیں جن کے لیے اگر قرآن و حدیث خموش ہوں اس وقت اجتہاد سے کام لینا ہوتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا اور بھیجتے وقت آپ حضرت معاذ سے امتحان لیتے ہوئے پوچھتے ہیں:

بِمَ تَقْضِیْ یَا مَعَاذُ؟ (الحدیث) یعنی اے معاذ! تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟

حضرت معاذ نے جواب دیا اللہ کی کتاب (قرآن) سے۔ پھر فرمایا: اگر وہ مسئلہ قرآن میں نہ پاؤ (تو پھر کیا کرو گے؟) حضرت معاذ نے کہا حدیث سے۔ آپ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ پاؤ (تو پھر) حضرت معاذ نے کہا: میں عقل سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق بخشی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اگر مجتہد صحیح مقصد کو پہنچا تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر غلطی کر گیا تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ مجتہد ہو یعنی اجتہاد کی صلاحیت' اور اس کے شرائط و لوازم سے آراستہ ہو۔

اسلامی عدلیہ کے ان تین ماخذ کے علاوہ ایک چوتھا ماخذ بھی ہے جسے "اجماع امت" کہتے ہیں۔ یہ چوتھا ماخذ "اجماع امت" عہد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وجود میں آیا۔ چونکہ ہمارا مقصود سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عدالتی نظام بیان کرنا ہے۔ لہٰذا اجماع امت کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ اس کی صرف نشاندہی کی گئی ہے۔

چونکہ عہدۂ قضا ایک نہایت اہم فریضہ ہے' اس کو صحیح طور پر اپنا لینے میں ملک و ملت کی بہتری ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح پر توجہ دلاتے ہوئے اللہ جل مجدہ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص ہدایات فرمائی ہیں۔ (ماخوذ)

marfat.com

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین کامل

ملعون رشدی کے باطل نظریات کا جواب

دین کیا ہے؟

لغت میں دین کے مختلف معانی ہیں۔ کبھی تو جزاء کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں دین اسی معنی میں آیا ہے اور دیوان حماسہ کے شعر

فَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ
دَنَاهُمْ كَمَا دَانُوْا

میں دنا دین بمعنی جزاء ہی سے مشتق ہے اور کبھی دین بمعنی فرمانبرداری ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قوم دین (یعنی فرمانبردار لوگ) اور حضرت ورقہ ابن نوفل اسدی نے اپنے شعر

وَلَا سُلَيْمَانَ اِذْ دَانَ الشُّعُوْبُ لَهٗ
وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ تَجْرِىْ بَيْنَهَا الْبَرَدُ

میں دین سے مشتق دان کو فرمانبرداری ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور کبھی دین عقیدہ کے معنی میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی زبان

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ — اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے

میں دین عقیدہ ہی کے معنی میں ہے اور کبھی ملت و شریعت کے معنی میں ہوتا ہے اور ملت و شریعت عقائد اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی لیے دین عقائد و اعمال کے مجموعہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ القاموس المحیط میں دین کا ایک معنی یہ بھی ہے اِسْمٌ لِجَمِيْعِ مَا يَتَعَبَّدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِهٖ کے بھی ہیں (یعنی ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ عزوجل کی عبادت و فرمانبرداری کی جاتی ہے) اور بلاشبہ دین کے اس معنی میں عقائد و اعمال دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام و ایمان کے مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شرح کرتے ہوئے شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

پس اسلام ظاہر اعمال است و ایمان تام باطن اعتقاد و دین عبارت از مجموعہ اسلام و ایمان است۔

اور کتاب الایمان کی اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دین اسلام و ایمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت

marfat.com

جبرئیل علیہ السلام بصورت بشر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اسلام 'ایمان' احسان وغیرہ کے بارے میں سوالات کیے اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد جب حضرت جبرئیل واپس تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا: کہ اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوالات کرنے والے کون ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی 'اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں' تو آپ نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ یعنی یہ جبرئیل ہیں جو تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام 'ایمان و احسان وغیرہ کی تعلیم کو دین کی تعلیم فرمایا۔ اس لیے حدیث شریف کے مذکورہ ٹکڑے کی شرح کرتے ہوئے شیخ موصوف اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

از ینجا معلوم شد کہ دین عبارت از مجموعہ اسلام و ایمان و احسان است و شریعت نام ایں مجموعہ است و گاہ دین برائے اسلام مخصوصہ نیز اطلاق یافتہ چناں کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔

الغرض! مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ دین عقائد و اعمال کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور دین کامل میں دین سے یہی معنی مراد ہیں۔

چنانچہ دنیا میں بسنے والے مختلف ادیان کے ماننے والے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تمام ادیان برحق ہیں؟ یا ان میں سے کوئی ایک اور پھر جو دین برحق ہے وہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے کافی ہے یا کسی اور دین کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان کی وضاحت کر دی جائے۔

دین برحق

چونکہ دین اختیار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دین کے عقائد و اصول اور ضابطہ حیات کے تحت زندگی بسر کی جائے' تاکہ قلبی سکون کے بعد خالق کونین کی خوشنودی حاصل ہو اور عالم آخرت میں آرام و راحت نصیب ہو۔ اس لیے یہ مقصد اسی دین سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے عقائد طرز عمل' ضابطہ زندگی' مسائل حیات کے حل' مالک حقیقی کی عبادت اور پرستش کے طریقے' نیکی اور خدا ترسی کے تصورات اور فلاح و بہبودی کے وہ ذرائع جنہیں انسان کو اختیار کرنا ہے۔ سب اسی حاکم حقیقی کے بتائے ہوئے ہوں۔ جس کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں' جو کائنات کا مالک حقیقی ہے' جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے کہ اس کے بتائے ہوئے عقائد اور دستور حیات کے مطابق زندگی گزار کر اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور عالم آخرت میں اس کی رحمتوں کا امیدوار ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جس دین میں ایسے اصول عقائد اور اعمال ہوں' وہی دین' دین برحق ہے۔ یعنی جو دین اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ پوری کائنات کا صانع ایک ہے' وہی سارے جہان کا پالن ہار ہے۔ وہی منعم حقیقی ہے۔ انسان یا دوسری مخلوق کو جو کچھ ملا ہے' اسی کا دیا ہوا ہے۔ وہی روز جزا کا مالک ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساتھی نہیں ہے' وہ جسم و جسمانیات' زمان و زمانیات اور مکان و مکانیات سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے' نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ وہی قادر مطلق ہے' اسی کی مشیت سے سارا نظام قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس کے پیغامات و ارشادات برحق ہیں اور یہی ذریعہ نجات ہے۔

تو یقیناً ایسا دین دین برحق ہے اور جو دین ان تمام عقائد کے خلاف یا بعض کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو وہ دین باطل ہے۔ مثلاً

marfat.com

عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا کہا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور کے کفار و مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر خدا کو صاحب اولاد مانا۔ حالانکہ خداوند قدوس اولاد سے پاک ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ" نہ اس (اللہ) نے (کسی کو) جنا ہے اور نہ اسے (کسی نے) جنا ہے۔ اور خدا کو صاحب اولاد ماننا اس کی مذکورہ صفات سے انکار کرنا ہے۔ اس لیے جو صاحب اولاد ہوگا' وہ بے نیاز اور قادر مطلق نہ ہوگا' بلکہ محتاج ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قادر مطلق ہے۔ ارشاد ہے: "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" (اللہ بے نیاز ہے) اور "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝" (بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے) اور جو بے نیاز اور قادر مطلق نہیں ہوگا وہ عبادت کا مستحق نہیں ہوگا۔ حالانکہ اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کوئی عبادت کے لائق نہیں (مگر وہی اللہ) اور "قَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ" (اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو) اور جو صاحب اولاد ہوگا' وہ جسم جسمانیات' مکان و مکانیات سے منزہ نہیں ہوگا' بلکہ جسم' زمان اور مکان والا ہوگا۔ اور جو صاحب اولاد ہوگا وہ بے مثل نہیں ہو سکتا' بلکہ اس کا ہمسر اور مثل ہونا ضروری ہے۔ حالانکہ رب کائنات بے مثل ہے۔ ارشاد ہے: "لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝" (اس کا کوئی ہمسر نہیں) اور جو بے مثل نہیں ہوگا اس کا ساجھی اور شریک ضرور ہوگا۔ حالانکہ خلاق کائنات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا ساجھی اور شریک ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔

اور فرما دو سب خوبیاں اللہ کو جس نے بچہ اختیار نہیں فرمایا اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری سے اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو۔

مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ جس دین میں عقیدۂ توحید کے خلاف تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے اصول و قوانین بندوں کے خود ساختہ ہیں تو یقیناً وہ دین باطل ہے اور جس دین میں عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جاتی ہے اور زندگی گزارنے کے طریقے خالق کائنات کی بتائے ہوئے ہیں تو وہی دین' دین برحق ہے اور وہ صرف خدا کا دین ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ مختلف شریعتوں کی شکل میں آغاز انسانیت سے لے کر نزول قرآن تک انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آتا رہا ہے۔ ان ظاہری صورتوں اور تفصیلات میں تو جغرافیائی' تمدنی' نسلی اور قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر فرق ضرور ہے' مگر ان کی روح اور ان کے اصول و مبادی میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ سب نے عقیدۂ توحید اور اطاعت خدا ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى۔

تمہارے لیے دین کی راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔

اس کی تفسیر میں علامہ قاضی بیضاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَیْ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ دِيْنَ نُوْحٍ وَّمُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَمَنْ بَيْنَهُمَا مِنْ اَرْبَابِ الشَّرَائِعِ وَهُوَ الْاَصْلُ الْمُشْتَرَكُ فِيْمَا بَيْنَهُمُ الْمُفَسِّرُ "بِقَوْلِهٖ" اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ

مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے آپ تک اے محبوب! جتنے انبیاء پیدا ہوئے ہیں سب کے لیے ہم نے دین کی ایک ہی راہ مقرر کی ہے جس میں وہ سب متفق ہیں اور وہ راہ یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے

marfat.com

وَهُوَالْاِیْمَانُ بِمَا یَجِبُ تَصْدِیْقُہٗ وَطَاعَۃٌ فِیْ اَحْکَامِ اللّٰہِ۔ ان پر ایمان لانا اور اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین پر ایمان لانے اور اطاعت خدا کی تعلیم ہر نبی نے دی ہے مگر شریعتیں قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے:

لَکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْہَاجًا۔ ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور ایک ایک راستہ رکھا۔

یعنی فروغ اعمال ہر ایک کے خاص ہیں اور اصلی دین سب کا ایک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ ایمان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہی ہے کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس کا اقرار کرنا اور شریعت و طریق ہر امت کا خاص ہے۔

دین موسوی اور دین عیسوی کے احکام جداگانہ تھے۔ دین موسوی کے احکام بہت سخت تھے۔ توبہ میں مجرم کو قتل کیا جاتا تھا۔ ناپاک کپڑا کاٹا جاتا تھا اور جانوروں کی چربی حرام تھی اور یہ سختی اسرائیلیوں کی سرکشی کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْھِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَھُمْ۔ تو یہودیوں کے بڑے ظلم ہی کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں، ان پر حرام فرمادیں۔

اور دین عیسوی میں نہایت نرمی تھی۔ حتیٰ کہ شراب بھی حلال تھی اور کسی پر جہاد فرض نہیں تھا۔ چونکہ یہ احکام حالات کے تحت عارضی طور پر تھے، اسی لیے جب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین اسلام لے کر تشریف لائے تو وہ تمام احکام اور شریعتیں جو حالات کے تحت عارضی تھیں، منسوخ ہوگئیں اور چونکہ اسلام دین فطرت ہے، لہٰذا وہ احکام جو فطرت کے مطابق تھے۔ وہ اب بھی دین اور اسلام میں محفوظ ہیں۔ جیسے دین ابراہیم علیہ السلام کے احکام فطرت کے مطابق تھے اور خداوند قدوس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیم علیہ السلام کو قیامت تک باقی رکھنا تھا۔ اسی لیے حضور کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا۔

لہٰذا آج بھی وہ احکام دین محمدی میں محفوظ اور موجود ہیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین ابراہیم علیہ السلام دین فطرت تھا اور اسے خداوند قدوس کو قیامت تک باقی رکھنا تھا تو ایسی صورت میں دین اسلام کے ساتھ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں مبعوث فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت عام نہیں تھی۔ آپ ہر قوم، ہر رنگ و نسل کے لیے نبی نہیں تھے اور آپ کا دین اگرچہ دین فطرت تھا مگر کامل دین نہیں تھا۔

دین کامل

دین کے کامل ہونے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ دین کے احکام اور اس کی تعلیمات و ہدایات کی ہمہ گیری یعنی دین وہی کامل ہو سکتا ہے جو مکمل ضابطہ زندگی اور دستور حیات ہو۔ جس کے اندر زندگی کے ہر گوشے کے لیے احکام و ہدایات ہوں۔ مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے ہر ہر شعبہ سے

marfat.com

متعلق تعلیمات موجود ہوں' دینی' سیاسی' معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل موجود ہو' تاکہ انسان زندگی کے کسی مرحلے میں اصول و ضوابط اور ہدایات کے سلسلے میں دوسرے کا دست نگر نہ ہو کہ اسے احساس ہو کہ معلوم نہیں کہ یہ مرحلہ زندگی رب کائنات کی مرضی کے مطابق گزر رہا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ احکام فطرت کے مطابق ہوں' تاکہ ان پر عمل در آمد کے سلسلہ میں انسان مجبور و معذور نہ ہو۔

۲- وہ دین ایسے نبی کا لایا ہوا ہو جو خاتم پیغمبراں ہو' اس لیے کہ آخری پیغمبر نہ ہونا اور ان کے بعد کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین کامل نہیں ہے۔ اگر کامل ہوتا تو دوسرے نبی کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث نہ فرمایا جاتا۔

۳- دین لانے والے نبی کی نبوت عام ہو یعنی وہ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک اور زمانہ بعثت سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہوں۔ اس لیے کہ اگر کسی خاص قوم یا ملک اور کسی خاص زمانہ کے لیے نبی ہوں تو دوسری قوموں اور زمانوں کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت پیش آئے گی۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ دین کامل کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔

اور اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء رسل تشریف لائے' ان میں سے کسی کی تعلیمات ہمہ گیر نہ تھیں۔ ان میں کوئی خاتم پیغمبراں نہیں اور نہ ہی کسی کی نبوت عام تھی۔ ہر نبی کسی خاص قوم و ملک اور خاص زمانہ کے لیے مبعوث ہوتے رہے۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف' حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف اور حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو) وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا (اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو) وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ○ (اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو) الغرض! ان میں سے کسی نبی کی نبوت عام نہیں تھی مگر سید الانبیاء و المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں مذکورہ باتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جنہیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

احکام و تعلیمات کی ہمہ گیری

دین اسلام کے احکام و ہدایات زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور فطرت کے مطابق ہیں۔ مہد کی زندگی سے لے کر لحد کے سارے احکام بالتفصیل موجود ہیں۔ مالک حقیقی کی عبادت کے طریقے' کسب حلال کے اصول' سیاست کرنے کے انداز' نزاعات و مقدمات کے فیصلے' قوانین اور وراثت کے احکام' اکل و شرب کے آداب' نشست و برخاست' چلنے پھرنے' سونے اور جاگنے کے طریقے' غرض! عقائد ہوں کہ عبادات' اخلاق ہوں کہ آداب تمدن' خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار' انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ' سب کے متعلق اسلام میں احکام اور ہدایتیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ قضائے حاجت' طہارت حاصل کرنے کے طریقے بھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض مشرکین نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مذاقاً کہا تھا کہ تمہارے پیغمبر تم کو پاخانہ کرنا بھی سکھاتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ سچ ہے۔ آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں' نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور تین ڈھیلوں سے استنجا کریں۔ ان میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔
(جامع ترمذی)

تعلیمات اسلام کی یہ ہمہ گیری اس کی تکمیل کی دلیل ہے۔

اسلام میں یہ احکام اور تعلیمات اسی طرح موجود ہیں جس طرح صدیوں پیشتر موجود تھیں۔ اسلام آج بھی پست سے پست

marfat.com

اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں کے لیے یکساں احکام و ہدایات رکھتا ہے۔ دین اسلام میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام دینی تعلیمات و ہدایات کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے دوسرے ادیان کی طرح اسلام سے باہر کسی تعلیم کی ان کو ضرورت پیش نہیں آتی۔ مثلاً عیسوی مذہب کو (چند اختلافات چھوڑ کر کہ جن کا ماخذ انجیل ہے) عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں، ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے، مگر یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ انسانی زندگی کے کسی مرحلہ اور کسی شعبے کے لیے احکام و ہدایات کے سلسلہ میں دوسرے کا دست نگر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں دین اسلام کو مکمل کرنے کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یعنی اے محبوب! آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب مدارک التنزیل نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ امور تکلیفیہ کے احکام قرآن و حدیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگر کسی چیز کے سلسلے میں قرآن و حدیث کا حکم موجود نہیں ہے تو خداوند قدوس نے قیاس کے اصول و قوانین کی معرفت کرا دی ہے۔ تاکہ قیاس کے ذریعہ حکم معلوم ہو جائے، اس میں قیاس کے منکرین کا رد بھی ہے۔ حالانکہ قیاس اصول شرع میں سے ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے پسند بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو فیصلہ کیسے کرو گے؟ اور کس چیز سے کرو گے؟ تو عرض کیا، کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا: کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کیا: اَجْتَهِدُ بِرَائِیْ میں اپنی رائے اور عقل سے اجتہاد کروں گا اور طلب صواب میں کوتاہی نہ کروں گا۔ تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا یَرْضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے رسول خدا کے فرستادہ کو اس کی توفیق عنایت فرمائی جس سے اللہ کا رسول خوش اور راضی ہے۔

(مشکوہ باب العمل فی القضاء والخوف منہ)

حضرت شیخ محقق دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قیاس اور اجتہاد کی شریعت پر دلیل ہے۔ بخلاف اصحاب ظواہر کے جو قیاس کے منکر ہیں۔ الغرض! دین اسلام وہ دین ہے جو احکام اور تعلیمات کے سلسلہ میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا:

اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَّهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَّکْتُبَ بَعْضَهَا۔

یعنی اے اللہ کے رسول! ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ کیا آپ ان میں سے بعض باتوں کے لکھنے کی اجازت فرماتے ہیں۔

تو سرکار نے زجر و انکار کے طور پر ارشاد فرمایا:

اَمُتَهَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَهَوَّکَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔

کیا تم لوگ حیرت شک اور شبہ میں ہو جس طرح یہود و نصاریٰ حیرت اور شک و شبہ میں مبتلا ہوئے۔

میں ملت اسلام کو سفید اور روشن و صاف لایا ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو انہیں میرا ہی اتباع کرنا ہوتا۔

marfat.com

مشکوۃ المصابیح مرقاۃ اشعۃ اللمعات میں اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى کی شرح یہ بیان کی گئی ہے کہ کیا دین اسلام کے کامل اور تمام ہونے کے سلسلہ میں تمہیں حیرت اور رشک و شبہ ہے کہ اپنی کتاب اور نبی کے غیر سے علم حاصل کر رہے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے حیرت شک و شبہ میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پس پشت ڈال دی اور اپنے راہبوں اور پادریوں کی خواہشات کا اتباع کیا گویا سرکار نے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اسلام دین کامل ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے دین کے احکام کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اقوال و اعمال میں میرا ہی اتباع کرتے۔

اور چونکہ اسلام کے احکام فطرت کے مطابق ہیں اس لیے ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام بتاتے ہوئے اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے۔ آپ نے خداوند قدوس کی عبادت و پرستش کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود ہی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ آپ نے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی اعانت کی تعلیم دی تو سب سے پہلے آپ نے اعانت فرما کر دکھائی۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی تو جہاد فرما کر اس کا نمونہ بھی پیش فرمایا اور عفو و درگزر کی تعلیم دی تو فتح مکہ کے موقع پر مکہ والوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ، تم سب کے سب آزاد ہو تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ تعلیمات اسلام ناقابل عمل اور غیر فطری نہیں ہیں۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ثابت ہوا کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام ہمہ گیر اور قابل عمل ہیں۔

ختم نبوت

دین اسلام لانے والے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ خاتم پیغمبراں ہیں۔ آپ کے ختم نبوت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔

اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

میری مثال اور مجھ سے قبل انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے حسین و جمیل گھر تیار کیا، مگر کسی گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی تو لوگ اس گھر کا طواف کرنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ اس اینٹ کو کیوں نہیں رکھ دیا گیا۔ یعنی یہ جگہ کیوں نہیں پر کر دی گئی، تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ میں ہوں وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ اور میں خاتم پیغمبراں ہوں۔

آپ کی ختم نبوت سے متعلق بخاری و ترمذی و مشکوۃ المصابیح وغیرہا میں بہت سی احادیث مقدسہ مروی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

marfat.com

آپ کو خاتم النبین نہ ماننا' قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے اور یہ بالاتفاق کفر ہے۔ اور صحابہ سے لے کر آج تک امت اسلامیہ کا اس پر اجماع صریح قائم ہے۔

عموم نبوت و رسالت

اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء و رسل تشریف لائے وہ کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی تھے' مگر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی خاص ملک و قوم کے لیے اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی نہیں' بلکہ آپ کی نبوت عام ہے۔ آپ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لیے نبی ہیں اور زمانہ بعثت سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (ماخوذ)

marfat.com

مولانا اسلم بستوی (بلرامپور)

ملعون رشدی کے باطل نظریات کا جواب

خون انسانی کا احترام

انسان "کن" کے امر ربی سے وجود میں آنے والی تمام کائنات کے تخلیقی عمل سے بالکل جدا قادر مطلق کی ایک علیحدہ اور خصوصی تخلیق ہے۔ اسے دیگر تمام مخلوقات کے مقابلے میں بہترین نقشے پر بنایا گیا ہے۔ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" اور اسے ساری مخلوقات پر بزرگی اور فضیلت بخشی گئی ہے۔

"لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ" یہ شرف و فضیلت اور عظمت انسان کو محض انسان ہونے کی بناء پر حاصل ہے۔ اس میں کالے، گورے عربی، عجمی، شرقی، غربی اونچے نیچے کا کوئی امتیاز نہیں کیونکہ سب نفس واحدہ سے پیدا ہوئے۔ "کُلُّکُمْ بَنِیْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"۔

جب یہ بات مسلّم ہوگئی کہ جملہ انسان نفس واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں تو اپنی جگہ پر یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ سارے انسانوں کا خون بھی یکساں ہے اور ان کا رنگ بھی ایک ہے۔ انسان تمام مخلوقات میں سب سے محترم ہے تو اس کا خون بھی محترم ہے۔ لہٰذا قتل، غارت گری یا کسی بھی طریقے سے انسان کا خون بہانا اور اس کی حرمت کو بلاوجہ پامال کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احترام خون انسانیت پر غیر معمولی زور دیا ہے، چنانچہ ایک بار طواف کے دوران خانہ کعبہ کو مخاطب کرکے فرمایا:

"کتنا پاکیزہ ہے تو، اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! ایک مسلمان کے جان و مال اور خون کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے"۔ (ابن ماجہ)

"لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کردی گئیں، ہمیشہ کے لیے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذوالحجہ) کی حرمت اس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور خود کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ"۔ (بخاری، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

بعدازاں آپ نے اپنی اس نصیحت پر عمل کیا اولین مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم کرتا ہوں، میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ

marfat.com

ابن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا' اب میں معاف کرتا ہوں"۔ (بخاری' ابوداؤد' نسائی' مسند احمد)

اسی طرح ایک بار آپ نے انسانی خون بالخصوص خون مسلم کی اہمیت و عظمت کو اس طرح بیان فرمایا:

"کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا"۔ (مسلم)

پیغمبر اسلام کے نزدیک صرف مسلمان ہی کا خون محترم نہیں' بلکہ خدا کے ہر بندے کا خون محترم ہے۔ چنانچہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے اگر کسی ذمی (کافر) کا خون ناحق بالقصد ہو جائے تو اس پر جنت حرام ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"جس نے کسی ذمی کو قتل کیا' اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی"۔ (نسائی)

"جس نے کسی غیر مسلم کو قتل کیا' وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا"۔ (بخاری)

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مشرکین کے چند بچے زد میں آکر ہلاک ہو گئے۔ آپ کو سخت رنج ہوا۔ بعض صحابہ نے عرض کیا یہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

"خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو' خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوئی ہے"۔ (مسند احمد)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک شخص کی لاش ملی مگر اس کے قاتل کا پتہ نہ چلا۔ اس پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کے عالم میں خطبہ ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! کیا بات ہے؟ میرے ہوتے ہوئے آدمی قتل کیا جاتا ہے اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک آدمی کے قتل پر اگر آسمان و زمین کی تمام مخلوق بھی متفق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے گا"۔ (طبرانی)

ایک غزوہ میں ایک عورت ہلاک ہو گئی۔ اس کی لاش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا:

"اوہ! یہ تم نے کیا کر ڈالا؟ یہ تو جنگ کرنے والوں میں شامل نہ تھی' جاؤ! خالد سے کہہ دو کہ ذریت (عورتوں اور بچوں) اور معذوروں کو قتل نہ کرو"۔

پیغمبر اسلام کے نزدیک انسانی خون کی حرمت کا اندازہ ہمیں فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے واقعے سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ مکہ حضور کے جانی دشمنوں اور اسلام کے کٹر مخالفوں کا گڑھ تھا۔ یہاں وہ لوگ آباد تھے جنہوں نے قدم قدم پر آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے' آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ آپ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا' آپ کے قتل کے منصوبے بنائے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ مدینہ پر بار بار حملہ آور ہوئے۔ جنگ بدر' جنگ احد اور جنگ احزاب برپا کی' آپ کے متعدد جانثاروں کو شہید کر دیا اور آپ کو بھی زخمی کیا۔ آپ کے جو ساتھی مکہ سے ہجرت کر کے یمن' شام اور حبش گئے' وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے چچا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی' ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور عکرمہ ابی ابوجہل' صفوان ابن امیہ' کعب بن زہیر اور انہی جیسے سینکڑوں دشمنان اسلام' شہر میں موجود تھے۔ حضور آج ان سے ایک ایک بدی کا بدلہ چکانے پر قادر تھے' لیکن آپ نے قدرت انتقام کے باوجود ان کی جان بخشی کے لیے اسلامی فوج کو حسب ذیل احکام جاری کیے:

۱- جو شخص ہتھیار پھینک دے' اسے قتل نہ کیا جائے۔

۲- جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے' اسے قتل نہ کیا جائے۔

۳- جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو' اسے قتل نہ کیا جائے۔

۴- جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں پہنچ جائے' اسے قتل نہ کیا جائے۔

marfat.com

۵- جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے' اسے قتل نہ کیا جائے۔
۶- بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷- زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

فتح مکہ کے بعد جب خانہ کعبہ کے سامنے لوگوں کا اجتماع عام ہوا تو آپ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا:

"جانتے ہو! میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں"۔

مجمع سے آواز آئی "آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"۔

حضور نے جواباً فرمایا: "تم پر آج کوئی گرفت نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو"۔

مکہ میں پیغمبر اسلام نے جو اس رحمت و مہربانی' عفو و احسان کی عظیم مثال قائم کی' وہ بعد کو اسلام کے قانون جنگ کا ایک اہم باب بن گئی اور خلفاء راشدین کے دور میں شام' عراق' مصر' ایران اور روم وغیرہ کی فتوحات میں فتح کے بعد قتل و خونریزی سے اسی طرح گریز کیا گیا۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی نے اپنے اپنے کمانڈروں اور گورنروں کو اس سلسلے میں جو ہدایات جاری کیں' ان کی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان سب پر فتح مکہ کے عفو عام کا گہرا اثر موجود ہے۔

پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انداز فکر تعزیرات اور سزاؤں کے سلسلے میں بالخصوص سزائے موت کے سلسلے میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس ابتدائی سزا سے حتی الوسع مجرم کو بچانے کی راہ تلاش کی جائے اور اسباب و شواہد سزا کے لیے نہیں' بلکہ برات کے لیے ڈھونڈے جائیں' چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

"جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں کو سزا سے بچاؤ۔ کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ یہ بات کہ امام (حاکم) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ اس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے"۔ (ترمذی)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"جب تک بچانے کی کوئی راہ مل رہی ہو اس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ"۔ (ابن ماجہ)

آپ کے اس انداز فکر کی نمایاں جھلک ہمیں حضرت ماعز بن مالک کے واقعے میں ملتی ہے۔ حضرت ماعز بن مالک زنا کے مرتکب ہوئے تو حضور کی خدمت میں خود حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھے پاک کر دیجئے' میں نے زنا کیا ہے"۔ ان کی یہ بات سن کر پہلے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا' پھر ارشاد فرمایا:

"ارے چلا جا! اور اللہ سے توبہ استغفار کر"۔ انہوں نے سامنے آکر پھر وہی بات دہرائی اور آپ نے منہ پھیر لیا۔

انہوں نے تیسری بار سامنے آکر وہی بات کہی اور آپ نے منہ پھیر لیا تو حضرت ابوبکر نے انہیں متنبہ کیا "دیکھو! اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہیں رجم (سنگسار) کروا دیں گے"۔ مگر وہ نہ مانے اور اپنی بات پھر دہرائی۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے:

"شاید تو نے بوس و کنار کیا ہو گا یا چھیڑ چھاڑ کی ہو گی یا نظر بد ڈالی ہو گی؟"

انہوں نے کہا "نہیں!"

آپ نے پوچھا "کیا اس سے ہم بستر ہوا؟"

marfat.com

انہوں نے کہا "ہاں!"

پھر دریافت فرمایا "کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟"

انہوں نے کہا "ہاں!"

بالآخر آپ نے دریافت فرمایا "کیا تو جانتا ہے کہ زنا کسے کہتے ہیں؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں! میں نے اس کے ساتھ حرام طریقے سے وہ کام کیا جو شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے"۔

آپ نے پوچھا "کیا تیری شادی ہو چکی ہے؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں!"

آپ نے پوچھا "تو نے شراب تو نہیں پی لی ہے؟"

انہوں نے کہا "نہیں!"

ایک شخص نے اٹھ کر ان کا منہ سونگھا اور تصدیق کی۔ پھر آپ نے ان کے محلے والوں سے دریافت کیا "یہ دیوانہ تو نہیں ہے---؟"

محلے والوں نے کہا "ہم نے اس کی عقل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی"۔

آپ نے حضرت ہزالی بن نعیم سے (جنہوں نے ماعز بن مالک کی پرورش کی تھی اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے مغفرت کرانے کا مشورہ دیا تھا) فرمایا: "کاش! تم نے اس کا پردہ ڈھانک لیا ہوتا تو تمہارے لیے اچھا تھا"۔ پھر آپ نے ماعز کو رجم کرنے کا فیصلہ صادر فرما دیا اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا گیا۔ جب پتھر لگنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگے اور کہا "لوگو! مجھے رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو۔ میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے مروا دیا۔ انہوں نے مجھے دھوکا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کریں گے"۔ مگر پتھر مارنے والوں نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ماعز کی آخری خواہش کی اطلاع جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئی تو نہایت افسوس کے ساتھ ارشاد فرمایا: "تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ (اس کی خواہش کے مطابق) میرے پاس لے آئے ہوتے' شاید! وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا"۔

اس واقعے میں حضور کا ایک ایک سوال صاف بتا رہا ہے کہ ماعز کو رجم سے بچا لینے کی ہر ممکن کوشش فرما رہے تھے۔ ان کے اپنے بیان یا محلے والوں کی شہادت سے شک کا کوئی ایسا پہلو تلاش کر رہے تھے جس کا فائدہ پہنچا کر ماعز کی جان بچائی جا سکے' آپ نے نشہ یا فتور عقل کا شبہ بھی ڈھونڈا' لیکن جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور جرم کے ثابت ہو جانے میں کوئی شک و شبہ نہ رہا' تب جا کر فیصلہ صادر فرمایا تاہم ماعز کی جان جانے کا آپ کو قلق بھی ہوا۔

اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ صادر کرتے وقت بالخصوص کسی کو سزائے موت کا فیصلہ دیتے وقت معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے کس حد تک تحقیق ضروری ہے۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ غامدیہ نامی ایک عورت کا ہے۔ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چار بار زنا کا اقرار کرتے ہوئے کہتی ہے "یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے اور میں حاملہ ہوں' مجھے سنگسار کر کے پاک کر دیجئے!"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جا! وضع حمل کے بعد (بچہ پیدا ہونے کے بعد) آنا"۔

وہ وضع حمل کے بعد بچے کو گود میں لے کر آتی ہے اور پھر درخواست کرتی ہے "مجھے پاک کر دیجئے"۔

marfat.com

آپ نے ارشاد فرمایا: "جا! اور اس کو دودھ پلا۔ دودھ چھوٹنے کے بعد آنا"۔

وہ دودھ چھڑانے کے بعد آتی ہے تو ساتھ ہی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لے آتی ہے۔ اس نے بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر حضور کو دکھایا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے اور دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے"۔ تب آپ نے بچے کو پرورش کے لیے ایک شخص کے حوالے کیا اور اس کے رجم (سنگسار) کا حکم فرمادیا۔

انسانی خون کی حرمت یا تحفظ جان کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس کا اطلاق کب سے ہوگا؟

دنیا کے عام قوانین تحفظ جان کو بعد از ولادت قابل اطلاق قرار دیتے ہیں لیکن پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے استقرار حمل سے ہی قابل اطلاق قرار دیا ہے' چنانچہ اسی واقعے میں عورت کے صریح اقرار زنا کے باوجود آپ نے اسے رجم (سنگسار) کی سزا نہیں دی کیونکہ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ حاملہ ہے' اس لیے اسے بچے کی ولادت اور مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد سزا دی گئی۔ اگر یہی سزا فوری طور پر نافذ کردی ہوتی تو بچے کا خون ناحق ہوتا۔ اسی طرح ایام رضاعت میں سزا دی جاتی تو بچے کی ہلاکت کا اندیشہ تھا۔

فقہاء اسلام نے تحفظ جان کے حق کو استقرار حمل کے ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد قابل معافی قرار دیا ہے کیونکہ اس عرصے میں جنسین گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہو کر انسانی شکل وصورت میں ڈھلنے لگتا ہے اور اس پر انسان ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے فقہاء کی اس رائے کو اب صدیوں بعد جدید میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ امریکی سپریم کورٹ نے روبنام ویڈ کے مشہور مقدمہ میں جدید طبی تحقیقات کے حوالے سے فیصلہ دیا ہے کہ رحم مادر میں "انسانی وجود" کو حمل کے تین ماہ بعد قانوناً تسلیم کرلیا جائے گا۔

یہ ہیں پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے انسانی خون کی حرمت سے متعلق فرامین وفیصلے جنہیں آج مذہب اسلام میں پورے طور پر قانون کا درجہ حاصل ہے اور تحفظ جان کے سلسلے میں چودہ سو سال سے بھی پیشتر پر انا فیصلہ جس کی رو سے انسانی جان کے تحفظ کی ضمانت جو نہ صرف انسان کے اس عالم رنگ وبو میں آنے پر حاصل ہوتی ہے' بلکہ اسے شکم مادری سے حاصل ہو جاتی ہے جسے اس ترقی یافتہ عہد کی جدید میڈیکل سائنس بھی اپنی تمام تر تحقیق کی روشنی میں آج ماننے پر مجبور ہے۔

marfat.com

مولانا احمد القادری بہیروی

ملعون رشدی کی معراج مصطفٰے ﷺ پر تنقید

سید نا رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے دو عظیم پہلو ہیں:
اول : ہندوؤں سے ملا ہوا اور تقاضائے بشریت کے عین مطابق ہے۔
دوم : خدا سے ملا ہوا اور عقل بشریت سے ماوراء ہے۔
معراج جسمانی اور رویت باری کا تعلق بھی اس دوسرے پہلو سے ہے۔ اعلان نبوت کا بارہواں سال (تفسیر خزائن العرفان' بنی اسرائیل: ۱) اور مکہ کی سرزمین سے کفار و مشرکین کی کثرت اور فدایان جمال مصطفٰی کی قلت ہے۔ ہر طرف دشمنان اسلام کا دور دورہ ہے۔ نبوت و رسالت سے انکار کی آوازیں چار سو گونج رہی ہیں۔ ایک بشر سے غیب کی باتیں سن کر مذاق اڑایا جارہا ہے اور اپنی ہی طرح بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھ کر توہین رسالت کی جارہی ہے۔ غم گسار حضرت خدیجہ اور ابو طالب کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا ہے۔ عین اس ماحول میں رب جلیل و قدیر نے اپنے اس خاص بندے کو جس کے لیے ساری کائنات پیدا کی' اپنے پاس بلا کر رحمت خاصہ سے نوازا۔ انوار و تجلیات سے ہم کنار کیا۔ دیدار ذات سے آپ کی جسمانی آنکھوں کو سرور بخشا اور ایسا قرب تھا کہ دو کمانوں کا فاصلہ بھی نہ رہا۔(۱) کوہ طور پر نہیں خاص عرش عظیم' بلکہ لامکاں کی رفعتوں پر ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کیا گفتگو ہوئی' توریت کی طرح بیان کر کے بندوں کو روشناس نہیں کرایا گیا بلکہ "فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی" (النجم: ۱۰) پردہ میں پوشیدہ رکھی گئی اور یہ سب تمام سیر مکان و لامکان رات کے ایک مختصر سے حصے میں مکمل کرادی گئی۔ یہ ایسی انوکھی باتیں ہیں جو انسان نے نہ اس سے پہلے کبھی سنی تھیں' نہ بعد میں اب تک سنیں اور نہ قیامت تک سن سکے گا۔ اگر اس ماحول میں صاف صاف انہیں بیان کیا گیا ہوتا تو عقل و خرد پر بھروسہ کرنے والا انسان فوراً ہی انکار کر دیتا اور دلیل کا طلب گار ہوتا۔ آسمانی دلائل و براہین پیش کیے جاتے تو اس کی عقل ناقص کی سمجھ سے بالاتر ہوتے۔ اس لیے پروردگار عالم نے عظمت والے قرآن میں وہیں تک سیر کی واضح آیت کریمہ نازل فرمائی جس کے دلائل و براہین منکرین کو آسانی سے خاموش کر دیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ — پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے

(۱) اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے:
ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ (پارہ ۲۷' النجم: ۸-۹)
پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ بھی نہ رہا' بلکہ اس سے بھی کم۔ (کنز الایمان)

marfat.com

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ○ (پارہ ۱۵)

مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے حبیب سبحانی' صاحب معراج جسمانی' ناظر انوار ربانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رات کے ایک مختصر سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے کا خود ذکر فرمایا ہے' تاکہ لوگوں کو رب قدیر کی عظمت و کبریائی اور بارگاہ ذوالجلال میں محبوب کی قدر و منزلت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ قادر قیوم وہ طاقت و قدرت رکھتا ہے کہ اس نے اپنے بندہ خاص کو جب اپنی عظیم نشانیاں دکھانا اور اسے سیر کرانا چاہا رات کے مختصر سے وقت میں سیر کرادی اور ایسی تفصیلی سیر کہ لوگوں نے اس کا امتحان لینا چاہا تو آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منزل ہی نہیں بلکہ راہ منزل کی ہربات کی تفصیل بتادی اور ایسی تفصیل کہ اگر ہم ہزار بار بھی کسی راہ سے گزریں تو وہ تفصیل نہ پیش کر سکیں۔

آخر کار کفار و مشرکین کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا اور مسلمانوں کا ایمان تازہ ہو گیا۔ پھر جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمان و لامکان جنت و دوزخ اور بے کیف دیدار الٰہی کا بیان فرمایا تو اہل اسلام نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ ان کے سامنے بیت المقدس کے عینی مشاہدات آئینے کی طرح جلوہ گر ہو چکے تھے جن کے پیش نظر کفار و مشرکین کو بھی سکوت و لاجوابی کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

وہ امین صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب سیر لامکان کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں' کیونکہ ہر مومن کا دل اس کے سامنے جھک جائے لیکن یہ ایک بڑی آزمائش تھی۔ کتنے اس امتحان میں ناکام ہوئے اور امن رسالت سے جدا ہو گئے اور بہت سے بندے اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور ایمان کی تازگی و پختگی پائی۔ کسی نے تو اس کامیابی میں اول درجہ حاصل کر کے صدیق کا لقب بھی پالیا۔ غرضیکہ اس زمانہ میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک کفار و مشرکین کا جنہوں نے انکار و اختلاف کا کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا اور دوسرا صحابہ و عاشقان رسول کا جنہوں نے اس واقعہ کی عینی حقیقت تسلیم کر کے خداوند کریم کی بارگاہ میں عظیم رتبہ حاصل کیا۔ بعض ایسے بھی نام نہاد مسلمان تھے جو اسرار کا انکار کر کے ضلالت و گمراہی کے غار میں گر گئے۔

ان تمام تاریخی حقائق و مشاہدات کے ہوتے ہوئے اب بھی کوئی معراج مبارک کو خواب و خیال قرار دے تو کتنی بڑی نادانی ہے۔ قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی جس کے دست قدرت میں ساری کائنات ہے۔ اگر معراج جسمانی نہ ہوتی محض منامی یا روحانی ہوتی اور اس کے سارے بیانات و مشاہدات عینی نہ ہوتے تو کفار مشرکین انہیں سن کر ہرگز انکار نہ کرتے اور کچھ افراد اسلام سے پھر کر مرتد و بے دین نہ ہوتے' کیونکہ خواب تو ایسی حقیقت ہے جس سے قریباً ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ خواب کے اندر دور دراز شہروں میں سیر و تفریح کے لیے پہنچ جانا جس کی مسافت مہینوں کی ہو ایسے افعال کا صدور ہو جانا جو سالوں میں بھی نہ ہو سکیں (مثلاً خواب میں لاولد کو کئی اولادوں کا ہو جانا) اگر کوئی خواب دیکھنے والا بیان کرے تو ایسی شدت سے کوئی اس کا منکر نہیں ہوتا۔ معراج کے اتنے منکرین ہو جانا خود اس کے جسمانی ہونے کی دلیل ہے۔ خواب تو اگر کسی محال چیز کا بھی ہو تو اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب نہیں دیکھا تھا؟ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ ان ستاروں کا کسی انسان کو سجدہ کرنا کیا ممکن ہے۔ خارجی واقعہ ہو تو عقل اس پر بھی اعتراض کر سکتی ہے۔ چاند' سورج اور ستاروں نے یکبارگی سجدہ کیا تھا یا جدا جدا؟ اگر یکبارگی سجدہ کیا اس نیر اعظم کے سامنے انہیں ستارے کیسے نظر آئے اور اگر جدا جدا تو یہ ایک

marfat.com

خواب کا ذکر ہے۔ کب سورج نے کیا' کب چاند نے اور کب ستاروں کو سجدہ کا موقع ملا' کیونکہ ہر ایک کی منزلیں جدا جدا ہیں۔ جس وقت وہ نیر اعظم سجدہ میں مشغول تھا۔ ساکن تھا یا متحرک' اگر ساکن تھا تو سجدہ کے لیے حرکت ضروری ہے اور اگر متحرک تھا جب بھی سجدہ کی حالت میں سکون ضروری ہے' غرضیکہ عقل اس کے انکار کی بہت سی راہیں نکال سکتی ہے لیکن چونکہ وہ خواب ہے اس لیے مان لیا گیا اور عام عادت نے عقل کو باور کرایا کہ خواب میں محالات کا وقوع جائز ہے اور اس پر کسی کا اعتراض نہیں۔

آج تو سیاروں کی خاک چھاننے والوں کے سامنے تھوڑے سے وقت میں آسمان کی سیر قطعاً محال نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ آنے والے دلائل و براہین عقل والوں کے لیے ہیں' اس دریدہ کور کا کوئی علاج نہیں جو عناداً انکاری ہو یا انتہائے بلادت کی وجہ سے اس کے دماغ میں یہ عظیم نشانیاں نہ سما سکتی ہوں۔

خداوند کریم نے بے شمار مخلوق پیدا کی۔ ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ مراتب و درجات رکھے ہیں۔ کوئی مخلوق اپنی حد سے تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی مثلاً کنکر' پتھر اگر درختوں کی طرح بڑھنا چاہیں تو نہیں بڑھ سکتے۔ درخت' جانوروں کی طرح چلنا پھرنا چاہیں تو نہیں چل پھر سکتے۔ جانور اگر منطق و فلسفہ پڑھنا چاہیں تو نہیں پڑھ سکتے۔ انسان اگر خداوند کریم کی ذات و صفات کی حقیقت کو سمجھنا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے۔ فرشتے تمام تر خدا کے معصوم بندے ہونے کے باوجود بھی حقیقت ذات کے ادراک سے قاصر ہیں۔

مولانا رومی علیہ الرحمہ مثنوی میں فرماتے ہیں:

گر بدیدے حس حیواں شاہ را
پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے سرکار کا مرتبہ پہچان لیتا تو بیل اور گدھے بھی خدا کا دیدار کر سکتے۔

اس تمثیل کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنی طاقت و قوت کی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو یہ اس کے لیے ناممکن ہے۔ اسی طرح عقل انسانی کی بھی ایک حد ہے جہاں سے وہ تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ خود انسانوں کے درمیان بھی بڑا امتیاز ہے۔ ایک بات ہزار کوشش کے بعد بھی کسی انسان کی سمجھ میں نہیں آتی اور دوسرا آدمی چشم زدن میں حل کر لیتا ہے۔ ایک جاہل گنوار آج بھی سائنسی ترقیاں دیکھتا یا سنتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے اور اس کے اسباب و علل اس کی سمجھ میں نہیں آتے' جبکہ ایک دوسرا انسان صرف ان کا نکتہ داں ہی نہیں' بلکہ موجد و صانع بھی ہے۔

یوں بھی جہاں حکماء انسان کی عقلوں کی انتہا ہے وہیں سے عقل نبوت کی ابتدا ہے۔ وہ باتیں جو ایک حکیم و فیلسوف عمر خضر لگا کر بھی حل نہیں کر سکتا' ایک نبی برابر ان کی عقد کشائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اسی فرق مراتب کو مولانا رومی نے کتنی عمدہ تشبیہات کے ذریعہ بیان کیا ہے:

ہر دو گوں آب و گیاہ خوردند و آب — زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکناب
ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد — واں خورد آید ہمہ نور احد

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے خالص مشک پیدا ہوتا ہے۔ ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔

اس لیے ہر فن کے ماہرین کی باتیں اس فن سے نابلد افراد ضرورت کے وقت بلا چون و چرا تسلیم کرتے ہیں مثلاً دواؤں کے خواص مریض کے تجربہ میں اگرچہ نہ آتے ہوں مگر اس کے ماہرین کی باتوں پر اعتماد کر کے استعمال کر لیتا ہے اور قطعاً اس کی پرواہ

marfat.com

نہیں کرتا کہ ممکن ہے طبیب دھوکہ سے زہر کھلا رہا ہو۔ اسی طرح غیر نبی کے لیے ضروری ہے کہ نبی کی بات پر یقین لائے' خواہ اس کے ادراک سے قاصر کیوں نہ ہو' کیونکہ جہاں علم نبی کی ابتدا ہے وہیں تک اس کے فہم و خرد کی انتہا ہے۔

ہم مومن ہیں اپنے نبی کی نبوت کا یقین ہمارے دلوں اور جسم کی رگ میں پیوست ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی ہر بات مرتبہ یقین و اذعان سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ ان کی ہر بات تسلیم ہے' چاہے وہ ہماری عقل ناقص میں آئے یا نہ آئے۔ زمین و آسمان' جنت و دوزخ قبر و برزخ' حشر و نشر' میزان و صراط غرضیکہ کتنی باتیں ہیں جنہیں ہم اپنی عقل کی بنیاد پر سمجھنا چاہیں تو ہرگز نہیں سمجھ سکتے لیکن ہمارے نبی نے فرمادیا اس لیے ہمیں تسلیم ہیں۔

واقعہ معراج بھی چونکہ اقتباس و استنباط اور عقل انسانی کے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس باب میں بھی دیکھا جائے کہ خدا و رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں' تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اسی کے آگے سر تسلیم خم ہو۔

معراج جسمانی کے دلائل (قرآن و سنت کی روشنی میں)

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔
(قرآن کریم' پارہ ۱۵)

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔
(کنزالایمان از امام احمد رضا فاضل بریلوی)

اس آیت کریمہ سے معراج جسمانی ہونے کا پتہ چلتا ہے کیونکہ "عبد" تنہا روح کے لیے نہیں بولا جاتا' بلکہ روح جسم کے لیے مستعمل ہے۔ قرآن و حدیث یا کلام عرب میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی کو دنیاوی زندگی میں "عبد" کہا گیا ہو اور لفظ "عبد" سے مراد صرف "روح" ہو۔ اس میں کسی اہل زبان کا اختلاف نہیں۔

(اصوال الشاشی مطبع محمد کانپور ص ۱۳)

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ۔ (پارہ ۱۵' ۶)

اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش۔ (کنزالایمان)

"رویا" لفظ مشترک ہے دیدار عینی اور دیدار منامی دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اسی لیے جو معراج منامی کے قائل ہیں۔ اس آیت کو معراج منامی پر محمول کرتے ہیں اور جو جسمانی کے قائل ہیں وہ اس کو معراج جسمانی پر محمول کرتے ہیں۔

لفظ مشترک کے کسی ایک معنی کی تعیین قیاس (جو قرآن و حدیث یا اجماع امت سے مستنبط ہو) یا نص سے ترجیح کے بغیر ممکن نہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب دلائل سے ایک معنی متعین ہو جائے تو دوسرے کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔

(ترمذی شریف جلد ۲' ص ۱۴۱)

قیاس

"رویا" کے دیدار عینی ہونے کے لیے "فِتْنَۃً" (آزمائش) "لِلنَّاسِ" قرینہ ہے۔ اس طرح کہ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کے ایک مختصر حصہ میں زمین و آسمان کے سیر کرنے کی حقیقت بیان کریں گے تو لوگوں کے امتحان و آزمائش کا باعث ہو گا تو وہ لوگ جو آپ کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنے والے ہیں' وہ اسے بھی حقیقت مان کر امتحان میں کامیاب ہو جائیں

marfat.com

گے اور جن کے دلوں میں کجی ہے' اسے امر عادی کے خلاف سمجھ کر منکر بن جائیں گے اور یہ ان کے امتحان میں ناکامی کی دلیل ہوگی--- تاریخ گواہ ہے کہ معراج اقدس کے معاملے میں مکہ ہی میں مصدقین و منکرین کے دو گروہ پیدا ہوئے۔ مصدقین کو کامیاب اور منکرین کو گمراہ کہا گیا--- اگر اس "رویا" کو دیدار عینی کے بجائے خواب پر محمول کیا جائے تو کسی کے لیے امتحان و آزمائش کا باعث نہیں ہوگا کیونکہ دونوں گروہ اسے تسلیم کرلیں گے' اس لیے کہ چند ساعت میں عظیم سیر ناممکن اور خلاف عادت نہیں جس کا کوئی عاقل انکار کرسکے۔

نص

اب دیکھئے اس آیت کی تفسیر میں نصوص کیا ہیں:

سید المفسرین جناب عبداللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ۔

وہ دیدار عینی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب اسراء دکھایا گیا۔

(بخاری شریف ج۱' ص۵۵۰' ج۲' ص۲۸۶)

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تفسیر کے بعد جسے سید المحدثین حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کلام الٰہی کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب میں تخریج فرمایا' دیدار عینی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

امام بخاری کے علاوہ امام ترمذی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں بعینہ وہی بات لکھی ہے۔

(بخاری ج۱' ص۵۵۰ وج۲' ص۶۸۶' ترمذی ج۲' ص۵۴۹)

(۳) مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ لَقَدْ رَاٰ مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (قرآن کریم پارہ ۲۷' ۵)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی' بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (کنز الایمان)

لفظ "بصر" دیدار عینی کے لیے آتا ہے اور رویت بھی جب مطلق ہو تو اس سے دیدار عینی ہی مراد ہوتا ہے خواب نہیں مراد لیا جاسکتا' جب تک کہ قرینہ واضح نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری فرماتے ہیں:

مَازَاغَ الْبَصَرُ بَصَرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا رَاٰهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ۔

یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ کسی طرف نہ پھری' اس سے جسے شب معراج دیکھا۔

(بخاری شریف ج۱' ص۵۴۹)

قرآن مقدس کی یہ تین آیتیں معراج جسمانی کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ تاہم چند احادیث بھی درج ذیل کی جارہی ہیں۔

احادیث و سیر میں اس واقعہ کو کثیر صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ۲۶ اور ۴۵ صحابہ کو نام بنام گنایا ہے۔

صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذر' حضرت مالک ابن صعصعہ' حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ ابن عباس' حضرت ابوہریرہ' حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔

marfat.com

احادیث

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث ابھی بخاری و ترمذی کے حوالہ سے گزری جس میں فرمایا گیا:
"وہ دیدار عینی تھا جسے شب اسراء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھایا گیا"۔

(بحوالہ حاشیہ نبراس مطبوعہ عبدالحق اکیڈمی پاکستان، ص ۴۶۹)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب اسراء بیت المقدس لایا گیا تھا۔ دو پیالے شراب و دودھ پیش کیے گئے تھے۔ آپ نے دونوں کی طرف دیکھا اور دودھ والا پیالہ اٹھالیا۔

(بخاری شریف جلد ۱، ص ۵۴۹)

اس حدیث میں صاف صاف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیت المقدس لے جانے کا ذکر ہے۔

(۶) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر ایک سفید چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ اس پر مجھ کو سوار کیا گیا، پھر مجھے جبرئیل لے کر چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک آئے۔ اس کے بعد واقعہ معراج ہے۔

(بخاری شریف جلد ۱، ص ۵۴۹)

اس حدیث مبارک میں جسم مبارک کے سوار کرانے اور لے کر جانے کی صراحت ملتی ہے۔

(۷) مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیداری کی حالت میں اپنی آنکھ سے دیکھا۔ یہی مرقاۃ میں بھی ہے۔ (بحوالہ حاشیہ نبراس، مطبوعہ عبدالحق اکیڈمی پاکستان، ص ۴۶۹)

(۸) بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مشکوۃ، بیہقی، مسند امام احمد وغیرہ نے کثیر صحابہ سے واقعہ معراج کی روایت کی ہے جس میں اکثر مطلق رویت کا ذکر ملتا ہے اور جب مطلق رویت بولا جائے تو اس سے مراد دیدار عینی ہوتا ہے۔ یہی اہل زبان کی اصطلاح ہے۔

اقوال سلف

(۹) ان احادیث کی روشنی میں امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے جس پر سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامہ متاخرین میں سے فقہاء اور محدثین و متکلمین سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہو جائے گا۔

(شرح مسلم از امام نووی، مطبوعہ رشیدیہ دہلی ص ۹۱، ج ۱)

(۱۰) حجتہ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔ آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا پھر سدرۃ المنتہیٰ تک، پھر جہاں تک اللہ نے چاہا۔ یہ تمام جسم مبارک کے لیے بیداری کی حالت میں واقع ہوا۔

(حجتہ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ)

(۱۱) درس نظامی کی مشہور کتاب عقائد نسفیہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ آسمان تک پھر وہاں سے جہاں تک اللہ نے چاہا حق ہے۔

(عقائد نسفی از علامہ ابو الفضل محمد بن محمد نسفی (۶۸۶ھ) ص ۱۰۴)

(۱۲) حاشیہ بخاری میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری فرماتے ہیں۔ اسراء دو بار ہوا۔ ایک مرتبہ روح کے ساتھ خواب

marfat.com

میں اور ایک مرتبہ روح وبدن کے ساتھ بیداری میں۔ اسی پر جمہور سلف اور خلف ہیں کہ اسراء روح وبدن کے ساتھ ہے۔
(حاشیہ بخاری از مولانا احمد علی محدث سہارنپوری ص ۵۰، ج ۱)

(۱۳) قاضی عیاض علیہ الرحمہ "شفا" میں فرماتے ہیں، بڑے بڑے اسلاف کرام کا یہی قول ہے کہ اسراء جسد کے ساتھ بحالت بیداری واقع ہوا۔ یہی حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابو ہریرہ، مالک بن معصعہ، ابو حبہ بدری، ابن مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ یہی طبری، ابن حنبل اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا مذہب ہے اور یہی اکثر متاخرین فقہاء و محدثین، متکلمین و مفسرین کا ارشاد ہے۔ (شفا از قاضی عیاض علیہ الرحمہ م ۵۴۴ھ)

معراج جسمانی کے دلائل کثیر ہیں لیکن ہم نے ان میں چند پر اکتفا کیا جو بڑے مضبوط، ٹھوس اور ناقابل انکار ہیں۔ قرآن مقدس کی آیتوں کے بارے میں تو کہنا ہی کیا ہے؟ جو احادیث پیش کی گئی ہیں، وہ بھی محدثین کی کسوٹی پر کھری اور بالکل صحیح اترتی ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی جو بالاتفاق کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔ اسلاف میں بھی انہیں کے اقوال پیش کیے گئے ہیں جو مسلمانوں کے سبھی مکاتب خیال کے مسلم پیشوا ہیں۔ اثبات معراج جسمانی کی اتنی گواہیاں گزر جانے کے بعد ناظرین کے لیے فیصلہ کرنا دشوار نہیں رہ جاتا۔ حقیقت پسند اور عناد سے خالی ذہن معراج جسمانی کے اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے قریباً سبھی فرقے معراج جسمانی کے قائل ہیں، جو منکر ہیں وہ یقیناً اس باب میں در پردہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مقلد ہیں۔ اور انہیں کی کمزور و ناقابل اعتناد دلیلوں پر ان کے افکار و خیالات کی بنیاد قائم ہے۔

رویت باری

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج مبارک جسمانی ہونے میں تو جمہور کا اتفاق ہے لیکن اس رات دیدار الٰہی ہونے کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ رویت کے چار مذاہب ہیں۔ (نبراس، شرح عقائد ص ۴۷۵)

پہلا مذہب: مطلق انکار--- یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ہے اور یہی حضرت ابن مسعود و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ استدلال اس آیت کریمہ سے ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (قرآن کریم، پ ۷، ۱۹)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرنے والا ہے اور وہی ہے باطن پورا خبردار۔

ان کی قوی تر دلیل یہی ہے کہ باری تعالیٰ کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں۔

اس کا متکلمین اور دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ ادراک کے معنی احاطہ ہیں، اس طرح کہ دیکھنے میں نگاہیں ہر چہار جانب سے گھیر لیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ اس آیت سے مطلق دیدار کی نفی نہیں ہوتی اور ہم مطلق دیدار ہی کے قائل ہیں احاطہ کے نہیں۔ جیسے چاند یا آسمان ہم دیکھتے ہیں لیکن ہماری نگاہیں ہر چہار جانب سے ان کا احاطہ نہیں کر پاتیں۔
(شرح عقائد نسفی از علامہ سعد الدین تفتازانی م ۷۹۱ھ)

یہ تاویل اس لیے بھی ضروری ہے کہ خود قرآن مقدس میں وارد ہے:

marfat.com

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے۔

(قرآن کریم پارہ ۲۹' ۷)

یہاں مطلق رویت کا اثبات ہے۔ اگر وہاں مطلق رویت کا سبب مان لیا جائے تو دونوں امتوں کے درمیان تضاد لازم آئے گا اور کلام باری تعالیٰ میں یہ ممکن نہیں۔

حدیث میں بھی اثبات رویت وارد ہے:

عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَا تَضَاْلُوْنَ فِىْ رُؤْيَتِهٖ۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوہ ج۲' ص۵۰۰)

جریر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو آنکھ سے دیکھو گے اور ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا: عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کی رویت میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں عام مومنین کے لیے آخرت میں رویت باری ثابت ہے۔ تو جس طرح لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ہوتے ہوئے عام مومنین کے لیے رویت باری جائز ہے' اگر دنیا میں جان مومنین حبیب رب العالمین علیہ الصلوۃ والتسلیم کے لیے بصورت معجزہ ہو تو کون سی قباحت ہے؟ اور جو تاویل آخرت میں دیدار باری کی ہوگی وہی تاویل یہاں بھی کی جاسکتی ہے۔

منکرین رویت کی دوسری دلیل

اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہوتا تو جب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "رَبِّ اَرِنِىْٓ" تو اس کے جواب میں "ہرگز نہ دیکھو گے" نہ فرمایا جاتا۔

اس کے جواب میں شرح مسلم میں امام نووی قاضی عیاض سے نقل فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لیے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ اس کے لیے رب کے لیے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے۔ اس سے دنیا میں رویت باری کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا جواب: خداوند کریم نے "لَنْ تَرَانِىْ" کے بعد "وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِىْ" سے استدراک فرمایا' اس میں اپنے دیدار کی شرط استقرار جبل پر رکھی اور استقرار جبل ممکن ہے تو جو اور کسی ممکن سے مشروط ہو یقیناً وہ بھی ممکن ہوگا۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ دنیا میں امکان دیدار الٰہی کی خود دلیل بن گئی۔

دوسرا مذہب: رویت قلبی کا اثبات--- یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

۱- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰهُ بِقَلْبِهٖ۔ (مسلم شریف ص۹۸)

عن ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى

حضرت ابن عباس سے "ما كذب الفواد" الایہ کی

marfat.com

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی- قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَیْنِ- تفسیر میں مروی ہے 'انہوں نے کہا سرکار نے اپنے رب کو اپنے دل سے دوبار دیکھا۔ (مسلم ج۱' ص۹۸)

یہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے لیکن ان کا قول اور فتویٰ اس کے خلاف ہے اور انہوں نے رویت عینی کے اثبات کا فتویٰ دیا ہے جو عنقریب مذہب سوم میں آ رہا ہے اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت مووّل ہوگی کیونکہ فتویٰ بلاوجہ اپنی روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا' ورنہ راوی ساقط الاعتبار ہو جائے گا اور یہ کسی صحابی کے لیے ممکن نہیں۔

تیسرا مذہب رویت عینی کا اثبات--- یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول اور ان کی روایت مشہورہ ہے۔ اسی پر امام اہلسنت شیخ ابوالحسن اشعری اور شارح مسلم امام نووی وغیرہ ہیں اور یہی جمہور صحابہ اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔

اب ذیل میں قائلین رویت عینی کے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں:

۱- وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی- اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا۔ (قرآن پارہ ۲۷' ۵)

اس کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے:

اس میں ضمیر منصوب اللہ کی طرف ہے کیونکہ حسن علیہ الرحمہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

احادیث

۲- امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

۳- ترمذی شریف میں ابن عباس سے مروی' فرمایا: ہم بنی ہاشم (اہل بیت) رسول اللہ کہتے ہیں' بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

۴- ابوالفتح رازی اور ابواللیث سمرقندی نے حضرت کعب کی حکایت بیان کی۔ ابن عباس اور کعب جمع ہوئے تو ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم تو کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا تو حضرت کعب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا' یہاں تک کہ پہاڑوں سے آواز بازگشت آئی اور کہا کہ اللہ نے اپنی رویت اور کلام' محمد اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ تو موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیدار کیا۔

۵- طبرانی اور معجم اوسط میں مروی ہے' عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: محمد نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔ عکرمہ (ان کے شاگرد) کہتے ہیں' میں نے عرض کیا' کیا نہیں فرماتا ہے "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ"۔ فرمایا: بے شک محمد نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔

۶- طبرانی معجم اوسط میں راوی ابن عباس نے فرمایا: بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو بار اپنے رب کو دیکھا۔ ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

۷- ابن عساکر' جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی' حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا اور مجھ کو شفاعت کبریٰ و حوض کوثر سے فضیلت بخشی۔

marfat.com

۸- ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھ سے میرے رب عزوجل نے فرمایا اور تمہیں اے محمد! مواجہہ بخشا (کہ بے پردہ و حجاب تم نے میرا جمال دیکھا)

۹- ابن مردویہ حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی' کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا..... تو میں نے عرض کی' یا رسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا۔ فرمایا: مجھے اس کے پاس (اپنے رب) کا دیدار ہوا۔

۱۰- ابن اسحاق عبداللہ ابن سلمہ سے راوی کہ عبداللہ بن عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کرا بھیجا' کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں!

۱۱- محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں! (شفاج ۱' ص ۱۹۷)

۱۲- امام الائمہ ابن خزیمہ امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ (منبہ المنیہ' ص ۷)

۱۳- عبداللہ بن سقیق سے مروی' کہا میں نے حضرت ابوذر سے' اگر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو ان سے پوچھتا۔ فرمایا: کیا پوچھتے؟ تو میں نے کہا' پوچھتا: کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو حضرت ابوذر نے کہا' میں نے حضور سے پوچھا تھا تو فرمایا: ایک نور تھا جسے میں نے دیکھا۔ (ترمذی شریف' ج ۲' ص ۱۶۱)

۱۴- یہ کئی طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کلام سے اور ابراہیم کو خلت سے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رویت سے امتیاز بخشا اور انہوں نے باری تعالیٰ کے ارشاد: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ وَمَا رَاٰى اَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى - وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى سے استدلال فرمایا۔ (شفاج ۱' ص ۱۹۶)

اقوال اسلاف و ائمہ

شرح مسلم میں امام نووی فرماتے ہیں' دیدار الٰہی دنیا میں ہو سکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لیے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے' کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ رب کے لیے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے۔ رویت باری کے ثبوت میں اگرچہ بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ہم ان میں قوی ترین دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن کی اسناد میں کوئی نقص نہیں۔ (شرح مسلم ج ۱' ص ۹۷)

۱۶- امام نسائی' امام ابن خزیمہ' حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے' کیا ابراہیم کے لیے دوستی اور موسیٰ کے لیے کلام اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے دیدار ہونے میں تمہیں اچنبھا ہے۔ (منبہ المنیہ ص ۷)

۱۷- اخبار التابعین مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ امام حسن بصری قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے' یقیناً محمد نے اپنے رب کو دیکھا۔

۱۸- امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے (جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں) راوی ہیں کہ حضرت عروہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے ہیں اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا ہے۔

۱۹- امام خلال کتاب السنہ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی حضرت امام احمد بن حنبل رویت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل

marfat.com

میں فرماتے کہ نبی کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ (منبہ المنیہ ص ۷)

۲۰۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں' میں حدیث ابن عباس کا معتقد ہوں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا۔ دیکھا یہاں تک فرماتے رہے کہ امام احمد کی سانس ٹوٹ گئی۔ (شفاج ۱' ص ۱۹۷)

۲۱۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں' حق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور جمہور صحابہ اسی پر ہیں' ورنہ دل کی آنکھ سے دیدار تو تمام حالتوں میں تھا۔ حالت معراج کے ساتھ خاص نہیں۔ (میزان العقائد ص ۱۰۵)

مذہب چہارم: توقف--- یہ سعید بن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فیصلہ

رویت عینی سے متعلق امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نواوی (۶۳۱-۶۷۶ھ) کا قول فیصل اس طرح ہے۔ اصل اس باب میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جو حبر امت میں اور مشکل مسائل میں مرجع۔ حضرت ابن عمر نے اس مسئلہ میں ان سے گفت و شنید کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا سرکار نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ جب اثبات رویت میں حضرت ابن عباس سے منقول روایتیں درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں تو اثبات رویت کی طرف رجوع لازم ہے کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جس کا عقل سے ادراک ہو جائے اور ظن سے اخذ کی جائے تو یہ سماع سے حاصل ہونے والا مسئلہ ہے اور کوئی بھی حضرت عباس کے ساتھ یہ گمان کرنا روا نہ رکھے گا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ظن و اجتہاد سے کلام لیا ہے۔

حضرت معمر بن راشد کے سامنے حضرت عائشہ و ابن عباس کا اختلاف ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا:

مَاعَائِشَةُ عِنْدَنَا بِاَعْلَمَ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ ہمارے نزدیک عائشہ ابن عباس سے زیادہ علم والی نہیں ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس نے ایک ایسے امر کا اثبات کیا ہے جس کی دوسرے نے نفی کی ہے اور اثبات کرنے والا نفی کرنے والے پر مقدم ہوتا ہے' کیونکہ نافی عدم علم کے باعث نفی کرتا ہے اور مثبت اپنے علم کی وجہ سے اثبات کرتا ہے۔ ہذا کلام صاحب التحریر۔

حاصل یہ ہوا کہ اکثر علماء کے نزدیک رائج یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ احادیث ہیں۔ یقیناً ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر ہی رویت کا اثبات کیا ہے۔ اس میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

marfat.com

حضرت علامہ ارشد القادری

محمد عربی ﷺ اور ہمہ گیر انقلاب

ملعون رشدی کے لیے لمحہ فکریہ

ایک صدی نہیں، آدھی صدی نہیں، چوتھائی صدی سے بھی کم، صرف ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین پر اتنا بڑا روحانی اور مذہبی انقلاب برپا ہوا کہ آج تک اس کی برکتیں آسمان کے بادل کی طرح برس رہی ہیں، سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی ہیں اور ہمیشہ شگفتہ رہنے والے پھولوں کی طرح مہک رہی ہیں۔ رسالت محمد کے دریائے ناپیدا کنار سے اٹھنے والی ان نورانی لہروں کو آپ گنتے رہیے۔ قیامت کی صبح ہو جائے اور گنتی پوری نہ ہو۔

عقل حیران ہے کہ مکہ کے تیرہ سال قید و بند اور مصائب و آلام کی صعوبتوں میں گزرے اور مدینہ کے دس سال قتل و خون کے معرکوں میں بسر ہوئے، لیکن انہی چنے گئے ایام میں دنیا کا اتنا بڑا انقلاب برپا ہوا کہ پوری تاریخ انسانی میں اتنا محیط، اتنا جامع اتنا ہمہ گیر اور اتنا ہمہ جہت انقلاب نہ کبھی چشم فلک نے دیکھا ہے اور نہ عقل اس کا تصور کر سکتی ہے۔

ایسا انقلاب جس نے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، ریاستوں کے نقشے بدل دیئے، قوموں کا ذہن بدل دیا، اخلاق کی قدریں بدل دیں، مجد و شرف کا معیار بدل کر رکھ دیا، فکر کے زاویے بدل دیئے، دلوں کے تقاضے بدل دیئے، طبیعتوں کی سرشت بدل دی، معاشرے کا ڈھانچہ بدل دیا، زندگی کے قافلوں کی سمتیں بدل دیں، لذت و مسرت اور تکلیف و آرام کے احساسات بدل دیئے، یہاں تک کہ چشم زدن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کو ایسا بدل دیا کہ وہ اپنے ظاہر سے بھی بدل گئے اور باطن سے بھی۔ وہ اپنے اندر سے بھی بدل گئے اور باہر سے بھی۔ بدلنے والے اس شان سے بدلے کہ جسے دیکھ لیا وہ بھی بدل گیا۔ جسے چھو دیا وہ مٹی تھا تو سونا ہو گیا، قطرہ تھا تو دریا ہو گیا، ذرہ تھا تو سورج کی طرح چمکنے لگا۔ جس آبادی سے گزر گئے وہ ایمان و یقین کی خوشبو سے معطر ہو گئی، جس ویرانے میں قدم رکھ دیا وہ لہلہانے لگی۔

اور انقلاب کی گہرائی میں اترے تو اتنا ہمہ گیر اور رنگا رنگ انقلاب کہ بیک وقت اسے مذہبی انقلاب بھی کہئے اور زرعی انقلاب بھی، اسے خاندانی انقلاب کہئے اور رنگ و نسل کا انقلاب بھی، اسے علم و فکر کا انقلاب بھی کہئے اور آئین و دستور کا انقلاب بھی، اسے تمدنی اور تہذیبی انقلاب بھی کہئے اور انفرادی و اجتماعی انقلاب بھی، اسے علاقائی انقلاب بھی کہئے اور عالمی انقلاب بھی، اسے دنیوی و اخروی انقلاب بھی کہئے اور ابدی و سرمدی انقلاب بھی۔

marfat.com

عقل حیران ہے کہ اتنا بڑا انقلاب جو حیات انسانی کے ہر شعبے پر حاوی ہو تنہا ایک امی انسان کی ذات سے کیونکر وجود میں آ گیا۔ اتنا عظیم انقلاب جو دنیا سے لے کر محشر تک سارے بنی نوع انسان پر ابدی سعادتوں کے دروازے کھولتا ہوا اور جو دنیوی زندگی کی کامرانی کا بھی ضامن ہو اور اخروی نجات کا بھی پروانہ عطا کرتا ہو ایک ایسے یتیم کے ہاتھ سے کیونکر سرانجام پایا' جس کا خدا کے سوا اس دنیا میں نہ کوئی معلم تھا نہ مربی' نہ کوئی محافظ تھا نہ نگہبان۔ سارا خاندان جس سے شاکی' جس کا قبیلہ جس سے منحرف' سارا مکہ جس کے خون کا پیاسا اور سارا عرب جس کا دشمن۔

اور حیرت بالائے حیرت یہ امر ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں برپا ہونے والا یہ انقلاب دو چار سال' سو پچاس برس یا دو چار صدی کے لیے نہیں تھا بلکہ چلانے والے نے اس اعلان کا ساتھ اپنا سکہ چلایا تھا کہ وہ ایک ہی نرخ پر قیامت تک چلتا رہے گا۔ دنیا بدلتی رہے گی' نسلیں پھولتی رہیں گی' پھلتی رہیں گی' انسان آتے رہیں گے جاتے رہیں گے' آبادیوں کا نقشہ بنتا رہے گا بگڑتا رہے گا' قوموں کی کشتی ڈوبتی رہے گی ابھرتی رہے گی' لیکن اسلام کا سکہ ہر دور میں چلے گا' ہر ملک میں چلے گا' ہر قوم میں چلے گا' ہر حال میں چلے گا اور ایک ہی نرخ پر ہمیشہ چلتا رہے گا۔

اور تاریخ کے جھروکے سے عقل کا یہ مشاہدہ بھی جھٹلانے کے قابل نہیں ہے کہ بسانے والے نے اسلام کا گھر اس شان سے بسایا کہ اقوام عالم کے درمیان اسلام کو مذہبی' سیاسی' روحانی' علمی' اخلاقی' معاشی' تمدنی اور فکری بالادستی کے لیے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی' اس کا انتظام بھی اسی قلیل مدت میں کر دیا۔

چنانچہ عقل نے جب رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا کنار سے اٹھتی ہوئی لہروں کا جائزہ لیا جو پیغمبر اعظم کے جلو میں مچل رہی تھیں' تو وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسلام کو قیامت تک زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے اگر ایک طرف کشور کشا مجاہدین کا امنڈتا ہوا لشکر ہے تو دوسری طرف خلافت ارض کا کاروبار سنبھالنے والا فرماں رواؤں کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف اسلامی نظام حیات کا دستور اور شریعت محمدی کے قوانین مرتب کرنے والے فقہاء و مجتہدین ہیں تو دوسری طرف قانون کا تضاد اور حقوق کا تحفظ کرنے والے قاضیوں کا طبقہ ہے۔ اگر ایک طرف معاشرہ کو اسلامی اخلاق و احکام کے سانچے میں ڈھالنے والے مصلحین ہیں تو دوسری طرف قلوب و ارواح کو تجلیات الٰہی کا گہوارہ بنانے والے اصحاب سلوک و احسان کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف کلمہ اسلام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے والے مبلغین کا دستہ ہے تو دوسری طرف اسلام کے اندرونی نظام اعتقاد و عمل کو غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے پاک کرنے والے مجددین کی جماعت ہے۔ اگر ایک طرف باطنی دنیا کا کاروبار سنبھالنے والے اولیا' غوث' اقطاب' ابدال' اوتاد' نقباء اور نجباء کے نورانی طبقات ہیں تو دوسری طرف ظاہری احوال کو درست رکھنے والے نائبین رسول کا مقدس گروہ ہے۔ اگر ایک طرف قرآن کریم سینوں کے تہہ خانوں میں محفوظ کرنے والے حفاظ کا طبقہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے حروف و کلمات کو صحیح تلفظ اور ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے والے قاریوں کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف قرآن حکیم کے مفاہیم و مطالب اور اس کے علوم و معارف سے قلوب و اذہان کو منور کرنے والے مفسرین کرام ہیں تو دوسری طرف قرآن حکیم کے دلائل و براہین کے انوار سے عقول انسانی کو چراغ دکھانے والے محققین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افوال کو امت کے افراد تک پہنچانے والے راویوں کا گروہ ہے تو دوسری طرف رجال حدیث کے احوال زندگی اور ان کے سلسلہ روایت کا ریکارڈ رکھنے والے محدثین کا طبقہ ہے۔ اگر ایک طرف حصول روایت و درایت کی کسوٹی پر حدیثوں کو جانچنے والے ناقدین ہیں تو دوسری طرف اسلام کے تواریخ و واقعات سے دنیا کو باخبر کرنے والے مورخین کی جماعت ہے۔ اگر ایک طرف قرآن کی فقید المثال فصاحت و بلاغت کو ادبی اور فنی بنیادوں پر دنیا

marfat.com

کے سامنے پیش کرنے والے اہل معانی کا گروہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے انداز بیان اور محاورات کی تفہیم کے لیے عرب کی قدیم زبان و ادب اور لغات و اشعار کے ماہرین کا طبقہ ہے۔ اگر ایک طرف رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل و سیر اور معجزات و خصائص کی تفصیلات سے افراد امت کو سرشار کرنے والے اصحاب سیر ہیں تو دوسری طرف قلوب مومنین میں حب رسول کی شمع روشن کرنے والے نعت گو شعراء اور میلاد خوانوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف دینی علوم کو آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے والے اصحاب درس و تدریس ہیں تو دوسری طرف عقل و حکمت کے دلائل سے عقائد اسلام کو مسلح کرنے والے حکماء و متکلمین کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف نبوت کے علوم و معارف کے ذخائر کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے والے مصنفین ہیں تو دوسری طرف بحث و استدلال کے میدان میں اسلام کی طرف سے دفاع کرنے والے مناظرین کا طبقہ ہے۔ اگر ایک طرف مساجد ہیں اجتماعی نظام عبادت کی قیادت کرنے والے ائمہ کرام کی جماعت ہے تو دوسری طرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے والے واعظین کا دستہ ہے۔

عقل حیران ہے کہ ایک جہان نو کی تخلیق کی طرح اسلام کی اشاعت و بقا کے یہ سارے انتظامات اتنی قلیل مدت میں کیونکر وجود میں آگئے۔ سینکڑوں انواع و اصناف کے خانوں میں تقسیم ہونے والے ان طبقات کا گہرا مطالعہ کیجئے تو آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ایک نظام سلطنت کی طرح یہ سارا سازو سامان صرف اس لیے وجود میں آیا' تاکہ دنیا میں اسلام کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہے۔

اسباب و علل کی بنیاد پر واقعات کو جانچنے والی عقل کیا اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے کہ وہ عرب جو صدیوں سے کفر و شرک' فواحش و منکرات اور طرح طرح کی وحشت و درندگی میں ڈوبا ہوا تھا' وہ پلک جھپکتے اندر سے باہر تک کیونکر بدل گیا۔ اخلاقی برائیوں سے کسی فرد یا جماعت کا تائب ہو جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے' اس طرح کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں لیکن یہ معجزہ کی حد تک ضرور حیرت انگیز ہے کہ ملک کا ملک اپنا آبائی مذہب بدل دے۔ قبیلے کا قبیلہ اپنی خاندانی روایات سے منحرف ہو جائے۔ قوم کی قوم اپنے اس عقیدے سے تائب ہو جائے جس پر وہ پیدا ہوئی تھی اور جسے اپنے آباء و اجداد سے اس نے ورثے میں پایا تھا--- اور تبدیلی کا رد عمل بھی اس بیکراں جذبے کے ساتھ کہ پرانے دین کا ایک ایک نشان جب تک مٹ نہیں گیا' قرار نہیں ملا۔

اور کیا انسانی تاریخ میں اس واقعہ کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ ایک معصوم پیغمبر لگاتار تیرہ سال تک کفار مکہ کے لرزہ خیز مظالم کا سامنا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک دن تنگ آکر وہ مدینے کی طرف ہجرت کر جاتا ہے اور ابھی آٹھ سال بھی نہیں گزرنے پاتے کہ وہی پیغمبر بارہ ہزار کا جرار لشکر اپنے جلو میں لیے ہوئے شاہانہ سطوت و جلال اور فاتحانہ کروفر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ مکے کے وہی باشندے جو ہجرت کی رات میں ننگی تلواریں لیے ہوئے اس کے قتل کا منصوبہ بنا کر آئے تھے اور جو ساری زندگی اس پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے' آج اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ایک شرمسار مجرم کی طرح عفو و درگزر کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

عقل اس سوال پر دم بخود ہے کہ جانے والا تو مکہ سے اکیلا ہی گیا تھا۔ صرف سات سال میں یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار اس کے پاس کہاں سے آگیا۔ آخر یہ کون لوگ تھے جو توحید کا پرچم اٹھائے ہوئے اس مکہ میں داخل ہو رہے تھے' جہاں لا الہ الا اللہ کہنا سماج کا سب سے بڑا جرم تھا۔ کیا یہ کوئی آسمانی مخلوق تھی جو بادلوں کے راستے سے فرش خاک پر اتر آئی تھی یا زمین نے دفینے کے بجائے آدمیوں کا لشکر اگل دیا تھا--- آخر عشاق کی طرح اشارۂ ابرو پہ کٹ مرنے والے یہ دیوانے کہاں سے آگئے تھے اور

marfat.com

انسانی فطرت کی یہ عجوبہ کاری تو دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے کہ وہی مکہ جہاں بتوں کے خلاف وعظ تک برداشت نہیں تھا' آج وہیں بتوں پر ہتھوڑے چل رہے تھے اور سارا مکہ خاموش تماشائی تھا۔ جن لوگوں نے اپنے باطل معبودوں کی حمایت میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا' ظلم کے پہاڑ توڑے تھے' پیغمبر کو زخمی کیا تھا' حق پرستوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا' آج وہی لوگ خانہ کعبہ کے اندر سے اپنے فرضی خداؤں کی لاش اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے اور اس قصے میں سر دھننے کی بات تو یہ ہے کہ صدیوں تک قلوب و ارواح کی سرزمین پر حکمرانی کرنے والے مرکز عقیدت کو توڑتے ہوئے انہیں ذرا بھی قلق نہیں تھا بلکہ ان کے سینے جوش مسرت سے لبریز تھے کہ آج خدائے وحدہ لاشریک کے حرم کو انہوں نے معبودان باطل کی آلائش سے پاک کر دیا تھا۔

عقل کہتی ہے کہ یہ تلواروں کا برپا کیا ہوا انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فکر و ذہن کا انقلاب تھا۔ یہ فطرت انسانی کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کا انقلاب تھا۔ یہ عقیدۂ توحید کے ساتھ روحوں کی گرویدگی اور دلوں کی نیازمندی کا انقلاب تھا۔

پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ فتح مکہ کے بعد سارے جزیرہ عرب سے بتوں کی مصنوعی ہیبت اور فرضی خدائی کا جنازہ اس دھوم دھام سے اٹھا کہ تلوار اٹھانا تو بڑی بات ہے کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں تھا۔ اب عرب کے لیے جغرافیہ میں نہ بتوں کے لیے کوئی جگہ رہ گئی تھی اور نہ بتوں کے پرستاروں کے لیے--- سارا عرب نعرۂ توحید کے غلغلے سے گونج رہا تھا۔ قبول حق کے لیے دلوں کے دروازے اس طرح کھل گئے تھے کہ قلب و روح کی پوری بشاشت کے ساتھ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ عہد رسالت کے ۲۳ سال پورے ہو چکنے کے بعد جب پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو نہ صرف یہ کہ سارا جزیرہ عرب کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہو چکا تھا' بلکہ کئی لاکھ مربع میل وسعتوں میں پھیلی ہوئی اسلام کی ایک خود مختار اور مستحکم ریاست کا قیام بھی وجود میں آ چکا تھا۔ اور اس کے بعد اسلام کا سیل رواں زمین کے طول و عرض میں اس تیزی کے ساتھ پھیلتا گیا کہ خلفائے راشدین کے عہد میمون میں اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر جگمگانے لگا اور ابھی ایک صدی بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ اس کی دھوپ ایشیا' یورپ اور افریقہ کے صحراؤں' پہاڑوں' ریگ زاروں اور سارے بحر و بر اور خشک و تر پہ پڑنے لگی۔

دل کو پگھلا دینے والی' فکر کو جگا دینے والی اور عقل کو لرزا دینے والی یہی وہ منزل ہے جہاں ہم اپنا قلم روک کر دنیا کے دانشوروں کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتے ہیں' وہ سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا دنیا میں اس سے پہلے بھی اس طرح کا کوئی روحانی' اخلاقی اور سیاسی انقلاب انہوں نے دیکھا ہے۔ طاقت کے ذریعے زمینوں' آبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرنے والے ایک سے ایک کشور کشا ہم نے دیکھے' لیکن تاریخ میں ایک بھی ایسا فاتح ہماری نظر سے نہیں گزرا جس نے آبادیوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دلوں کی سرزمین فتح کر لی ہو۔ جس نے قلعوں کی فصیلوں اور برجیوں پر اپنا جھنڈا گاڑنے سے پہلے دلوں کی سرزمین پر اپنا جھنڈا نصب کر دیا ہو۔ جس نے آب و گل کی دنیا میں اپنا سکہ رائج کرنے سے پہلے دلوں کی اقلیم میں اپنی عقیدت و محبت کا سکہ چلا دیا ہو۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے انہیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے پہلے مکہ میں آنا چاہیے۔ وہاں تلوار پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں تھی' کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں تلواریں بھی چلیں' نیزے بھی اٹھے' تیر بھی برسے اور طاقت بھی استعمال ہوئی لیکن اسلام کو پھیلانے کے لیے نہیں' اسلام کی پیش قدمی روکنے کے لیے' اسلام قبول کرنے والوں کا کلیجہ دہلانے کے لیے' پیغمبر کی آواز کو کچلنے کے لیے اور اپنے بتوں کا نعرہ بلند کر کے توحید کے پرچم کا مذاق

marfat.com

اڑانے کے لیے۔

لیکن اس کے باوجود دنیا نے پہلی بار عشق و عقیدت اور ایمان و یقین کی گرویدگی کا یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا کہ لوگ تلواروں کی ضرب سے گھائل ہوتے رہے' پتھروں کی چوٹ پہ چوٹ کھاتے رہے' انگاروں پر لوٹتے رہے' پگھلتے رہے' گرم گرم چٹانوں پر جلتے رہے اور قید و بند کی دردناک آزمائشوں میں سلگتے رہے لیکن کلمہ حق کے ساتھ والہانہ عقیدت کا نشہ تھا کہ اترنے کے بجائے چڑھتا ہی رہا۔

رسالت محمدی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت انسانی فطرت کا یہ تقاضا اگر نظر میں رکھا جائے تو اسلام کی حقانیت کا احساس دوچند ہو جائے گا اور وہ یہ کہ آدمی دل کی رغبت کے ساتھ وہیں قدم رکھتا ہے جہاں کوئی خطرہ نہ ہو یا جہاں آرام اور منفعت کی کوئی امید ہو۔ سب جانتے ہیں کہ مکہ میں آسائش و منفعت کے سارے وسائل صنادید قریش اور مکہ کے ہاتھوں میں تھے۔ رسول کے قریب آنے والوں کے لیے سوائے قید و بند' سوائے دار و رسن اور سوائے اذیت و نقصان کے مادی آسائش و منفعت کی کون سی توقع تھی۔ لوگ رات دن اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے کہ جس نے بھی رسول کا کلمہ پڑھا اس کا جینا دوبھر ہو گیا۔ مکہ کی پوری آبادی درپے آزار ہو گئی۔ اب وہ ستایا جا رہا ہے تو کوئی اس کی حمایت میں کھڑا ہونے والا نہیں۔ خون کے رشتہ داروں سے کچھ توقع تھی تو وہ بھی قاتلوں' سفاکوں اور درندوں کی صف میں ہیں۔

اب عقلائے عالم ہی فیصلہ کریں کہ ان حالات میں فطرت انسانی کا تقاضا کیا ہونا چاہیے تھا۔ کیوں ایسا نہیں ہوا کہ لوگ کلمہ پڑھنے والوں کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑتے اور ہرگز ایسے اقدام کا ارادہ نہ کرتے جس کے نتیجے میں ان کی اچھی خاصی زندگی طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کر دی جائے۔ آخر نبی کی آواز میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ان کی فطرت کو ہر طرح کے احساس زیاں سے بے نیاز کر دیا اور پھر آخر وہ کون سا جذبہ شوق تھا جس نے پروانوں کی طرح جل مرنے کی آرزو ان کے سینوں میں پیدا کر دی تھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اظہار عشق کا انجام کیا ہو گا' وہ بے محابا اپنے مقتل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ لذت اور آسائش کا مفہوم سب کے حق میں یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی پھولوں کی سیج پر راحت محسوس کرتا ہے اور کچھ ایسے بھی وارفتگان محبت ہیں جنہیں کانٹوں کی نوک سے گھائل ہونے میں مزہ ملتا ہے۔

یہی حال مکہ کے ان فیروز بختوں کا تھا جن کے دلوں میں اچانک یقین کی شمع روشن ہوئی اور وہ آن واحد میں بے حجاب جلوؤں کے تماشائی بن گئے۔ انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کونین کی ارجمندی نبی کے قدموں میں مچل رہی ہے۔ والہانہ جذبہ شوق میں اٹھے اور نبی کے قدموں کے نیچے اپنے دل بچھا دیئے۔ نبی کے چہرے میں خدائے ذوالجلال کی تجلیوں کا نظارہ کرنے والوں نے جلتی ہوئی چٹانوں پر اخلاص و وفا کا نقش ثبت کر کے دنیا کو بتا دیا کہ اسلام تلواروں کا مذہب نہیں عشق و وارفتگی کا مذہب ہے۔ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں صبر و ضبط کا مذہب ہے۔ اسلام جبر و اکراہ کا مذہب نہیں محبت و دل ربائی کا مذہب ہے۔ اسلام زر' زن اور زمین کی رشوتوں کا مذہب نہیں' نبی کے اخلاق کی کشش' نبی کے چہرہ پر نور کی طلعت زیبا' نبی کے کردار کی تقدس' سیرت کی پاکیزگی اور نبی کے لائے ہوئے دین کی سچائیوں کا مذہب ہے۔

مکہ کی سرزمین پر شہیدان عشق و وفا کے لہو کا ہر قطرہ پکارتا ہے کہ پیغمبر نے تلوار چلا کر نہیں' قرآن سنا کر اسلام پھیلایا ہے اور مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں پتھروں کی چوٹ سے گھائل ہونے والے مظلوموں کا ہر زخم آواز دیتا ہے کہ قبول کرنے والوں نے خوف سے نہیں' شوق سے اسلام قبول کیا ہے۔ دل پہلے مومن ہوا' اس کے بعد زبان نے کلمہ پڑھا۔ قہر و جبر سے گردن جھکائی جا سکتی ہے پر دل نہیں جھکائے جا سکتے۔ دل کے جھکانے کے لیے جلوؤں کی کشش چاہیے' شخصیت کی دل ربائی چاہیے اور سیرت

marfat.com

کے تقدس کا جمال چاہیے۔ یہ راز تو وارفتگان شوق ہی بتائیں گے کہ حسن ازل کی کس تجلی سے ان کے قلوب گھائل ہوئے اور آنکھوں کی پتلیوں میں خدائے واحد و قدیر کا کون سا جلوہ انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک نگاہ بندہ نواز پر متاع زندگی تک انہوں نے نثار کر دیا اور عشق و عقیدت کا نقطہ تو یہ ہے کہ دم نکل رہا ہے لیکن قدموں میں مچلنے کی آرزو پوری بشاشت کے ساتھ زندہ ہے۔

جو لوگ بدر و احد کے معرکوں کو سامنے رکھ کر اسلام پر تلوار اٹھانے کا الزام رکھتے ہیں وہ مکہ کے مقتل کا معائنہ کیوں نہیں کرتے' وہ غار ثور میں جھانک کر حق کی مظلومی کا رقت انگیز منظر کیوں نہیں دیکھتے' وہ شعب ابی طالب قیدیوں کی بے قرار اور سوگوار راتیں کیوں نہیں دیکھتے' وہ تاریخ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ مکہ میں اسلام کے پھیلنے کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی؟ کس کے قہر و جبر سے لوگ اندھیری راتوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

مکہ کے نہتے اور کمزور مسلمانوں نے کس کے مظالم سے تنگ آ کر اپنا پیدائشی وطن چھوڑ دینا گوارا کر لیا لیکن اپنے نبی کو وہ نہیں چھوڑ سکے۔ وہ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب بدر و احد کے معرکے کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھے۔ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب تلوار اسلام کے ہاتھ میں نہیں' اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے تاریخ کی اس سچائی کے سامنے ہر شخص کو سر تسلیم خم کر دینا چاہیے کہ اسلام دنیا میں اس لیے پھیلا کہ اسلام ہی انسان کا فطری مذہب ہے۔ جس نے بھی اسلام قبول کیا اس نے جبر کا نہیں اپنی فطرت کا تقاضا پورا کیا--- مکہ میں ہی نہیں دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کی دعوت پہنچی اس کی پذیرائی کے لیے صرف سلیم فطرت کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک پیاسا پانی پر ٹوٹتا ہے' اسلام کے چشمہ صافی پر بھی سلیم الفطرت انسانوں کی پیاسی روحیں بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ پیاسے کو پانی پینے کے لیے رشوت نہیں دینی پڑتی' جبر نہیں کرنا پڑتا۔ پیاسا ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ جب تک پیاس نہیں بجھے گی وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں رہے گا۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ اسلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ سعید روحیں صدیوں سے کسی چشمہ صافی کی تلاش میں تھیں جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ عرب میں رسالت کی سرزمین سے رحمت و نور کا ایک چشمہ پھوٹا ہے تشنگان شوق معرفت بے ساختہ اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ راہ طلب میں دنیا نے بڑی رکاوٹیں کھڑی کیں لیکن گزرنے والے کانٹوں سے نہیں برچھیوں کی نوک پہ قدم رکھ کر گزر گئے۔ آخر ایک دن فیروز بختیوں کی سحر طلوع ہوئی اور جذبہ طلب اخلاص نے رسول کونین کی جلوہ گاہ میں انہیں پہنچا دیا۔ صدیوں کی پیاسی روح بادۂ توحید سے اس طرح سیراب ہوئی کہ حوض کوثر ہی پر وہ دوسرے جام کی تمنا کرے گی۔

پس درود و سلام کی لگاتار بارش ہو اس جان رحمت پر جس کے تلوؤں کی دھوون سے آب حیات کو حیات جاوداں ملی۔ درود و سلام کے مہکتے ہوئے پھولوں سے معطر رہے خواب گاہ اس زینت کون و مکان کی جس نے اسلام کا گھر اس خوبی سے بسایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلے۔ ایک قطرہ اتنا پھیلا کہ دریاؤں کو بہا لے گیا۔ ایک ذرہ اتنا بلند ہوا کہ آسمان کی رفعتوں تک ہو گا۔ ایک پھول کی خوشبو اس طرح پھیلی کہ چمن چمن مہک اٹھے۔

عقل حیران ہے کہ اس پیکر زیبا کے کس کس جلوہ کا تماشا دیکھے اور اس کے فضل و جمال کے کن کن نگار خانوں کا نظارہ کرے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ جدھر دیکھئے اسی کے فیض کے چشمے لہرا رہے ہیں۔ جس طرف نظر اٹھائیے ایک ہی تجلی ہزاروں رنگ میں بکھری ہوئی ہے۔ جہاں جائیے پروانوں کا ہجوم' جس صحرا میں قدم رکھئے دیوانوں کا شور۔

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

marfat.com

بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین --- سلمان رشدی کی ہمزاد

شیطان کی طرح مشہور "شیطانی آیات" کے مصنف سلمان رشدی کے نام سے اس کی اسلام دشمنی' اہانت رسول اور فحش و عریاں تحریر کی وجہ سے دنیا کا کون سا شخص ہے جو واقف نہیں۔ جس کی دریدہ دہنیوں اور بکواسوں کا ایک معقول اور متوازن جواب "ایمانی آیات" کے نام سے لکھی گئی کتاب میں آپ صفحات سابقہ میں پڑھ چکے ہیں۔ ابھی سلمان رشدی کی خیانت و نحوست اور اس کی دل آزار کتاب سے عالم اسلام کراہ ہی رہا تھا کہ بنگلہ دیش میں تسلیمہ نسرین نامی ایک عورت کا نام اسلام اور اس کے پاکیزہ و مہذب احکام پر اپنے رکیک و ذلیل حملے' باغیانہ خیالات اور "لجا" جیسی چند پھوہڑ اور بدنام زمانہ ناولوں کے ذریعہ مسلمانان بنگلہ دیش کی غیرت و خود داری کو چیلنج کرنے کے باعث اخبارات کی سرخیوں میں آنے لگا۔ ہر طرف شور و غوغا بلند ہونے لگا۔ احتجاجات اور مظاہرے ہونے لگے۔ اس کو فنافی النار کرنے والے کے لیے پچاس ہزار ٹکے کے انعام کا اعلان ہونے لگا اور ایک بار پھر پورا عالم اسلام کراہ اٹھا--- غیرت مند و خود دار مسلمانوں کے ایمانی جذبات بھڑک اٹھے--- ایک طرف تسلیمہ کے اسلام مخالف بیانات سے پوری دنیائے اسلام میں غم و غصہ پایا جا رہا تھا تو دوسری طرف سلمان رشدی ہی کی طرح اہل مغرب تسلیمہ کی حمایت میں آواز بلند کرنے لگے اور بنگلہ دیش کی حکومت پر مغربی ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے آزادی رائے پر حملہ قرار دیا جانے لگا۔ اسلام کے خلاف مغرب کے اس رویہ پر ایک اخباری تبصرہ بالکل بجانب ہے۔

"یہ کوئی انوکھا اور نیا واقعہ نہیں ہے بلکہ ہر دور میں ایسے واقعات رونما ہوتے چلے آ رہے ہیں اور اسلام مخالف تحریکیں اسے بڑھاوا دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی ہیں--- اسی رول کو آج مغرب اور اس کے حلیف ممالک نہایت بھیانک انداز میں ادا کر رہے ہیں۔ اس خطرہ کی بنیاد پر سامراجیت اور عالمی نظام جدید میں رکاوٹ صرف اسلام ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائل کے حل سے انحراف کر کے مسلمانوں کے صرف مذہبی مسائل کو پریس میں موجب بحث بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے"۔ (اخبار العالم الاسلامی' مکتبہ المکرمہ' اگست ۱۹۹۴)

تسلیمہ نسرین کے نظریات و افکار پوری طرح سلمان رشدی کی طرح اسلام دشمنی پر مبنی ہیں۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ تسلیمہ سلمان رشدی کی ہمزاد ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

اسلام کے خلاف مرتدہ تسلیمہ نسرین کے معاندانہ نظریہ کا اصل سبب

کسی انسان کی ذہنی و فکری تعمیر و تشکیل میں فطرت و جبلت کا عمل دخل تو ہوتا ہی ہے اور کچھ ہاتھ بلکہ زیادہ تر ہاتھ سوسائٹی' ماحول اور تعلیم و تربیت کا ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص کے گھر اور باہر کا ماحول خوشگوار ہے تو اس کو بہتر عمدہ اور مہذب

marfat.com

سوسائٹی مہیا ہے۔ صاف و شفاف طور پر اس کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے تو ایسا شخص مذہب و ملک دونوں کے حق میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ وہ ملت کے مقدر کا ستارہ ہوتا ہے۔ اس کی گمراہی' ضلالت اور بے راہ روی کا امکان تقریباً مفقود ہوتا ہے لیکن جب کسی کو بری سوسائٹی' برا ماحول ملتا ہے تو اس کا حال وہی ہوتا ہے جو سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین کا ہوا--- تسلیمہ نسرین کے اندر اسلام کے خلاف معاندانہ نظریہ جو پیدا ہوا اس کا اصلی سبب یہی تھا۔ چنانچہ تسلیمہ سے متعلق ایک اردو ہفت روزہ نے یوں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

"۳۱ سالہ تسلیمہ نسرین ایک عام ڈاکٹر ہے۔ اگرچہ اب اس نے اس مشغلہ کو ترک کر کے عورتوں کی نام نہاد آزادی اور ان کے حقوق کے سلسلے میں لکھنا شروع کر دیا ہے' کالج میں پڑھنے کے زمانے ہی سے وہ اسلام دشمن طبیعت کی مالک رہی ہے۔ اکثر اپنے والدین سے نماز' روزہ اور تلاوت قرآن کریم کے بارے میں مباحثہ بھی کرتی رہتی اور ان سے یہاں تک کہہ دیتی "امی جان! آخر ان عبادات سے فائدہ کیا ہے؟ میں تو نہ اللہ کو مانتی ہوں نہ ہی اس جنت پر ایمان رکھتی ہوں جس کی تم تمنا کرتی ہو"۔ اس کی ماں جواب میں کہتی "بیٹی! یہ تمہارا موقف اسلام کے خلاف معاندانہ ہے---" اس کے اس معاندانہ نظریہ کا اصل سبب اس کی آزادانہ تفریح اور اجنبی مردوں کے ساتھ مجلسوں اور محفلوں میں اسلام کے مطالعہ کے بغیر اس پر بحث و تنقید ہے۔ انہی نظریات کی مظہر اس کی تحریریں ہیں"۔ (ہفت روزہ "راشٹریہ سہارا" دہلی ۲۵ ستمبر ۱۹۹۴ء)

قرآن پر تفصیلی نظر ثانی کی ضرورت ہے (نعوذ باللہ)

قرآن کریم اللہ عزوجل کا وہ مقدس کلام ہے جس کا ایک ایک حرف لاریب حق و صداقت کا مظہر ہے۔ جو تمام عالم کے لیے بلا کسی زمان و مکان کی قید کے نور ہدایت ہے۔ جس کا ہر قانون دنیا کے تمام قوانین سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جس میں صبح قیامت تک کوئی تغیر اور تبدیلی غیر ممکن ہے۔ ایک شخص اگر کلمہ گو اور مسلمان ہے تو اس کے لیے قرآن مقدس کو کلام الٰہی ماننا' اس کے احکام و کلمات کو غیر متغیر و متبدل ماننا لازم و ضروری ہے۔ اس پر نظر ثانی کی بات کرنا یا اس کے کسی حکم کو لائق ترمیم تسلیم کرنا ہرگز ایک مسلمان کا شیوہ نہیں۔ ایسا باغی شخص باغی اسلام و دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا--- تسلیمہ نسرین کی اشتعال انگیزیوں' ہرزہ سرائیوں اور کفر و ارتداد کی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے مئی ۱۹۹۴ء میں اپنے کلکتہ کے دورے میں ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بکواس کی کہ "قرآن پر تفصیلی نظر ثانی کی ضرورت ہے"۔ تسلیمہ نسرین کا یہ خبیث و مردود خیال اور باطل و فاسد نظریہ اخبارات کے ذریعہ لوگوں کو معلوم ہوا تو کلکتہ کے مسلمانوں نے اس پر شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ جس اخبار کو اس نے انٹرویو دیا تھا' اسی اخبار میں اس نے اپنا یہ وضاحتی خط شائع کرایا کہ "میں قرآن پر نظر ثانی نہیں چاہتی بلکہ یہ کہتی ہوں کہ اب قرآن کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب یہ بے عمل اور بے موقع ہو چکا ہے---" ظاہر ہے کہ اس کا یہ بیان اور زیادہ اشتعال انگیز ہے کیونکہ مسلمانوں کے لیے قرآن ہر دور میں رہنمائی کرنے والی اللہ کی کتاب ہے۔

کیا تسلیمہ کا نظریہ اس کی فکری آوارگی' اسلام دشمنی اور سستی شہرت حاصل کرنے کے جذبہ پر دال نہیں؟

بدنام بھی ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا---!

تسلیمہ نسرین کا ناول "لجا" جس میں اس نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد بنگلہ دیش میں ایک ہندو خاندان کی پریشانیوں کا احوال لکھا ہے جس میں اس نے مسلمانوں کے کردار اور اسلام کو ہدف تنقید بنایا ہے' کو پڑھ کر اور اس کی دیگر کتابوں کو پڑھ کر

marfat.com

اندازہ ہوتا ہے کہ تسلیمہ کا ادب صحافت سے برائے نام واسطہ ہے۔ اس کا قلم حد درجہ بے ہودہ اور فحش نگار ہے۔ اس کی تحریر نہایت غیر معیاری اور سطحی ہے--- اس کا مقصد صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا' عورتوں کی آزادی اور جنسی بے راہ روی کی وکالت کرنا ہوتا ہے۔ تسلیمہ نسرین کی فکری آوارگی اور تحریر کے غیر معیاری ہونے سے متعلق چند اخباری تراشے ملاحظہ فرمائیں:

"ہندو پاکستان کے ماہر ادیب' اصحاب فکر و نظر اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تسلیمہ جو کچھ بھی لکھتی ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ بے بنیاد افسانہ ہے بلکہ معیار ادب و صحافت کے بھی خلاف ہے' ہاں اس کی تحریریں عورتوں کی طرف جنسی میلان' شہوانیت اور جنسی ہیجان ضرور پیدا کرتی ہیں--- فحاشی' بداخلاقی اور بے حیائی کی تمام حدود سے متجاوز ہو کر اور اس کی بدکردار اور گھناؤنی تصویر دنیا اور عالم اسلام میں اس وقت ظاہر ہونے لگی جب اسلام کے خلاف اس کا بکواس بدنام زمانہ افسانوی مجموعہ "لجا" منظر عام پر آیا۔ اس کی خوب تشہیر کی گئی۔ جس میں اس نے عورتوں کے لیے پردہ کو باعث حقارت و ذلت اور بعثت و آخرت سے انکار کی حیرت انگیز جرات بھی کی ہے"۔ (ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی' ۳۱ ستمبر ۱۹۹۴ء)

"نسرین کا شمار دراصل ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جو سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی تحریر سے گریز نہیں کرتے جو یہ بالکل نہیں دیکھتے کہ اس کے منفی اور مثبت اثرات کیا مرتب ہوں گے۔ انہیں تو صرف اپنی شہرت سے غرض ہوتی ہے--- نسرین کا کہنا ہے کہ جب وہ ابھی بچی ہی تھی تبھی سے اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کے والدین بھائیوں کے مقابلے میں اس پر زیادہ پابندی لگاتے ہیں اور اسی سوچ کی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی میں بھی ڈھیر سارے مسائل کھڑے ہو گئے اور بالآخر اسے طلاق لے کر علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ طلاق کے بعد وہ اپنی کہانیوں' مضمونوں اور شاعری کے ذریعہ اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی۔ اب اس ہنگامہ آرائی' توڑ پھوڑ اور بنگلہ دیش میں اس کی حمایت اور مخالفت میں ہونے والے مظاہروں کو دیکھتے ہوئے اس نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اب وہ اپنے پرانے پیشے یعنی ڈاکٹری کو ترک کر کے مکمل طور پر اخبار سے وابستہ ہو جائے گی' تاکہ اور موثر طور پر عورتوں کے حقوق کی لڑائی لڑ سکے"۔ (ہفت روزہ "نئی دنیا" دہلی' ۳۱ ستمبر ۱۹۹۴ء)

مشہور ادیب ف' س' اعجاز کا تسلیمہ کے متعلق ایک تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

"حقیقت یہی ہے کہ تسلیمہ نسرین ایک ناول نگار کے طور پر ناکام رہی ہے۔ اس کی تحریروں پر ادبی تبصرے کم آتے ہیں۔ اہل فن نے تو اسے ناپختہ قرار دیا ہی ہے۔ ہر روز جو اخباروں کے کالم نگار اس کی بابت لکھ رہے ہیں وہ بھی ایک دو جملوں میں اس کے ناول کو سطحی تحریر ضرور قرار دیتے ہیں۔ "لجا" ناول ۴۷ء سے ۹۲ء تک کے فساد کا روزنامچہ ہے۔ جسے چند فرضی واقعات سے مربوط کر کے تسلیمہ نے بنگالی سینٹی منٹ کو ہوا دی ہے۔ مصنفہ کے الفاظ برتنے کی تمیز یہ ہے کہ اس نے نماز اور دینی شعائر تک کا مذاق اڑایا ہے"۔ (ہفت روزہ "جریدہ ٹائمز" دہلی' ۳۱ مئی ۱۹۹۴ء)

ف' س اعجاز ہی کے قلم سے ایک اور دلچسپ و طنز آلود تبصرہ ملاحظہ کیجئے۔ اس تبصرہ سے اس نام نہاد ادیبہ کی کچھ اور حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے:

"بابری مسجد کے انہدام نے بنگلہ دیش میں ایک چمکدار دانتوں والی بوائے کٹ ادیبہ کو جنم دیا جس نے "لجا" نامی بنگلہ ناول تحریر کیا۔ ادیبہ ہونے کا دعویٰ کرنے والی تسلیمہ نسرین کے چہرے اور بدن پر جو سمندری نمک اور ہلسا مچھلی کا سا روغن چمکتا ہے۔ وہ ہمارے بنگال کے مچھلی خور غیر اردو صحافیوں کو خاص طور پر للچاتا ہے اور بعض لوگوں میں انوکھی اشتہا پیدا کر دیتا ہے۔ یکے بعد دیگرے تین مردوں کے نکاح سے یہ مچھلی تڑپ کر باہر نکل آئی ہے۔ اب چوتھی شادی کے پیغامات سن کر محظوظ ہوتی ہے۔ چھاتی

marfat.com

میں وہ دم ہے کہ بر سرعام سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتی ہے۔ پہلے تو آزادی انسان کی علم برداری کرتی تھی۔ اب آزادی نسواں کا دم بھرتی ہے جو آج کہے کل اس سے مکر جاتی ہے۔ "اسٹیٹ مین" اخبار کو انٹرویو میں کہا کہ قرآن بے وقت ہو چکا ہے اسے تبدیل کرنا ضروری ہے۔ قرآن کے ماننے والے برہم ہو گئے تو جھٹ اپنے بیان سے مکر گئی اور بیان دیا میں نے تو قرآن کو بدلنے کی بات نہیں کہی' صرف شریعت کو تبدیل کرنے کی بات کہی تھی' اگلی بار پھر اس نے کہا کہ قرآن کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا چاہیے۔ اس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا--- ایک مفتی نذر الاسلام نے اس کے سر پر ایک لاکھ ٹکا کے انعام کا اعلان کر دیا ہے"۔

(ماہنامہ "انشاء" کلکتہ' جولائی۔ اگست ۱۹۹۴ء)

نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ نام نہاد ادیبہ اہل ایمان کے انتقامی جذبہ سے خائف ہو کر مغرب کی آغوش میں اسلام دشمنوں اور مغربی آقاؤں کی پناہ ڈھونڈ رہی ہے اور ادھر ادھر ماری ماری پھر رہی ہے--- وہ مغرب جو آج اپنی ہی تہذیب سے عاجز و پریشان ہے۔ ناجائز طور پر مرد و زن کے اختلاط کا حامی آج یہ مغربی معاشرہ "ایڈز" کی مہلک اور تباہ کن بیماری کی آگ میں جل رہا ہے لیکن اسلام دشمنی کے جذبہ نے انہیں اندھا و بہرا بنا رکھا ہے۔ انہیں اب بھی خواتین سے متعلق اصول و ضوابط میں کیڑے ہی کیڑے نظر آتے ہیں--- وہی اسلام جس نے عورتوں کو قعر مذلت سے نکال کر انہیں عزت کی زندگی عطا کی۔ اس کے دامن میں مسرتوں اور خوشیوں کے پھول بکھیرے' اسے شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ بنا کر اس کی عصمت و عفت کا محافظ بنایا۔ آج یہ عورت کو محض تسکین نفس کا ذریعہ اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ جاننے والے اسی اسلام کو حقوق نسواں کا غاصب قرار دیتے ہیں۔ ایسا بے بنیاد الزام عائد کرتے وقت یہ نام نہاد حقوق نسواں کے علم بردار یہ بھول جاتے ہیں کہ ابھی روئے زمین میں حس لطیف' ذوق سلیم اور صالح شعور رکھنے والے اشخاص فنا نہیں ہوئے ہیں۔ مشرق و مغرب کے درمیان جو بنیادی فرق ہے اور دونوں تہذیبوں میں زمین و آسمان کی جو نسبت ہے اس کی تسلیم شدہ حقیقت کو جھٹلانا ممکن نہیں اور پھر یہ کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ موجود ہے قرآن مقدس کی مہذب و مکمل تعلیمات بغیر کسی ترمیم و ردوبدل کے قائم و باقی ہیں۔ ان سب حقائق کی موجودگی میں عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے میں مغربی تہذیب کے ان دیوانوں کو کامیابی حاصل ہو جائے' ایسا غیر ممکن ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو دنیا کی تمام تہذیبوں اور ثقافتوں پر جو برتری اور فوقیت حاصل ہے وہ سلمان رشدی یا اس کی ہمزاد تسلیمہ نسرین کے ضمیر کو خرید کر اس برتری اور فوقیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اہل مغرب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ذہن و دماغ سے اس خوش فہمی کو نکال دینا چاہیے کہ درحقیقت وہی حقوق نسواں کے سب سے بڑے محافظ اور علم بردار ہیں بلکہ ان کا معاشرہ اس بات کا صاف غماز ہے کہ وہ محافظ و علم بردار نہیں ہیں بلکہ خواتین کے حقوق کو پیروں تلے روندنے والے اور ان کے دامن عصمت کو تار تار کر کے ان کی زندگی کے چمن کو تباہ و برباد کرنے والے ہیں۔

اسلام اور تعدد ازدواج

یوں تو اسلام پر اہل مغرب کی جانب سے حقوق نسواں کے تحفظ کے نام پر منظم ہو کر اپنے خود ساختہ قوانین مسلم ممالک پر تھوپنا چاہتی ہیں۔ سال گزشتہ چین کی راجدھانی بیجنگ میں منعقدہ زبان عالم کا اجتماع اسی منصوبہ بند سازش کا ایک حصہ تھا۔ اس کانفرنس میں بہت سی مسلم خواتین بھی شامل ہوئیں اور انہوں نے مدلل طور پر حقوق نسواں سے متعلق اسلامی نظریہ کو رکھا لیکن جہاں اسلام دشمنی کا جذبہ کار فرما ہو۔ جس کانفرنس پر یہودی لابی کا تسلط ہو اور جس اجتماع پر مغربی قوتیں اثر انداز ہوں' اس اجتماع میں اسلامی اصول و نظریات پر مبنی کوئی قرارداد پاس ہو جائے بعید از قیاس ہے' چنانچہ اس اجتماع میں بھی جو قراردادیں پاس

marfat.com

کی گئیں وہ سب کی سب اسلامی روح سے خالی تھیں--- اس اجتماع میں شامل ہونے والی خواتین عالم میں سے بیشتر نے عورتوں کو مردوں کے مساوی درجہ دیئے جانے کی وکالت کی ہے۔

یہی وہ نظریہ ہے جس کی وکالت اور تشہیر کا کام بنگلہ دیشی ادیبہ تسلیمہ نسرین نے بھی شروع کر رکھا ہے--- اس نام نہاد ادیبہ و مرتدہ نے مغرب کی تقلید میں اسلام کے تعداد ازواج کے حکم پر اعتراض کرکے اور اسے عورتوں کی حق تلفی قرار دے کر درحقیقت اپنے ذہنی دیوالیہ پن کا ثبوت ہی دیا ہے--- اسلام نے ایک سے زائد چار تک عورتوں سے شادی کی جو اجازت دی ہے اس میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں--- کیا یہ اجازت عورت کی حق تلفی ہے؟ کیا اس سے حقوق غصب ہوتے ہیں؟ اس اجازت کے پس پردہ حکیم مطلق کی کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ان سب سوالوں کا جواب آیئے محقق عصر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی کے قلم سے ملاحظہ کریں:

"اسلام مرد کے لیے حسب حال ایک سے چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت دیتا ہے--- اور ایک سے نکاح کو بلحاظ حال واجب یا سنت موکدہ وغیرہ قرار دیتا ہے اور وقت ضرورت ایک سے زائد کی بھی اجازت دیتا ہے لیکن اسے عدل اور سخت قیدوں کے ساتھ مشروط بھی کرتا ہے۔ تعدد ازدواج پر اعتراض کرنے والے یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ یہ اجازت ہے جبر نہیں۔ عدل سے مقید ہے' آزاد نہیں۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ دنیا کے بہت سے علاقے جب جنگوں میں بربادی کے باعث مردوں کی کمی اور عورتوں سے زیادتی کے حامل ہوں اور ہوئے تو ان بیواؤں کا علاج کیا ہے؟ آج جب کہ عورتوں کا فیصد ہر سمت بڑھتا ہی جا رہا ہے' ان کی ضرورت کا انتظام اور ان کے دکھ درد کی دوا کیا ہے؟--- افسوس کہ اسلام کے حاسدین نسوانی شرافتوں کو ہزاروں ہوس ناک نگاہوں اور سینکڑوں آوارہ انسانوں کے جذبات کا کھلونا بنانا تو پسند کرتے ہیں' لیکن ایک مرد کے احاطہ عفت میں چار عورتوں کا تحفظ گوارا نہیں کر سکتے--- وہ بھی جب کہ مرد قوت عدل و انصاف اور حسن نظم کا حامل ہو اور عورت اپنی عصمت کو نیلام کرنے کے بجائے حریم عفت میں ثابت قدم رہنا ہی پسند کرتی ہو---" (ماہنامہ "انشاء" کلکتہ' جولائی۔ اگست ۱۹۹۴ء)

تسلیمہ جیسی بعض فاحشہ اور آوارہ مزاج عورتیں اسلام پر یہ کہہ کر بھی عورتوں کا حق غصب کرنے کا الزام لگاتی ہیں کہ وہ مرد کو تو چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت دیتا ہے مگر عورت کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا' یہ سراسر ناانصافی ہے۔ عورت کی حق تلفی ہے' ظلم و زیادتی ہے۔ کیا عورت کو چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہ دینا واقعی ناانصافی ہے؟ یا یہ کہ اس میں بھی قدرت کا کوئی راز مضمر ہے؟ جواب مولانا مصباحی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کریں:

"وہ انسانیت اور شرف آدمیت کے دشمن ہیں جو خلاف الہیہ اور امانت ربانیہ کی حیثیت سے ناآشنا بن کر انسانوں کو پست حیوانات کی صف میں اتارنا چاہتے ہیں اور جنسی تسکین کے لیے مرد و زن کو کھلی آزادی دے کر ان کے جسم و روح دونوں کی تباہی کا پورا سامان کرتے ہیں۔ میں نے پست حیوانات اس لیے کہا ہے کہ حیوانات میں بھی جن کو قدرت نے پاکیزہ فطرت کا حامل اور انسانی کمال سے قریب بنایا ہے' وہ اختلاط جنسی میں آزاد نہیں"۔ (رشتہ ازدواج اسلام کی روشنی میں' مولانا محمد احمد مصباحی' ص ۷۷۸)

کتیا کا تعلق دس کتوں سے ہو سکتا ہے' لیکن کبوتری ایک ہی کبوتر کے ساتھ اپنی فطری زندگی بسر کرتی ہے اور اولاد کے تحفظ اور تربیت میں دونوں ہی شریک ہوتے ہیں۔ سوزاک اور آتشک کی مہلک بیماریوں کے بعد اب ایڈز کے جراثیم کے تباہ کن اثرات نے دنیا کی آنکھیں کھول دی ہیں اور اب امریکہ و یورپ کو متفقہ طور پر یہ حقیقت تسلیم کر لینی چاہیے کہ نوع انسانی کے لیے حیوانی آزادی نہیں' بلکہ قرآنی پابندی ہی میں سلامتی و بلندی ہے۔ فطرت پاکیزہ سے بغاوت جہاں انسان کو اس کی منزل بلند سے گرا کر اس کی شرافت کو چکنا چور کر دیتی ہے' وہیں اسے جسمانی امراض اور قلبی و ذہنی بیماریوں کا جہنم بھی بنا دیتی ہے۔ رشتہ

marfat.com

ازدواج اور پابندی نکاح' قدرت کا وہ عطیہ ہے جو بقائے نوع کے ساتھ تربیت نسل اور کمالات انسانی کے فروغ کا ضامن ہے اور یہ پابندی صرف چودہ سو سال سے ہی نہیں بلکہ پہلے انسانی جوڑے سے ہی ہے۔ ایک مربوط حکیمانہ نظم کے ساتھ عائد و نافذ رہی ہے۔ جس پر شرف انسانی سے بہرہ ور فطرتیں اور خدا کی مقبول شخصیتیں ہمیشہ کاربند رہی ہیں۔ انسانی تمرد اور شیطانی غلامی کی بات الگ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (رعد: ٦)

بے شک ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا اور ان کو بیویوں اور نسلوں سے نوازا۔

مندرجہ بالا اقتباس پڑھ کر فطرت سلیمہ کے مالک پر واضح ہو جانا چاہیے کہ ایک عورت کو چار مردوں سے شادی کی اجازت کیوں نہیں اور اسلام کی طرف سے ناجائز طور پر جنسی آزادی پر بندش کیوں عائد کی گئی ہے۔

کیا اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دے کر ناانصافی کی ہے؟

عرصہ دراز سے اسلام پر اہل مغرب کی طرف سے یہ الزام بھی عائد کیا جا رہا ہے کہ اس نے طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دے کر عورت کے ساتھ سراسر ناانصافی کی ہے۔ اس پر انسانیت سوز ظلم کیا ہے۔ اس کے بنیادی حق کو سلب کیا ہے۔ اس قانون سے عورت کی عزت نفس پر کاری ضرب لگتی ہے۔ تسلیمہ نسرین نے بھی اہل مغرب کی آواز میں آواز ملا کر اپنی جہالت اور یتیم العقلی کا ثبوت دیا ہے لیکن چونکہ محض اتنا کہہ دینا ہی اس کے الزام کا جواب نہیں بلکہ اس الزام کا ایک مدلل و معقول جواب درکار ہے' تاکہ تسلیمہ اور اس جیسی دیگر عورتیں حقائق کے آئینے میں دیکھ سکیں کہ --- ان کے الزامات بالکل ہی بے بنیاد اور محض ان کے ذہن کی اپج ہیں --- اسلام نے بے شک اور لاریب مرد ہی کو طلاق کا حق دیا ہے۔ اس میں بھی خدائے قدیر و حکیم کی بہت سی حکمتیں کار فرما ہیں --- اس سلسلے میں مولانا مصباحی صاحب ہی کی محنت و کاوش آپ تک پہنچاتا ہوں۔

مندرجہ ذیل اقتباس سے کھل کر یہ بات سامنے آجائے کہ اللہ عزوجل نے طلاق کا حق مرد ہی کے ہاتھ میں کیوں دیا ہے اور عورت کو اس حق سے محروم کیوں رکھا ہے اور یہ امر کہ واقعی عورت کے حق ناروا و نامناسب اور اس کے حق کی پامالی ہے؟ اس کا بھی جواب مل جائے گا:

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دے کر عورت کو مجبور محض بنا دیا ہے۔ وہ نکاح کے مقاصد ہی سے غافل ہیں۔ رشتہ ازدواج کوئی اجارہ یا ملازمت کا معاملہ نہیں' جس میں اجیر و متاجر دونوں کو یکساں طور پر چھوڑنے چھڑانے کا اختیار ہوتا ہے۔ یہ تو ایک باہمی خوشگوار اور پر محبت زندگی گزارنے کا عہد و پیمان ہے جس کا مقصد جنسی میلانات اور شہوانی ہیجانات کے فتنہ انگیز سیلاب کا رخ ایک محفوظ سمت اور ایک محدود دائرہ میں پھیر کر اسے افادیت سے لبریز اور نتائج خیز بنانا ہے۔ جب تک پوری زندگی ایک ساتھ بسر کرنے کا تصور کار فرما نہ ہو' نوع انسانی کی بقاء اور ایک صالح نسل کے وجود کا تصور ہی نہ ہو سکے گا اور نکاح صرف وقتی تسکین کا سامان ہو کر رہ جائے گا۔ جب کہ اسلام زوجین کی پر عزم زندگی انسانی معاشرے کے لیے کسی کار آمد رکن اور دین و ملت کے لیے کسی سرگرم ممبر کی افزائش' نشوونما' پرورش و پرداخت اور حکیمانہ تربیت کا نظام برپا کرنا چاہتا ہے۔ نکاح کا مقصد طلاق نہیں کہ اس میں زوجین کی شرکت ضروری ہو۔ نکاح تو ایک ایسا رشتہ ہے جو دو نفسوں کو پوری عمر کے لیے پیمان حیات و بقاء اور عہد مہر و وفا میں باندھ دیتا ہے' تاکہ ان دونوں کے وہ جذبات و قویٰ جو انفرادی زندگی کی صورت میں خود ان دونوں اور ان کے معاشرے کے لیے ضرر رساں یا کم از کم بے سود ہوتے' وہ مضرت سے خالی ہو کر افادیت سے لبریز اور نتیجہ خیز بن جائیں --- عورت اگر بالغ ہے تو خود اسے

marfat.com

اور نابالغ ہے تو اس کے ولی کو اختیار ہوتا ہے کہ تحقیق و تفتیش، غور و خوض، عاقبت بینی اور دور اندیشی کے ساتھ کسی مرد کا انتخاب کرے اور اسے اپنی زندگی کو مضرت و ہلاکت سے بچانے کے لیے یہ انتخاب کرنا ہے اور اس تصور کے ساتھ کہ پوری زندگی اس کی رفاقت میں بسر ہوگی--- لیکن تجربات شاہد ہیں کہ ایسا بھی وقت آجاتا ہے کہ یہ رشتہ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے اور دونوں کی فرقت و جدائی اگلی زندگی کی خوشگواری کی راہ میں ضروری ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت حال کے لیے طلاق و تفریق کا جواز ایک ہمہ گیر، لافانی اور جامع دستور میں ہونا ضروری ہے، ورنہ زندگی نمونہ جہنم یا بے ثمر اور بے مقصد ہونے کے باوجود اور علیحدگی پر باہمی رضامندی کے باوجود تفریق ناممکن ہوگی اور دو وجود جو الگ ہونے کے بعد کسی اور سے شرعی طور پر منسلک ہو کر خوشگوار و مفید زندگی سے ہم کنار ہو سکتے تھے، بے ثمر، بے مقصد اور پر الم ہی رہ جاتے۔ مسیحی قانون، طلاق پر یکلخت پابندی کا ۱۸۵۷ء تک طویل و ہولناک تجربہ کر چکا ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

اب طلاق جو مقاصد نکاح سے ہم آہنگ نہیں جس کا جواز محض سنگین ضرورت اور نازک حالت کے پیش نظر ہے، جو مباح تو ہوا--- مگر ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ) ہو کر اس کا دائرہ تنگ ہونا ہی قرین حکمت ہے۔ اس لیے یہ حق صرف مرد کو دیا گیا اور عورت کو بھی خلع کا حق حاصل ہے۔ شوہر اگر ظلم و تعدی ہی پر آمادہ ہو تو اسلامی شریعت اور حکومت کے سر اس پر دباؤ اور اصلاح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے--- اب رہا یہ سوال کہ معاملہ طلاق میں عورت بااختیار اور مرد کو بے اختیار کیوں نہ رکھا گیا۔ اس کا جواب واضح ہے کہ اس نازک معاملہ کا اختیار اسی کو ملنا چاہیے جو فہم و تدبر، عقل و دانش، ثبات و استقامت، قوت و طاقت اور ضبط و تحمل میں دوسرے سے فائق ہو، عورت کی زود رنجی--- کیفیت ہیجانی اور مخصوص ایام میں لازمی طور پر فکری قوت کی کمی معلوم ہوتے ہوئے قانون ساز اسے اختیار طلاق تفویض کر دے تو یہ کسی مجنون کے ہاتھ میں شمشیر بے نیام دینے کے مترادف ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہوگا کہ خاوند گھر سے غائب ہو جائے اور عورت اسے طلاق دے کر رخصت ہو جائے اور گھر لاوارث ہو کر لٹیروں کی نذر ہو جائے یا عورت خود ہی سارا اثاثہ لوٹ لے جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاں کسی غیر نے اس سے رغبت کا اظہار کیا اس نے اپنے شوہر کو طلاق دی اور دوسرے سے منسلک ہو گئی۔ دوسرے سے ابھی ثمرہ نکاح حاصل نہ ہوا کہ اسے چھوڑ کر تیسرے سے رشتہ لطف و لذت جوڑ لیا۔ کیا یہ حالت زناکاری کی بے ثمر اور ہلاکت خیز حالت سے کچھ کم فتنہ انگیز ہوگی؟ پھر کون شوہر ہوگا جو اپنی عورت پر اپنے مکان و جائیداد و اموال و املاک کے سلسلے میں ایک لمحہ بھی پر اعتماد ہو سکے گا--- اور کسی نسل کی پرورش اور تربیت کے لیے اسے مفید تصور کر سکے۔ اور اس کے نفقہ و سکونت کی ذمہ داری کا حامل بھی بنے۔ مرد اپنی اولاد اور اموال کے حق میں عورت پر اسی لیے تو اعتماد کرتا اور مطمئن رہتا ہے کہ اس کا رشتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ اگر معاملہ برعکس ہوتا یا دونوں کو اختیار طلاق ہوتا تو نکاح و ازدواج کے حکیمانہ فوائد و مقاصد کا حصول ناممکن ہوتا اور اس کی حیثیت وقتی جسم فروشی اور محل شہوت کے عارضی اجارہ سے زیادہ نہ ہوتی---

غور کیجیے صرف شوہر ہی کو اختیار طلاق اور بیوی کو محض حق خلع دینے میں کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مردوں میں بھی کچھ کم عقل، جذبات غیظ و غضب سے بے قابو، علم و حکمت سے نابلد افراد پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو ایک سانس میں طلاقوں کی ایک قطار کھڑی کر دیتے ہیں۔ پھر اپنی سفاہت پر بڑی بے شرمی سے ماتم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ ان مردوں کا قصور ہے، قانون کا قصور نہیں۔ قانون نے تو سنگین حالات میں رفاقت کو فرقت کو عقل و حکمت کی میزان میں اچھی طرح تول کر فرقت کا پلہ بھاری ہونے کی صورت میں طلاق کو گوارا کیا تھا۔ لیکن صاحب عقل بھی عقل سے کام نہ لے تو قانون حکمت کا کیا قصور"۔ (رشتہ ازدواج اسلام کی روشنی میں، مولانا محمد احمد مصباحی، ص ۵۷۶)

marfat.com

شوہر کو صدارت کیوں تفویض کی گئی

اللہ عزوجل نے مردوں کو عورتوں پر افسر مقرر کیا ہے۔ اس قانون خداوندی پر بھی تسلیمہ اور اس جیسی دیگر زنان عالم معترض ہیں۔ انہیں اس حکم میں عورت کی تذلیل و تحقیر نظر آتی ہے۔ مرد و زن مساوات کے نعرے کی ظاہر چمک نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رکھا ہے اور اس طرح کی بے تکی باتیں کر کے اپنی ناقص العقلی اور کج فہمی کا ثبوت فراہم کر رہی ہے--- اس طرح کی بکواسوں' دریدہ دہنیوں اور ہرزہ سرائیوں کی طرف متوجہ ہونا ہرچند کہ تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں' لیکن محض یہ سوچ کر اگر اس طرح کے بے بنیاد' جاہلانہ اور احمقانہ اعتراضات کا نوٹس نہ لیا گیا اور ان کا کوئی معقول' مدلل اور عالمانہ جواب نہ دیا گیا تو اس سے نام نہاد' روشن خیال اور آوارہ مزاج طبقے کو یہ غلط اشارہ مل سکتا ہے کہ اسلام پسندوں کے پاس ہمارے اعتراضات کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ اس طبقے کو کوئی ایسا اشارہ نہ ملے اور ان کی جاہلانہ سوچ کو استحکام نصیب نہ ہو۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اعتراض کا جواب بھی دے دیا جائے مردوں کو عورتوں پر جو حاکمیت تفویض کی گئی اور اس میں رب کائنات کی جو حکمت و مصلحت مضمر ہے اس سے علامہ مصباحی صاحب کے قلم نے بڑی نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے' لہٰذا اس اعتراض کا جواب بھی انہیں کی زبان قلم سے سماعت فرمائیں:

"کارواں کے لیے امیر کارواں کو بھی ہونا چاہیے ورنہ سفر سخت دشوار' ہر منزل کٹھن' ہر کام مشکل اور ہر ساعت ہنگامہ اختلاف و فراق بن کر رہ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ امارت کا حق اسی کو ملنا چاہیے جو قوت و سطوت' شجاعت و جرات اور فہم و عقل میں دوسروں پر امتیاز کا حامل ہو۔ زن و شوہر دو نفری قافلے میں مرد کا امتیاز مسلم اور عیاں ہے۔ جدید تحقیقات سے بھی یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ سے مرد کے حواس خمسہ کمزور ہوتے ہیں۔ سائیکلوجیا سے ثابت ہے کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے میں مادًا اور شکلًا سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کے وزن کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو گرام زیادہ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے المراۃ المسلمہ فرید وجدی) قرآن حکیم نے اس حکمت کی نشاندہی فرمائی ہے' ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (نساء: ۳۴)

مرد عورتوں پر افسر ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے۔

اس آیت میں مردوں کی صدارت کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں: ایک فطری و وہبی ہے: جس کی طرف بما فضل اللہ بعضہم سے اشارہ ہے--- دوسری کسبی ہے جس کی طرف "بما انفقوا" سے نشاندہی کی گئی ہے۔ مرد کا فطری امتیاز یہ ہے کہ عقل و فہم' قوت و جرات میں عورت پر فوقیت حاصل ہے اور کسبی امتیاز یہ ہے کہ مہر و نفقہ اور نظم مسکن کا بار اسی کے سر پر ہے۔ عورت کی دائمی کمزوری' اس کا دماغی اور جسمانی ضعف اور جرات و استقامت کی کمی ہے اور مخصوص ایام میں اس کی عارضی کمزوریاں اس پر مستزاد ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دائرہ اسلام ایک ملک کو محیط ہو' یا ایک گھر میں محدود ہو--- بہرحال ہر کام میں مشاورت ممکن نہیں اور امارت و حاکمیت کسی کے حوالے نہ ہو تو معاملات اور ضروریات رونما ہوتی رہیں گی اور دوسرے کا منہ تکتے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ جب ایک حاکم و امیر ہو گا تو اپنے فرض منصبی کے تحت ہر انتظام کے لیے پیش قدمی کرے گا اور حسب مصلحت مشاورت کر سکے گا اور بصورت اختلاف یا بحالت تنگی یا بحالت عجلت تنہا اس کا حکم بھی کافی ہو گا"۔

(رشتہ ازدواج اسلام کی روشنی میں' مولانا محمد احمد مصباحی' ص ۱۴ تا ۱۶)

marfat.com

اسلام' پردہ اور ترقی

اسلام وہ مذہب مہذب اور دین فطرت ہے جس نے عورتوں کے جائز اور بنیادی حقوق کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ انہیں سماج میں باعزت مقام عطا کیا ہے اور خوشگوار' اطمینان بخش اور پروقار زندگی بسر کرنے کے لیے عورت اور مردوں دونوں کو حقوق و حدود کا پابند بنایا ہے۔ "قرآن کریم کی متعدد آیات میں جن کا بہت ہی تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے--- وہ عورت جو زمانہ جاہلیت میں پیر کی جوتی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی' معاشرے میں جس کو کوئی باعزت مقام حاصل نہیں تھا۔ انہیں زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ بیوہ ہونے کے بعد یا تو انہیں جینے کے حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا--- یا انہیں بالکل ہی اچھوت بنا دیا جاتا تھا۔ علم کا دروازہ یکسر ان پر بند تھا' لیکن جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس نے عورت کو وہ مقام بلند عطا کیا کہ جو آج بھی عورت کو کسی اور مذہب میں حاصل نہیں--- علم کا دروازہ اس کے لیے کھولا گیا۔ بیوہ ہونے کے بعد بھی انہیں باوقار زندگی عطا کی گئی--- پردہ کے ذریعہ ان کی عصمت و عفت کو تحفظ و تقدس فراہم کیا گیا۔ خاوند کو بیوی کا لباس اور بیوی کو خاوند کا لباس قرار دیا گیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے لیے باعث تسکین و راحت فرمایا گیا۔ گروہ نسواں پر ان احسانات کے باوجود اہل مغرب' تسلیمہ اور اس جیسی دیگر آوارہ فکر اور نام نہاد عورتیں بس یہی راگ الاپ رہی ہیں کہ اسلام نے پردہ میں رکھ کر عورتوں کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ پردہ سے عورت کا بنیادی حق سلب ہوتا ہے۔ پردہ ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے---! وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سرپھری عورتوں کو پتہ نہیں کہ اگر اسلام نہ آتا' انسانی معاشرے کو قرآن کریم جیسی مقدس کتاب نہ ملتی اور پیغمبر انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آکر اگر انسانیت کے تمام طبقات کو ان کے دائرہ عمل اور حقوق و فرائض سے آگاہ نہ کیا ہوتا اور ہر ایک کو راعی اور جواب دہ نہ بنایا ہوتا تو شاید آج کا انسانی معاشرہ بھی اسی دور جاہلیت کا عکاس ہوتا۔ انسان تہذیب سے ناآشنا ہوتا۔ ہر طرف ظلم و زیادتی اور ناانصافی کی حکمرانی ہوتی--- لیکن اسلام نے انسانیت و آدمیت پر وہ احسان عظیم کیا ہے کہ جس کے بار عظیم سے عالم انسانیت کا سر ہمیشہ جھکا رہے گا--- لیکن تسلیمہ نسرین جیسی عورتوں کی بکواس و دریدہ دہنیوں کی روک تھام کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس اعتراض کا بھی جواب مدلل طور پر دے دیا جائے کہ پردہ ترقی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ یہ اعتراض اگرچہ بڑا ہی نامعقول اور سراسر ناقابل اعتنا ہے پھر بھی اس اعتراض کا جواب قرآن و احادیث اور ناقابل تردید حقائق کی روشنی میں دیا جا رہا ہے تاکہ ان آوارہ فکر اور کج فہم عورتوں کے لیے اپنی بے راہ روی' فحش نگاری' عریانیت' حرام کاری اور شنیع و قبیح حرکات و سکنات کے لیے مبہم سے مبہم جواز کی کوئی صورت باقی نہ رہے--- اس سلسلے میں ملتان پاکستان کی ایک باصلاحیت اور تعلیم یافتہ پردہ نشین خاتون محترمہ پروین رضوی صاحبہ کا ایک مقالہ نقل کیا جا رہا ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ہے "کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے"۔ یہ مقالہ پردہ کی اہمیت و افادیت کو کماحقہ' اجاگر کرنے کے اعتبار سے بڑا ہی پر مغز' وقیع اور قابل قدر ہے--- اس مقالہ کو پڑھ کر ترقی کا اصل مفہوم بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے اور جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال اشخاص کے ذہن و دماغ پر پردہ ترقی کے تعلق سے چھائی ہوئی دھند بھی چھٹ جانے کی توقع کی جا سکتی ہے--- تو پیش ہے محترمہ پروین صاحبہ کا معقولیت سے لبریز مقالہ۔

marfat.com

از:محترمہ پروین رضوی ملتان (پاکستان)

کیا پردہ خواتین کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟

پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے یا نہیں؟اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ پردہ ہے کیا چیز؟ کیونکہ اس کے بغیر ہم اس کی غرض 'اس کے فائدے اور اس کے نقصانات کو نہیں سمجھ سکتے اس کے بعد ہمیں طے کرنا چاہیے کہ وہ ترقی کیا ہے جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اسے طے کیے بغیر ہم یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ پردہ اس میں حائل ہے یا نہیں۔

پردہ عربی زبان کے لفظ "حجاب" کا لفظی ترجمہ ہے جس چیز کو عربی میں حجاب کہتے ہیں اسی کو فارسی اور اردو میں پردہ کہتے ہیں۔ حجاب کا لفظ قرآن مجید کی اس آیت میں آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں بے تکلف آنے جانے سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اگر گھر کی خواتین سے کوئی چیز مانگنی ہو تو حجاب (پردے) کی اوٹ سے مانگا کرو۔ اسی حکم سے پردہ کے احکام کی ابتدا ہوئی' پھر جتنے احکام اس سلسلے میں آئے ان سب کے مجموعے کو احکام حجاب (پردے کے احکام) کہا جانے لگا۔

پردے کے احکام قرآن مجید کی چوبیسویں اور تینتسویں سورت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ ان میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہیں' اپنے حسن اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرتی پھریں' جس طرح زمانہ جاہلیت کی عورتیں کرتی تھیں۔ گھروں سے باہر نکلنا ہو تو اپنے اوپر ایک چادر ڈال کر نکلیں اور بجنے والے زیور پہن کر نہ نکلیں۔ گھروں کے اندر بھی محرم اور غیر محرم مردوں کے درمیان امتیاز کریں۔ محرم مردوں اور گھر کے خادموں اور اپنے میل جول کی عورتوں کے سوا کسی کے سامنے زینت میں نہ آئیں۔ زینت کے معنی وہی ہیں جو ہماری زبان میں آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کے ہیں۔ اس میں خوشنما لباس' زیور اور میک اپ تینوں چیزیں شامل ہیں) پھر محرم مردوں کے سامنے عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنی کے آنچل ڈال کر رکھیں اور اپنا ستر چھپائیں' گھر کے مردوں کو ہدایت کی گئی کہ ماں بہنوں کے پاس بھی آئیں تو اجازت لے کر آئیں' تاکہ اچانک ان کی نگاہ ایسی حالت میں نہ پڑے جب کہ جسم کا کوئی حصہ کھولے ہوئے ہوں۔

یہ احکام ہیں جو قرآن حکیم میں دیئے گئے ہیں اور انہیں کا نام پردہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تشریح فرماتے ہوئے بتایا کہ عورت کا ستر چہرے' کلائی کے جوڑ تک' ہاتھ اور ٹخنے تک پاؤں کے سوا اس کا پورا جسم ہے۔ جسے باپ اور بھائی تک سے چھپا کر رکھنا چاہیے اور ایسے باریک اور چست کپڑے نہ پہنے چاہئیں جن کے اندر سے جسم نمایاں ہو۔ نیز حضور

marfat.com

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محرم مردوں کے سوا کسی اور مرد کے ساتھ تنہا رہنے سے عورتوں کو منع فرمایا۔ آپ نے عورتوں کو اس کے لیے الگ الگ جگہ مقرر فرمادی تھی اور اس بات کی اجازت نہ دی تھی کہ عورت مرد مل کر سب ایک صف میں نماز پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اور سب مرد اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک کہ عورتیں نہ چلی جائیں۔

یہ احکام جس کا جی چاہے قرآن مجید کی سورہ نور اور سورہ احزاب میں اور حدیث کی مستند کتابوں میں دیکھ سکتا ہے۔ آج جس چیز کو ہم پردہ کہتے ہیں' چاہے عملی طور پر افراط و تفریط ہو لیکن اصول اور قاعدے سب وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی مسلم سوسائٹی میں جاری کیے تھے' اگرچہ میں خدا اور رسول کا نام لے کر کسی کا منہ بند کرنا نہیں چاہتی مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ آج ہمارے اندر یہ آواز اٹھنا کہ "پردہ ہماری ترقی میں رکاوٹ ہے" ہماری دورخی ذہنیت کی کھلی علامت ہے۔ یہ آواز خدا اور رسول کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ہے اور اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خدا اور رسول نے ہماری ترقی کے راستے میں روڑے اٹکا دیئے ہیں۔ اگر واقعی ہم ایسا سمجھتے ہیں تو آخر ہم کیوں خواہ مخواہ مسلمان بنے ہوئے ہیں اور کیوں اس خدا اور رسول کو ماننے سے انکار نہیں کر دیتے جنہوں نے ہم پر ایسا ظلم کیا ہے؟ اس سوال سے یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا' خدا اور رسول نے پردے کا حکم ہی نہیں دیا ہے۔

میں ابھی عرض کر چکی ہوں کہ پردہ کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے تفصیلی احکام جس کا جی چاہے قرآن مجید اور احادیث کی مستند کتب مین نکال کر دیکھ سکتا ہے۔ حدیث کی صحت سے کسی کو انکار تک بھی نہیں۔ قرآن کے کھلے کھلے احکام کو آخر وہ کہاں چھاپے گا؟

پردے کے احکام جو اسلام نے ہم کو دیئے ہیں' ان پر تھوڑا سا بھی غور کیجئے تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ان کے تین بڑے مقصد ہیں۔ اول یہ کہ عورتوں اور مردوں کے اخلاق کی حفاظت کی جائے اور ان خرابیوں کا دروازہ بند کیا جائے جو مخلوط سوسائٹی میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول سے پیدا ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں اور مردوں کا دائرہ عمل الگ کیا جائے' تاکہ فطرت نے جو فرائض عورت کے سپرد کیے ہیں' انہیں وہ سکون کے ساتھ انجام دے سکے اور جو جذبات مرد کے سپرد ہیں انہیں وہ اطمینان کے ساتھ بجا لا سکے۔ تیسرے یہ کہ گھر اور خاندان کے نظام کو مضبوط اور محفوظ کیا جا سکے جس کی اہمیت زندگی کے دوسرے نظاموں سے کچھ کم نہیں' بلکہ کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ پردے کے بغیر جن لوگوں نے گھر اور خاندان کے نظام کو محفوظ کیا ہے انہوں نے عورت کو غلام بنا کر تمام حقوق سے محروم کر دیا ہے اور جنہوں نے عورت کو اس کے حقوق دینے کے ساتھ پردے کی پابندیاں بھی نہیں رکھی ہیں۔ ان کے ہاں گھر اور خاندان کا نظام بکھر گیا ہے اور روز بروز بکھرتا چلا جا رہا ہے۔ اسلام عورت کو پورے حقوق بھی دیتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کے اور خاندان کے نظام کو بھی محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ پردے کے احکام اس کی حفاظت کے لیے موجود نہ ہوں۔

خواتین و حضرات! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ٹھنڈے دل سے ان مقاصد پر غور کریں۔ اخلاق کا مسئلہ کسی کی نگاہ میں اہمیت نہ رکھتا ہو تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔ مگر جس کی نگاہ میں اس کی اہمیت ہو اسے سوچنا چاہیے کہ مخلوط سوسائٹی میں جہاں بن سنور کر عورتیں آزادانہ پھریں اور زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے ساتھ کام کریں' وہاں اخلاق بگڑنے سے کیسے بچ سکتے ہیں اور کب تک بچے رہ سکتے ہیں؟ ہمارے اپنے ملک میں یہ صورت حال جتنی بڑھتی جا رہی ہے جنسی جرائم بھی بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کی خبریں آپ آئے دن اخبارات میں پڑھ رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ ان خرابیوں کا اصل سبب پردہ ہے' جب پردہ نہ رہے گا تو لوگوں کا دل عورتوں سے بھر جائے گا' بالکل غلط ہے۔ جہاں پوری بے پردگی تھی وہاں لوگوں کے دل نہ بھرے اور

marfat.com

ان کی خواہشات کے تقاضوں نے عریانی تک نوبت پہنچائی' پھر عریانی سے دل نہ بھرے اور کھلی کھلی آوارگی تک نوبت پہنچائی اور اب جنسی آوارگی کے کھلے لائسنس سے بھی دل نہیں بھرے اور آج بھی کثرت سے جنسی جرائم ہو رہے ہیں جن کی رپورٹیں امریکہ' انگلستان اور دوسرے ممالک کے اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ کیا یہ کوئی قابل اطمینان حالت ہے؟ یہ صرف اخلاق ہی کا سوال تو نہیں ہے۔ ہماری پوری تہذیب کا سوال ہے۔ مخلوط سوسائٹی جتنی بڑھ رہی ہے۔ عورتوں کے بناؤ سنگار کے اخراجات بھی بڑھ رہے ہیں۔ اس لیے جائز آمدنیاں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں' نتیجہ یہ کہ ہر طرف رشوت' غبن اور دوسری حرام خوریاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ حرام خوریوں نے ہماری ریاست کے پورے نظام کو گھن لگا دیا ہے اور کوئی قانون ٹھیک طرح سے نافذ ہونے نہیں پاتا۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جن کو اپنی خواہشات کے معاملات میں ڈسپلن کی عادت نہ ہو' وہ دوسرے کس معاملہ میں ڈسپلن کے عادی ہو سکتے ہیں؟ جو شخص اپنے گھر کی زندگی میں وفادار نہ ہو اس سے اپنی قوم اور ملک کے معاملے میں وفاداری کی توقع کہاں تک کی جا سکتی ہے؟

عورت اور مرد کا دائرہ عمل الگ الگ کرنا خود فطرت کا تقاضا ہے۔ فطرت نے ماں بننے کی خدمت عورت کے سپرد کر کے آپ ہی بتا دیا ہے کہ اس کے کام کی اصل جگہ کہاں ہے؟ اور باپ بننے کا فرض مرد کے ذمہ ڈال کر خود اشارہ کر دیا ہے کہ اسے کن کاموں کے لیے مادری کے بھاری بوجھ سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ دونوں قسم کے جذبات کے لیے عورت اور مرد کو الگ الگ جسم دیئے گئے ہیں' الگ الگ قوتیں دی گئی ہیں' الگ الگ صفات دی گئی ہیں' الگ الگ نفسیات دی گئی ہیں۔ فطرت نے جسے ماں بننے کے لیے پیدا کیا ہے' اسے صبر و تحمل بخشا ہے' اس کے مزاج میں نرمی پیدا کی ہے' اسے وہ چیز دی ہے جسے ممتا کہتے ہیں۔ وہ ایسی نہ ہوتی تو ہم آپ پل کر بخیریت جوان نہ ہو سکتے تھے' یہ کام جس کے ذمہ ڈالا گیا ہے اس کے لیے وہ کام موزوں نہیں ہیں جن کے لیے سختی اور سخت مزاجی کی ضرورت ہے۔ وہ کام اسی کے لیے موزوں ہیں جسے ماں بننے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا ہے اور جسے ان بھاری ذمہ داریوں سے آزاد رکھا گیا ہے۔ جو ماں بننے کا لازمہ ہیں۔ آپ اس تقسیم کو مٹانا چاہتے ہیں تو فیصلہ کر لیجئے کہ اب دنیا کو ماؤں کی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی ہی مدت نہ گزرے گی کہ انسانیت ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے بغیر ہی ختم ہو جائے گی۔

لیکن اگر یہ فیصلہ بھی آپ نہیں کرتے اور اس تقسیم کو بھی مٹانا نہیں چاہتے ہیں تو عورت کے ساتھ بڑی ناانصافی ہے کہ وہ اس پورے بوجھ کو بھی اٹھائے جو فطرت نے ماں بننے کے سلسلے میں اس پر ڈالا ہے اور جس میں مرد ایک رتی برابر بھی اس کے ساتھ کوئی حصہ نہیں لے سکتا----- اور پھر وہ مرد کے ساتھ آ کر سیاست اور تجارت اور صنعت و حرفت اور لڑائی دنگے کے کاموں میں برابر کا حصہ لے۔ خدا کے لیے ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے انسانیت کی خدمت میں آدھا حصہ تو وہ ہے جسے پورے کا پورا عورت سنبھالتی ہے' کوئی مرد اس میں ذرہ برابر بھی اس کا بوجھ نہیں بٹا سکتا۔ باقی آدھے میں سے آپ کہتے ہیں کہ آدھا بار اس کا بھی عورت اٹھائے گویا تین چوتھائی عورت کے ذمہ پڑا اور مرد کے ذمہ ایک چوتھائی۔ کیا یہ انصاف ہے؟

عورت اس ظلم کو خوشی خوشی برداشت کرنے بلکہ لڑ جھگڑ کر اپنے اوپر لینے کے لیے اس وجہ سے مجبور ہوئی کہ آپ نے عورت ہوتے ہوئے اور عورت کی جگہ کام کرتے ہوئے اسے عزت دینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے بچوں والی کا مذاق اڑایا۔ آپ نے گھر کی گرہستن کو ذلیل قرار دیا۔ آپ نے ان ساری خدمات کو گھٹیا درجہ دیا جو وہ خاندان میں انجام دیتی تھی اور جن کی انجام دہی آپ کی سیاست' معیشت اور جنگ سے کچھ کم ضروری یا مفید نہ تھی' مجبوراً وہ غریب عزت اور قدر و منزلت کی تلاش میں ان کاموں کے لیے آمادہ ہو گئی جو مرد کے کرنے کے تھے کیونکہ مرد بنے بغیر اور مردانہ خدمات انجام دیئے بغیر آپ اسے عزت دینے کو تیار نہ تھے۔

marfat.com

اسلام نے اس پر مہربانی کی تھی کہ عورت رہتے ہوئے اور زنانہ خدمت ہی انجام دیتے ہوئے اس نے اسے پوری عزت مرد کے برابر' بلکہ ماں ہونے کی حیثیت سے مرد سے کچھ بڑھ کر دی تھی۔

اب آپ کہتے ہیں کہ یہ چیز "ترقی" میں حائل ہے۔ آپ کو اصرار ہے کہ عورت ماں بھی بنے اور مجسٹریٹ بھی' اور پھر ناچ گا کر مردوں کا دل بہلانے کے لیے بھی وقت نکالے' آپ اس پر اتنا بوجھ ڈالتے ہیں کہ وہ کسی خدمت کو بھی کلی اور بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ آپ اسے وہ کام دیتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا نہیں کی گئی' آپ اسے اس میدان میں کھینچ لائے جہاں وہ مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی' جہاں مرد اس سے آگے رہے گا' جہاں عورت کو اگر داد ملے گی تو وہ نسوانیت کی رعایت سے ملے گی یا کمال کی نہیں جمال کی ملے گی۔ یہ آپ کے نزدیک "ترقی" کے لیے ضروری ہے۔

گھر اور خاندان جن کی اہمیت کو آپ "ترقی" کے جوش میں بھول گئے ہیں' دراصل یہ وہ کارخانے ہیں جہاں انسان تیار ہوتے ہیں۔ یہ کارخانے جوتے اور پستول بنانے کی نسبت کچھ کم ضروری تو نہیں۔ ان کارخانوں کے لیے جن صفات' نفسیات اور قابلیتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ فطرت نے سب سے بڑھ کر عورت کو دی ہیں۔ ان کو چلانے کے لیے جن خدمات' محنتوں اور مشقتوں کی ضرورت ہے ان کا زیادہ سے زیادہ بوجھ فطرت نے عورت ہی پر ڈالا ہے اور ان کارخانوں میں کرنے کے کام بہت ہیں۔ کوئی فرض شناسی کے ساتھ ان کاموں کو کرنا چاہیے' جیسا کہ ان کا حق ہے تو اسے سر کھجانے کی فرصت نہ ملے' پھر ان کو جتنی زیادہ قابلیت' سلیقے اور دانش مندی کے ساتھ چلایا جائے' اتنے ہی اعلیٰ درجے کے انسان تیار ہو سکتے ہیں۔

اس کے لیے عورت کو زیادہ سے زیادہ عمدہ تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ ان کارخانوں کو سکون و اطمینان اور اعتماد کے ساتھ چلانے کے لیے اسلام نے پردہ کا ڈسپلن قائم کیا تھا' تاکہ عورت یہاں پوری دل جمعی کے ساتھ اپنا کام کر سکے اور اس کی توجہ غلط سمتوں میں نہ بٹے اور مرد بھی پوری طرح مطمئن ہو کر زندگی کے اس شعبے کو اس کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں۔ آپ ترقی کی خاطر اس ڈسپلن کو ختم کر دینا چاہتے ہیں' اس کے ختم ہو جانے کے بعد دو کاموں میں سے ایک کام آپ کو بہرحال کرنا ہو گا یا عورت کو ہندو تہذیب اور پرانی عیسائی اور یہودی تہذیب کی پیروی کر کے غلام بنا دیجیے' تاکہ خاندانی نظام بکھرنے نہ پائے۔ یا پھر اس کے لیے تیار ہو جائیے کہ انسان بنانے کے کارخانے تباہ و برباد ہو کر جوتے اور پستول بنانے کے کارخانے آباد ہوں۔ میں آپ سے صاف کہتی ہوں کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ اسلام جو مکمل قانونی اور معاشی حقوق عورت کو دیتا ہے' برقرار رکھتے ہوئے آپ اسلام کے قائم کردہ ڈسپلن کو توڑ دیں اور آپ کا خاندانی نظام تباہ ہونے سے بچا رہ جائے۔ لہٰذا ترقی کا جو معیار بھی آپ کے سامنے ہو' اسے نگاہ میں رکھ کر سوچ لیجیے' آپ کیا کھونا چاہتے ہیں اور پانا کیا چاہتے ہیں۔

"ترقی" بہت ہی وسیع لفظ ہے۔ اس کا کوئی ایک مقرر مفہوم نہیں ہے۔ مسلمان ایک زمانہ میں خلیج بنگال سے لے کر اٹلانٹک تک حکمران رہے ہیں۔ سائنس اور فلسفہ میں وہ دنیا کے استاد تھے۔ تہذیب و تمدن میں کوئی دوسری قوم ان کی ہمسر نہ تھی۔ معلوم نہیں اس چیز کا نام کسی لغت میں ترقی ہے یا نہیں؟ اگر یہ ترقی تھی تو میں عرض کروں گی کہ یہ ترقی اس معاشرے نے کی تھی جس میں پردے کا رواج تھا۔ اسلامی تاریخ بڑے بڑے اولیاء' مدبرین' علماء' حکماء' مصنفین اور فاتحین کے ناموں سے بھری پڑی ہے۔ یہ عظیم الشان جاہل ماؤں کی گودوں میں پل کر تو نہیں نکلے تھے۔ خود عورتوں میں بھی بڑی بڑی عالمہ و فاضلہ خواتین کے نام ہم کو اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں۔ وہ علوم و فنون اور ادب میں کمال رکھتی تھیں۔ پردے نے اس ترقی سے مسلمانوں کو نہیں روکا تھا۔ آج بھی اسی طرز کی ترقی ہم کرنا چاہیں تو پردہ ہمیں اس سے نہیں روکتا۔ البتہ اگر کسی کے نزدیک "ترقی" بس وہی ہو جو اہل مغرب نے کی ہے تو بلاشبہ اس میں پردہ بری طرح حائل ہے' پردے کے ساتھ وہ ترقی یقیناً ہمیں حاصل نہیں ہو سکتی' مگر

marfat.com

یہ بات نہ بھول جائیے کہ مغرب نے یہ ترقی اخلاقی اور خاندانی نظام کو خطرے میں ڈال کر کی ہے۔ وہ عورت کو اس کے دائرہ عمل سے نکال کر مرد کے دائرہ عمل میں لے آیا ہے۔ اس طرح اس نے اپنے دفتر اور کارخانے چلانے کے لیے دگنے ہاتھ تو حاصل کر لیے اور بظاہر بڑی ترقی کر لی مگر گھر اور خاندان کا سکون کھو دیا اور آج بھی وہاں اگر گھر آباد ہیں تو صرف گھر گرہستن عورتوں کی بدولت ہی آباد ہیں۔ مردوں کے ساتھ کمانے والی عورتیں کہیں بھی گھر کا نظام نہیں چلا رہیں اور نہ چلا سکتی ہیں۔ ان کے نکاح آج طلاقوں پر ختم ہو رہے ہیں۔ ان کے بچے تباہ ہو رہے ہیں۔ ان کے لیے ٹھکانہ اگر ہے تو کلب میں ہے یا ہوٹل میں ہے۔ گھر ان کے لیے سکون کی جنت نہیں ہے اور اپنی جگہ لینے کے لیے بہتر انسان تیار کرنے کا کام انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اس ترقی پر کوئی ریجھتا ہے تو ریجھے۔

marfat.com

محمد عربی ﷺ کے احسانات طبقہ نسواں پر

مرتدہ تسلیمہ نسرین کے ملحدانہ نظریات کا جواب

کسی قوم کی تہذیب و تمدن اور ترقی کا حال معلوم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے معاشرے میں عورت کا کیا درجہ ہے۔ بہترین معیار یہی ہے۔ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خداوند کا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے' عورت ساری دنیا میں محکوم تھی اور کمترین سمجھی جاتی تھی' وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی۔ بہت وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس وقت جن مذاہب و قوانین کا دور دورہ تھا ان کی رو سے عورت مردوں کی اس قدر محکوم تھی کہ مذہبی امور تک میں حصہ لینا اس کے لیے ممنوع تھا۔ عورت ان کے نزدیک سرچشمہ نگاہ تھی۔ عرب کی عورتوں کا حال بھی دوسرے ملکوں کی عورتوں سے کچھ بہتر نہ تھا' بلکہ مقابلتاً بدتر ہی تھا۔ اس کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھی کہ مردوں کی تسکین ہوس کا ایک ذریعہ تھی۔ اس کا کام صرف یہ تھا کہ قبیلے کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لیے جفاکش سپاہی پیدا کرتی رہے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کردینے کا رواج بھی مفاخرت کے اسی جھوٹے تصور کا پیدا کردہ تھا۔ زناکاری پر بے حیائی کے ساتھ عمل تھا۔ ان گنت بیویاں رکھنا بھی عام تھا اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔

عورت کو مطلقاً حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ کسی جائیداد کی وارث تک نہ ہو سکتی تھی بلکہ وہ خود بھی جائیداد کا ایک حصہ تھی کہ جب اس کا شوہر مرجاتا تو وہ شوہر کے بیٹے اور جانشین کے حصہ میں جائیداد کی طرح منتقل ہو جاتی' اور وہ اس کی مرضی کے خلاف اپنی بیوی بنالینے کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جو خداوند تعالیٰ کی جانب سے آپ نے انسانیت کو پہنچائیں ان تمام باتوں کا یکسر خاتمہ کردیا اور اس طرح سے بدقماشی اور ناپاکی کا خاتمہ ہوا۔ قرآن حکیم نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں "نفس واحدہ" سے پیدا کیے گئے ہیں:

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کا علم رکھتا ہے۔ (آل عمران: ۴)

اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور پھر ان بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اپنی اچھی چیزیں کھانے (پینے) کو دیں' کیا پھر بھی بے بنیاد چیز پر ایمان رکھو گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہو گے۔ (النحل: ۷۲)

marfat.com

خداوند تعالیٰ کی نظر میں عورت اور مرد مساوی سطح پر ہیں۔ نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کے جزا اور انعام کے میں بھی۔ قرآن حکیم میں اس پر بار بار زور فرمایا گیا ہے:

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اس شخص کو (دنیا میں) اس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔ (النحل: ۹۷)

(جہاں جزا کا یہ قانون ہے) کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سربراہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں بے حساب ان کو لطف ملے گا۔ (المومن)

اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو' سوائے ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا۔ (النساء: ۱۲۴)

بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات دینے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (احزاب: ۳۵)

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام جو کہ تم میں کرنے والا ہو' اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو' سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دی گئیں میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے تو ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ کے پاس اچھا عوض ہے۔ (آل عمران: ۱۹۵)

اسلام کے مذہبی فرائض عورتوں اور مردوں دونوں پر یکساں عائد ہیں' بلکہ بعض پہلوؤں سے تو احکام میں عورتوں کو ت بھی دی گئی ہے اور بعض ایسے فرائض سے ان کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جن کی بجا آوری مردوں پر لازمی ہے۔ مسلمان عورت " کے زمانے میں نماز اور روزے سے مستثنیٰ ہے۔ عید گاہ جانا یا جمعہ کی نماز کے لیے مسجدوں میں پہنچنا اس کے لیے ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ عورت شیطان کا آلہ کار نہیں بر عکس شیطان (یورش) کے خلاف وہ مضبوط قلعہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تو عورت کو انتہائی اعزا کا مرتبہ عطا کیا کہ "جنت ماں کے ں تلے ہے"۔

روایت ہے کہ جب ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ واجب الاحترام قدار کون ہے جس کی خدمت نیکی اور حصول ثواب کی نیت سے کی جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

marfat.com

"تمہاری ماں"۔ صحابی نے پوچھا "ماں کے بعد؟" رسول اللہ نے پھر یہی فرمایا: "تمہاری ماں" حتیٰ کہ تیسری مرتبہ کے بعد چوتھی بار جب صحابی نے یہی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا باپ"۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کی حیثیت بیٹوں اور بیٹیوں کی نظر میں باپ سے تین گنی ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کا معیار بھی بلند کر دیا اور اپنے پیروؤں کو اس کی تاکید کی' فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے جو شخص میری سنت سے منحرف ہو وہ مجھ سے نہیں ہے"۔ (یعنی میرا پیرو نہیں ہے) اور پھر یہ فرمایا کہ "جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف مذہب کی تکمیل کی"۔

نکاح اور بیوی کے مرتبے کو رفعت بخشی گئی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔ (الروم: ۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیویوں کی محبت اور احترام کی بار بار تاکید کی ہے۔ آپ نے فرمایا: "کہ تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں"۔

اور فرمایا: "ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اور مہذب ہو گا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہو گا"۔

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ "کسی مسلمان کو اپنی بیوی سے نفرت ہرگز نہیں کرنا چاہیے"۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے یادگار خطبہ حجتہ الوداع میں بڑی تفصیل سے عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور خاص طور پر یہ کہا کہ "اپنی بیوی سے شفقت اور محبت کا سلوک کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لیے حلال کیا ہے' ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان سے بہتر سلوک کرو"۔

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا وہ رواج جو اسلام سے پہلے تھا اس کی سخت مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ چاہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ

قیامت کے دن وہ لڑکیاں جن کو زندہ دفن کیا گیا تھا اپنے قاتلوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ کس جرم میں قتل کی گئی تھیں۔ (التکویر: ۸'۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو۔ کیونکہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی' بے شک ان کا قتل کرنا بھاری گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل: ۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیٹیوں سے ترجیحی سلوک کی ہدایت فرمائی اور کہا کہ "جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کے لیے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیونکہ بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں"۔

یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس کے کوئی لڑکی ہے اور اس نے زندہ دفن اس کو نہیں کیا' نہ غیر منصفانہ سلوک اس کے ساتھ کیا' نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا"۔

ظہور اسلام سے پہلے قانون نے مرد سے علیحدہ عورت کو آزاد حیثیت کوئی نہ دی تھی مگر اسلام نے اس کو مردوں کی طرح قانون اور معاملات میں مساوی حقوق عطا کیے۔ قرآن کریم میں ہے:

marfat.com

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں۔ تین حیض تک' اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔ اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہران کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں۔ اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے لیے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل انہی حقوق کے جو عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہے۔ (البقرہ: ۲۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ "طلب علم ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے"۔

مغربی قوانین نے شادی شدہ عورت کو ذاتی املاک خریدنے اور بیچنے کا حق جواب دیا ہے' اسلام نے یہ آزاد حیثیت بہت پہلے عطا کی ہے۔ قرآن میں ہے کہ

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو' بلاشبہ انسان ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (النساء: ۳۲)

"پیرے کرابائٹس" نے جو مصر کی مخلوط ٹریبونل کا سابق امریکی جج تھا' اپنے ایک مقالہ میں جس کا عنوان ہے "محمد نے عورت کے لیے کیا کیا" یہ اعتراف کیا ہے کہ حقوق نسواں کے سلسلہ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شاندار کارنامہ وہ حق ملکیت ہے جو انہوں نے اپنی امت کی بیویوں کو عطا کیا۔ قانونی درجہ عورت کا بالکل وہی ہے جو اس کے شوہر کا ہے۔ جہاں تک ایک مسلمان بیوی کے حق ملکیت کا تعلق ہے' اس کو وہی آزادی حاصل ہے جو کسی پرندے کو پرواز کی حاصل ہے۔ قانون اس کی اجازت دیتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی رائے لیے بغیر اپنے مال و متاع کو جس طرح چاہے صرف کرے یا ٹھکانے لگا دے۔

قرآن حکیم کی بعض آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعبیر بعض اوقات اس طرح بھی کی گئی ہے جس سے مساوات کا انکار ہوتا ہے اور مردوں کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے لیکن گہرا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہو گا کہ بظاہر کتنی ہی غیر مساوی سورت نظر آئے۔ درحقیقت اسلام نے عورت کے مکمل حقوق کی ضمانت دی ہے۔ قرآن میں ہے کہ

اور عورتوں کے لیے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل انہی حقوق کے ہیں جو عورتوں پر ہیں۔ قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (البقرہ: ۲۲۸)

یہ فرق جو دونوں صفتوں میں ہے' وہ ان کے حقوق کے بنیادی اختلافات کا نتیجہ نہیں' بلکہ یہ تو اس فرق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو معاشی مرتبے میں ان کے درمیان تھا۔ عملی طور پر عورت کو وہ سماجی مواقع حاصل نہیں جو مردوں کو تجربات' اختراعات اور معلومات عامہ کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی طور پر عورتوں کا انحصار مردوں پر ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو مردوں کو ایک طرح کی برتری اور ذمہ داری عطا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں' سو جو عورتیں نیک ہیں' اطاعت کرتی ہیں' مردوں کی عدم موجودگی میں بحفاظت اپنی نگہداشت کرتی ہیں۔ اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو' اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو

marfat.com

ان پر بہانہ مت ڈھونڈو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والا ہے۔ (النساء: ۳۴)

اس آیت میں جو لفظ "قوامون" ہے۔ اس سے مراد سرپرستی' نگہداشت اور اعانت و کفالت کا فریضہ ہے۔ یہ آیت اس شخص کا تذکرہ کر رہی ہے جو کسی دوسرے مشغلے میں پوری طرح لگا ہوا ہو' اپنے مفادات کا تحفظ کر رہا ہو' اور اپنے معاملات کی دیکھ بھال میں مصروف ہو' یہی لفظ دوسری جگہ قرآن حکیم میں یوں استعمال ہوا ہے کہ

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے' اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے تو' اور غریب ہے تو' دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے' سو تم خواہش نفس کی اتباع مت کرو' کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (النساء: ۱۳۵)

چنانچہ قرآن کریم کی ان آیتوں میں مردوں کو عورتوں کے حقوق پامال کرنے کے بجائے ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے' ایک فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کے محافظ رہیں حتیٰ کہ مردوں کے مفادات کے خلاف بھی' تاکہ عورتوں کے لیے مراعات اور انصاف کی ضمانت ہو۔ یہ ہے "قوامون" کا مفہوم۔

وراثت کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کا یہ قانون ہے کہ عورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلہ میں نصف ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی یہ آیت دیکھیے:

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے' اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گی دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لیے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکے میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے۔ اگر میت کے کچھ اولاد ہو' اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو۔ اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے یا دین کے بعد تمہارے اصول فروع جو میں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا۔ بالیقین اللہ تعالیٰ بڑا علم و حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۱)

عورتوں کی اس قانونی حصہ داری میں بظاہر جو عدم مساوات سی نظر آتی ہے۔ اس کی تشریح ڈاکٹر محمد اقبال نے یوں کی ہے:

"لڑکی کا یہ حصہ اس کی کسی فطری کمتری کی بناء پر نہیں بلکہ اس کے معاشی مواقع کے پیش نظر ہے اور اس مقام کی وجہ سے جو اپنے معاشرے کے نظام میں اس کو حاصل ہے "محمڈن لاء" کے مطابق لڑکی اس جائیداد کی پوری طرح مالک تصور کی گئی ہے جو اس کی شادی کے وقت باپ کی طرف سے بھی ملتی ہے اور شوہر کی طرف سے بھی' مزید برآں مہر بھی کلیتاً اس کی ملکیت ہوتا ہے جو خود اس کی مرضی کے مطابق معجل ہو یا موجل۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مہر کی ادائیگی تک وہ اپنے شوہر کی ساری جائیداد اپنے قبضے میں رکھ سکتی ہے۔ ساری عمر کی کفالت کی ذمہ داری بھی (شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد) شوہر پر ہے۔ اگر آپ اس زاویہ نظر سے قانون وراثت کے عمل کو دیکھیں تو آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کے معاشی مرتبے میں کوئی مادی تفاوت نظر نہیں آئے گا بلکہ حق تو یہ ہے کہ وراثت کی حصہ داری میں بظاہر غیر مساوی نظر آنے والی یہ صورت ہی اصل میں قانون مساوات مہیا کرتی ہے"۔

(اسلام کی مذہبی فکر کی تشکیل جدید' ص ۱۶۱-۱۶۲)

marfat.com

اسلام نے مرنے والے مسلمان کی جائیداد میں اس کی بیوی اور بیٹیوں کا متعین حصہ رکھا ہے اور یہ انتظام کیا ہے کہ اگر جائیداد میں کسی قسم کا تصرف بھی ہو تو یہ اپنے قانونی حصوں سے محروم نہ ہونے پائیں۔ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

> مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز میں جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو۔ (النساء: ۷)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق نکاح دراصل ویسا ہی "معاہدہ" ہے جیسے دوسرے معاہدات میں دو افراد ہوتے ہیں۔ جہاں تک معاہدہ کی شرائط کا تعلق ہے' عورت مرد دونوں شرکاء ایک ہی سطح کے ہوتے ہیں اور ہر شریک کے فرائض اور حقوق بھی۔ اسلام ہر معاہدے میں عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے۔ معاہدہ نکاح میں بھی عدل و انصاف پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

طلاق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک ابغض المباحات ہے (جس کی اجازت بحالت مجبوری دی گئی ہے) چونکہ شوہر ہی کفالت کا ذمہ دار اور گھر کا نگران ہوتا ہے اس لیے اس کو یہ حق دیا گیا ہے کہ مجبوری یا ضرورت ہو تو معاہدہ نکاح کو فسخ کر سکتا ہے' لیکن اس کی اجازت بھی اسی وقت ہے جب وہ بیوی اور بچوں کا انتظام کر دے۔ مہر اور اخراجات کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے۔ اس کو اپنا یہ حق طلاق استعمال کر کے بیوی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس سلسلہ میں نہ تو کوئی نقصان پہنچایا جائے' نہ باہم نقصان پہنچانے کی کوئی نیت ہو"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ طلاق صرف بوقت ضرورت دی جاتی ہے۔ بیوی کو بھی طلاق حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ خلع حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ

> وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا ہوتا ہے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو مہر میں دیا تھا۔ مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں۔ سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جائے سو ایسے لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ (البقرہ: ۲۲۹)

حدیث میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ جو ثابت بن قیس کی بیوی تھیں' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جہاں تک ثابت بن قیس کا تعلق ہے' میں ان کے کردار اور تقویٰ پر کوئی الزام نہیں دھر سکتی لیکن میں اسلام میں احسان فراموشی کو پسند نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم وہ باغ واپس دینے پر آمادہ ہو جو ثابت نے تمہیں دیا ہے؟ جمیلہ نے کہا: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعدد ازواج کو جبراً نافذ نہیں کیا۔ تعدد ازواج قبل اسلام سے رائج تھا اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تحدید نافذ کی اور کئی بیویوں کی اجازت اس وجہ سے دی کہ ان

marfat.com

عورتوں کی کفالت ہوسکے جن کے باپ یا شوہر جنگوں میں کام آگئے ہوں۔

قرآن حکیم نے بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کردیا ہے اور تاکید کی ہے کہ سب کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کرسکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں' نکاح کرلو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ (النساء: ۳)

معاہدہ نکاح کے شرائط' شرکاء معاہدہ کے طے کرنے کے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اگر شوہروں کو اجازت ہے کہ مجبوری کے وقت وہ اپنا حق طلاق استعمال کریں تو بیویاں بھی حقدار ہیں کہ اپنے مہر اور نفقے کا اپنی پسند کے مطابق تعین کریں' نیز اپنے شوہروں سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار طلب کریں کہ جب ضرورت پڑے تو اس اختیار کو استعمال کر سکیں۔ اگر شادی کے وقت تمام امور کا پوری طرح لحاظ کرکے معاہدہ عمل میں آئے اور جانبین عملی طور پر ایک ہی سطح پر ہوں تو عورت کے لیے نقصان اٹھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں۔ مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً کھلا رہتا ہے جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے' اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی' علاتی یا اخیافی) بھائیوں پر اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی' علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (طور پر) رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو' یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مرد اور غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔ (النور: ۳۱)

یہی پابندی مردوں پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے' بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ (النور: ۳۰)

پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے لیا کریں اپنی تھوڑی سے اپنی چادریں' اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (احزاب: ۵۹)

اس حکم کا مقصد عورت کی آزادی پر پابندی عائد کرنا نہیں تھا' بلکہ اس وقت مدینہ میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر عورتوں کو چھیڑ چھاڑ اور دوسرے نقصانات سے بچانا مقصود تھا۔ زمانہ قدیم میں ایک خاص قسم کا لباس تھا جو عورت اور مرد دونوں

marfat.com

کے لیے نشان عزت و امتیاز سمجھا جاتا تھا مثلاً "آشورین" کے قدیم قانون نے شادی شدہ عورتوں کے لیے نقاب ضروری قرار دیا تھا اور لونڈیوں کو یا بدنام عورتوں کو نقاب کی ممانعت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے اور قانونی طور پر عورت کو مردوں کے برابر حقوق عطا کیے ہیں۔ عدل کی تاکید کی ہے۔ خصوصی مراعات کی ہدایت کی ہے اور ان کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری مرد کے سر پر عائد کی ہے۔ مگر آج یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نہ صرف غلط استعمال ہوتا رہا بلکہ بعض اوقات تو سرے سے ان کو نظرانداز کر دیا گیا۔ مرد عورتوں کے محافظ بنائے گئے تھے مگر اس کے عوض وہی ان کے حق میں ظالم و جابر ہو گئے۔ آج بھی بہت سے ممالک میں "مسلم لا" پر عمل درآمد اس انداز سے ہو رہا ہے کہ حقوق نسواں کے معاملے میں مخالفانہ امتیاز نمایاں ہے' لیکن ان تمام باتوں پر مورد الزام مسلمان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دین و شریعت اس سے بری ہیں۔ جو شخص اس سے واقف ہے کہ اسلام سے پہلے کی تمام قوموں نے کس طرح مردوں کو ترجیح دی اور عورتوں کو جانور بنائے رکھا اور وہ مردوں کا محض کھلونا سمجھی گئیں اور کس طرح بعض مذاہب نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے فوقیت دی اور عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے کمتر سمجھا اور کہیں بعض قوموں نے عورت کو مذہبی ذمہ داری تک انجام دینے کے قابل نہ سمجھا۔ حتیٰ کہ یہ تصور کیا کہ وہ روح کی بھی حامل نہیں ہیں۔ ان تمام باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد ہی وہ ان اصلاحات کی حقیقی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتا ہے جو عورتوں کے معاملے میں اسلام نے کی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہو جائے گی کہ اہل یورپ کا یہ دعویٰ کتنا بڑا فریب ہے کہ عورتوں کو اعزاز و اکرام اور مساوات سب سے پہلے انہوں نے عطا کیا۔ یہ اولیت تو اسلام کو حاصل ہے' اسی نے عورتوں کو اعزاز و اکرام اور مساوات سے نوازا۔ اور اہل یورپ کے قوانین اور احکام مذہبی میں تو آج تک مرد کی برتری بدستور قائم ہے۔

یقین کیجئے عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق سے آشنا کرنے میں ساری کوتاہی مسلمانوں کی ہے' اسلام کی نہیں' اور ہم تو یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہب کی ہدایات کو پورا کرنے سے اس قدر قاصر رہے ہیں کہ اب وہی اس کے خلاف ایک ثبوت بن کر رہ گئے ہیں۔

وقت آگیا ہے کہ مسلمان اسے محسوس کریں کہ اسلامی معاشرہ اس وقت تک سرسبز نہیں ہو سکتا جب تک عورت کو محکومی سے نجات نہیں ملتی اور وہ امتیاز ختم نہیں ہوتا جو بیچ میں حائل ہے اور معاشرے میں اسے پوری طرح احکام قرآنی کے مطابق حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "عورتیں ریاست کا ستون ہیں' اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہے۔ اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی"۔

marfat.com

محمد عربی ﷺ کی ازواج مطہرات اور اہل بیت اطہار

تسلیمہ نسرین کے لیے لمحہ فکریہ

متفق علیہ قول کے مطابق ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجموعی تعداد گیارہ ہے۔ جن میں چھ بی بیاں ایسی تھیں جن کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ بقیہ چار عربی النسل تھیں مگر قریشیہ نہ تھیں اور ایک غیر عربیہ تھیں۔

سرکار جب اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو بلا اختلاف اس وقت نو بی بیاں باحیات تھیں اور دو آپ کی حیات انور ہی میں انتقال کر چکی تھیں۔ چند بیبیوں کی مختصر سوانح ملاحظہ فرمائیں:

ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا : آپ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بی بی ہیں۔ آپ کا پہلا عقد ابوہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا۔ پھر آپ کی شادی عتیق بن عائذ سے ہوئی' بعدہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں۔ عقد کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس برس تھی اور خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ سرکار کی سبھی اولاد حضرت خدیجہ سے ہے۔

جب تک آپ باحیات رہیں سرکار نے کسی عورت سے عقد نہ فرمایا۔ حضرت خدیجہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ مرد و زن میں سب سے پہلے دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں۔ ہجرت سے تین سال قبل آپ نے مکہ شریف میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انتقال کے وقت زمانہ نبوت کے دس سال گزر چکے تھے۔ اندازہ کے مطابق آپ پینسٹھ سال تک زندگی کے نشیب و فراز سے دوچار رہیں' جس میں پچیس سالہ زندگی سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضان کرم اور دامن رحمت میں بسر ہوئی۔ اس وقت جب کہ اسلام کا آغاز تھا۔ یہ اپنی عظیم جانی و مالی خدمات سے اسلام کی مددگار اور سرکار کے تبلیغی مصائب میں ان کی غمگسار تھیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا : حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ اپنے چچا کے فرزند سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں۔ آپ اپنے سابقہ شوہر سکران کے ساتھ بہت پہلے دولت ایمان سے سرفراز ہو چکی تھیں۔ سکران کی موت کے بعد ان کے نصیب نے کروٹ لی اور سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا تو سیدہ سودہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں التجا کی: آپ براہ کرم مجھ کو طلاق نہ دیں' میں اپنی

marfat.com

باری کا دن حضرت عائشہ کو دے رہی ہوں' بس میری تمنا اتنی ہے کہ کل میں حشر میں آپ کی ازواج میں شمار کی جاؤں۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ سے پانچ روایتیں ملتی ہیں' ان میں ایک بخاری شریف میں' باقی سنن اربعہ میں مرقوم ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال ۵۴ھ میں واقع ہوئی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا : آپ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام ام رومان ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو پیغام عقد بھیجا' جب کہ ان کی عمر چھ برس کی تھی اور بعثت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال قبل مکہ شریف میں سرکار نے حضرت عائشہ کو اپنے عقد میں داخل فرما کر ہمیشہ کے لیے طہارت و صداقت کی انمول دولت سے شہرہ آفاق بنا دیا۔ ماہ شوال ۶ھ میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی۔

آپ ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چہیتی اور محبوب ترین بی بی ہیں۔ آپ نو سال تک سرکار کے دامن رحمت سے وابستہ رہیں۔ سرکار کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی۔ آپ دور امیر معاویہ ۵۸ھ میں ۱۷ رمضان سہ شنبہ کی رات کو مدینہ میں فوت ہوئیں۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال کی تھی' آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو بقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول نے پڑھائی۔ صحابہ اور تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے معانی قرآن' احکام حلال و حرام اور اشعار عرب و علم انساب میں حضرت صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔

ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا : یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم میں اپنے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ۳ھ میں داخل ہوئیں۔ روایت کے مطابق سرکار نے ان کو طلاق دے دی تو حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ سیدہ حفصہ سے رجوع فرما لیں' کیونکہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہیں اور رات میں جاگ کر عبادت کرتی ہیں' نیز وہ آپ کی جنتی بی بی ہیں' تو سرکار نے رجعت کر لی۔ آپ نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمر کو وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال میرے بعد راہ خدا میں خیرات کر دینا۔ شعبان ۴۵ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا : ہجرت کے تیسرے سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے حبالہ عقد میں داخل فرمایا۔ شادی کے بعد دو یا تین مہینے تک باحیات رہ سکیں۔ آپ سرکار کی زندگی پاک ہی میں رحلت فرما گئیں۔

عہد جاہلیت میں آپ کو ام المساکین سے پکارا جاتا ہے کیونکہ آپ غربا و مساکین پر مہربانی اور شفقت فرماتیں' بھوکوں کو کھانا کھلاتیں۔ صاحب مواہب لدنیہ کے قول کے مطابق آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو سرکار کے حرم میں داخل ہوئیں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا : آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں' پہلے آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی

marfat.com

زوجیت میں تھیں۔ حضرت زید نے کسی بات پر آپ کو طلاق دے دی تو ۵ھ میں حضور سے ان کا عقد ہوا۔ آپ ہی وہ بی بی ہیں جو وصال اقدس کے بعد ازواج مطہرات میں سب بیبیوں سے پہلے اس دار فانی کو چھوڑ کر دار قرار کی طرف رخصت ہوئیں۔

جیسا کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں سب سے پہلے وہی بی بی مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ (یعنی جو سخیہ ہے) ان کے عقد کا معاملہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پیغام عقد دیا تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ میں اپنے رب سے پوچھ کر جواب دوں گی' پھر فرما کر نماز میں مشغول ہوئیں۔ بعد نماز حضور قلب سے دعا کی تو رب کائنات نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے ان کا نکاح آپ سے کر دیا۔ قرآن میں ہے "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا" اسی خصوص کے تحت آپ اکثر ازواج مطہرات پر فخر کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارا نکاح تمہارے والدین نے کیا اور میرا عقد رب کائنات نے فرمایا' کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم آپ ہی کی شادی میں نازل ہوا۔ آپ بڑی فیاض' باہنر اور دست کار تھیں۔ اپنی ذاتی آمدنی سے خیرات کرتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اچھی کوئی عورت نہ دیکھی' دین دار' خدا رسیدہ' صادق القول' خدا کی راہ میں خیرات کرنے والی' اللہ سے ڈرنے والی' رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنے والی تھیں۔ مدینہ شریف کے اندر ۲۰ یا ۲۱ھ میں واصل بحق ہوئیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا : آپ کا نام ہندہ بنت امیہ مخزومی تھا اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ سیدہ ام سلمہ پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کے عقد میں تھیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں۔ کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہو کر مدینہ طیبہ میں بغرض ہجرت داخل ہوئیں۔ آپ کے شوہر ابو سلمہ غزوہ احد میں شدید زخمی ہوئے۔ پھر زخم مندمل ہو گیا۔ دوبارہ کسی جنگ میں شرکت کی تو واپس زخم ہرا ہو گیا۔ انہیں زخموں کی بنا پر ۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد سیدہ ام سلمہ بارگاہ رب الصمد میں دعا کرتی رہتی تھیں کہ اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر قائم رکھ' اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا۔ چنانچہ دعا بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوئی اور سرکار نے ان کو پیغام عقد دیا۔ پیغام پاتے ہیں آپ نے مرحبا رسول اللہ فرمایا' معاً اس کے بعد فرمایا' لیکن میں طویل العمر اور غیرت مند ہوں اور آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے نیز میرے ساتھ یتیم بچے بھی ہیں۔ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے۔ تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے اور جو تم غیرت مند ہونے کی بات کرتی ہوں تو میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ تم سے یہ چیز دور فرما دے۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماہ شوال ۴ھ میں ان کو اپنی زوجیت میں داخل فرما لیا۔ آپ کی وفات ۶۲ھ میں عہد یزید بن معاویہ میں واقع ہوئی۔ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ دنوں تک زندہ رہیں۔ آپ سے کل تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں۔

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا : آپ کا پہلا نام برہ تھا۔ سرکار نے بدل کر جویریہ رکھا۔ غزوہ مریسیع کے بعد (جو ماہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ میں واقع ہوا تھا) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ آپ نہایت شیریں کلام' ملیح اور صاحب حسن و جمال تھیں' غنائم کی تقسیم میں آپ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے سیدہ جویریہ کو مکاتبہ بنا دیا۔ سیدہ جویریہ ایک دن سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھ کو ثابت بن قیس نے

marfat.com

اتنی رقم پر مکاتبہ بنادیا ہے' میں اتنی رقم ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ امید ہے کہ سرکار میری اعانت فرمائیں گے' تاکہ میں مقررہ رقم ادا کرکے آزاد ہو جاؤں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں منظور ہے کہ رقم ادا کرکے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ عرض کیا اس سے اچھا سلوک کیا ہوگا۔ سرکار نے فرمایا کہ تم کو اپنی زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ انہوں نے قبول کرلیا۔ پھر آپ نے کتابت کی رقم ادا فرمادی اور ان کو اپنے حبالہ عقد میں داخل فرمالیا۔ صحابہ نے یہ سنا اور دیکھا تو اپنے حصے کے سارے قیدیوں کو آزاد کردیا اور کہا یہ (بنی مصطلق) تو حضور کے سسرالی رشتے والے ہیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے کوئی خیر و برکت والی خاتون ہو جن کے سبب سے بنی مصطلق کے سو گھرانوں کے لوگ آزاد ہوئے۔ آپ بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں۔

آپ فرماتی ہیں کہ بارگاہ مصطفیٰ میں حاضر ہونے سے قبل میں نے اپنے قبیلے میں ایک شب خواب دیکھا تھا کہ یثرب (مدینہ) کی جانب سے ایک چاند اپنے جلوے سمیٹے ہوئے میری سمت بڑھتا آرہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ میری آغوش میں اتر آیا' میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا' خود ہی اس کی تعبیر سوچ لی جو بحمد اللہ پوری ہوئی۔ وقت عقد میں بیس سال کی عمر تھی۔ آپ پینسٹھ سال کی عمر شریف میں ۵۵ھ میں واصل بحق ہوئیں۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھائی جو امیر معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا۔ ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری و مسلم میں دو دو حدیثیں ملتی ہیں۔ باقی دوسری کتابوں میں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا : اصل نام کرملہ ہے۔ آپ ابو سفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں اور عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں۔ اس کے ساتھ حبشہ ہجرت کرکے گئیں مگر عبداللہ مرتد و نصرانی ہو کر وہیں فوت ہوگیا۔ یہ اسلام پر قائم رہیں۔ اس کے بعد سیدہ حبیبہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان کو ام المومنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ سرکار مجھ کو اپنے حرم میں داخل فرمائیں گے۔ خواب کے کچھ ہی دنوں بعد سرکار نے عمرو بن امیہ ضمری کو پیغام عقد دے کر نجاشی کے دربار میں حبشہ روانہ فرمایا' تاکہ نجاشی شاہ حبشہ ان کو میرا پیغام عقد دے۔ سیدہ ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے مہاجرین حبشہ میں سے خالد بن سعید کو اپنا وکیل منتخب کیا' سارے مہاجرین اس موقع پر جمع ہوئے تو نجاشی نے خطبہ پڑھ کر عقد کیا۔

marfat.com

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز

تقدیر و تدبیر

اسلامی نقطہ نظر سے

خالد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ کام بھلا یا برا ہوتا ہے' سب خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے اور تدبیرات کو کار دنیوی و اخروی میں امر مستحسن اور بہتر جانتا ہے۔

ولید خالد کو بوجہ مستحسن جاننے تدبیرات کے کافر کہتا ہے' بلکہ اسے کافر سمجھ کر سلام و جواب سلام بھی ترک کر دیا اور کہتا ہے کہ تدبیر کوئی چیز نہیں بالکل واہیات ہے اور جو اشخاص اپنے اطفال کو پڑھاتے لکھاتے ہیں (خواہ عربی' خواہ انگریزی) وہ جھک مارتے ہیں' گوہ کھاتے ہیں کیونکہ پڑھنا لکھنا تدبیر میں داخل ہے۔

پس ولید نے خالد کو جو کافر کہا تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو کہنے والے کے لیے کیا گناہ و تعزیر ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجِرُوْا۔

الجواب: بے شک خالد سچا اور اس کا یہ عقیدہ خاص اہل حق کا عقیدہ ہے۔ فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے:

قَالَ تَعَالٰی کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ — ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ (کنز الایمان)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَ کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ○ — اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔ (کنز الایمان)

وَقَالَ تَعَالٰی: وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ○ — اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (کنز الایمان)

اِلٰی غَیْرِ ذَالِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ وَالْاَحَادِیْثِ ○ — اس کے علاوہ اور بھی آیات و احادیث ہیں۔

مگر تدبیر زنہار معطل نہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے۔ رب جل مجدہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا اور سنت الہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے' یونہی تدبیر کو محض عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا کسی کھلے

marfat.com

گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے' جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض وانبیاء و صحابہ وائمہ واولیاء سب پر طعن واعتراض آتا ہے۔ حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان۔ پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کر کے رزق طیب کھاتے۔

۱- داؤد علیہ الصلوۃ والسلام زرہیں بناتے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○

اور ہم نے اسے تمہارا پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔

(کنزالایمان: پارہ ۱۷' انبیاء' ع ۶' آیت ۸۰)

۲- وَقَالَ تَعَالٰی:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○

اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو' بے شک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہو۔

(کنزالایمان: پارہ ۲۲' سباع ۲' آیت ۱۰-۱۱)

۳- موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے دس برس شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی بکریاں اجرت پر چرائیں۔

قَالَ تَعَالٰی: قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ---الایہ۔

کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو۔ پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمہاری طرف سے ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ قریب ہے انشاء اللہ مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا' یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا۔ میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر چلا۔

(کنزالایمان: پارہ ۲۰' قصص' ع ۶' ۷' آیت ۲۷-۲۸-۲۹)

خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مال بطور مضاربت لے کر شام کو تشریف فرما ہوئے۔ حضرت امیر المومنین عثمان غنی و حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما بڑے نامی گرامی تاجر تھے--- حضرت امام اعظم قدس سرہ الاکرم بزازی کرتے--- بلکہ ولید منکر تدبیر' خود کیا تدبیر سے خالی ہو گا؟ ہم نے فرض کیا کہ وہ زراعت' تجارت' نوکری' حرفت کچھ نہ کرتا ہو آخر اپنے لیے کھانا پکاتا یا پکواتا ہو گا--- آٹا پیسنا' گوندھنا' پکانا' یہ کیا تدبیر نہیں؟ یہ بھی جانے دیجئے اگر بغیر اس کے سوال یا اشارہ و ایماء کے خود بخود پکی پکائی اسے مل جاتی ہو تاہم نوالہ بنانا' منہ تک لانا' چبانا' نگلنا یہ بھی تدبیر--- تدبیر کو معطل کرے تو اس سے بھی باز آئے کہ تقدیر الٰہی میں زندگی لکھی ہے۔ بے کھائے جئے گا--- یا قدرت الٰہی سے پیٹ بھر جائے گا یا خود بخود کھانا معدے میں چلا جائے گا' ورنہ ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہ ہو گا کہ مذہب اہلسنت میں نہ پانی پیاس بجھاتا ہے' نہ کھانا بھوک کھوتا ہے--- بلکہ یہ سب اسباب عادیہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے مسببات کو

marfat.com

مربوط فرمایا اور اپنی عادت جاریہ کے مطابق ان کے بعد سیری فرماتا ہے--- وہ نہ چاہے تو گھڑے چڑھائے' دھڑیوں(۱) کھا جائے کچھ مفید نہ ہوگا--- آخر مرض استسقاء' وجوع البقر(۲) میں کیا ہوتا ہے؟--- وہی کھانا' پانی جو پہلے سیرو سیراب کرتا تھا اب کیوں محض بیکار جاتا ہے اور اگر وہ چاہے تو بے کھائے پیئے بھوک پیاس پاس نہ آئے' جیسے زمانہ دجال میں اہل ایمان کی پرورش فرمائے گا اور ملائکہ کا بے آب و غذا زندگی کرنا کسے نہیں معلوم--- مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے' جس پر ہاتھ' پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل و حماقت--- یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام کرکے خورد و نوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مرجائے' بیشک حرام موت مرے--- اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار ٹھہرے۔ مرگ بھی تو تقدیر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ۔ اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(پارہ۲' ع۸)

اگرچہ مردن مقدر است ولے

تو مرد در دھان اژدہا(۳)

ہم نے مانا کہ ولید اپنے دعوے پر ایسا مضبوط ہو کر یک لخت ترک اسباب کرکے پیمان واثق (پکا عہد ۱۲) کرے کہ اصلاً دست وپا نہ ہلائے۔ نہ اشارتاً نہ کنایتاً کسی تدبیر کے پاس جائے گا۔ خدا کے حکم سے پیٹ بھرے تو بہتر' ورنہ مرنا قبول' تاہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا۔ یہ کیا تدبیر نہیں کہ دعا خود موثر حقیقی کب ہے؟ صرف حصول مراد ایک سبب ہے اور تدبیر کاہے کا نام ہے؟--- رب جل جلالہ فرماتا ہے:

۵- وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

وہ قادر تھا کہ بے دعا مراد بخشے' پھر اس نے تدبیر کی طرف کیوں ہدایت فرمائی؟ اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث

مَنْ لَّمْ یَدْعُ اللّٰهَ غَضِبَ عَلَیْهِ۔ جو اللہ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔

(رَوَاهُ الْاَئِمَّةُ اَحْمَدُ فِی الْمُسْنَدِ' وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَاَلْفَاظُ لَهٗ فِی الْمُصَنَّفِ' وَالْبُخَارِیُّ فِی الْاَدَبِ الْمُفْرَدِ' وَالتِّرْمِذِیُّ فِی الْجَامِعِ' وَابْنُ مَاجَةَ فِی السُّنَنِ' وَالْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ)

۶- قَالَ تَعَالٰی:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(کنزالایمان' پارہ۵' ع۵' نساء آیت۵۹)

(۱) دس سیر یا پانچ سیر کا وزن' ۱۲ مصباحی۔

(۲) جوع البقر: اس بیماری میں کتنا بھی کھائے بھوک نہیں جاتی۔ جس طرح استسقاء میں جس قدر بھی پیئے پیاس نہیں جاتی' م

(۳) اگرچہ موت امر مقدر ہے لیکن از خود اژدہوں اور سانپوں کے منہ میں نہ جا' م

marfat.com

۷۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:
وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔
(کنزالایمان' پارہ ۹' ع ۱۹' انفال آیت ۲۹)

۸۔ قَالَ تَعَالٰی:
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسِ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ○

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔ (کنزالایمان' بقرہ' پارہ ۲' ع ۳۳' آیت ۲۵۱)

۹۔ وَقَالَ تَعَالٰی:
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔

اور اللہ اگر آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں۔ خانقاہیں اور گرجا اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔
(کنزالایمان' پارہ ۱۷' ع ۱۳' حج' آیت ۴۰)

۱۰۔ وَقَالَ تَعَالٰی:
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ○

ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو گا۔
(کنزالایمان پارہ ۱۰' ع ۶' انفال' آیت ۷۳)

۱۱۔ وَقَالَ تَعَالٰی:
وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○

اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے۔ اے عقل مندو کہ تم کہیں بچو۔ (کنزالایمان' بقرہ' پارہ ۲' ع ۶' آیت ۱۷۹)

یعنی خون کے بدلے خون لو گے تو مفسدوں کے ہاتھ رکیں گے اور بے گناہوں کی جانیں بچیں گی اور اسی لیے حد جاری کرتے وقت حکم ہوا کہ مسلمان جمع ہو کر دیکھیں' تاکہ موجب عبرت ہو۔

۱۲۔ وَقَالَ تَعَالٰی:
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ○

اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔ (کنزالایمان' پارہ ۲۸' نور' ع ۱' آیت ۲)

بلکہ اور ترقی کیجئے تو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال دینیہ خود ایک تدبیر' اور رضائے الٰہی و ثواب نامتناہی ملنے' اور عذاب و غفلت سے نجات پانے کے اسباب ہیں۔

۱۳۔ وَقَالَ تَعَالٰی:
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا○

اور جو آخرت چاہے اور اسی کی سی کوشش کرے (اور ہو ایمان والا) تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی۔
(کنزالایمان' پارہ ۱۵' ع ۲' بنی اسرائیل' آیت ۱۹)

marfat.com

اگرچہ ازل میں ٹھہر چکا کہ:

فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ○ ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ دوزخ میں۔

(کنزالایمان' پارہ ۲۵' ع ۲' شوریٰ' آیت ۷)

پھر بھی اعمال فرض کیے کہ جس کے مقدر میں جو لکھا ہے اسے وہی راہ آسان' اسی کے اسباب مہیا ہو جائیں گے۔

قَالَ تَعَالٰی:

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔

(کنزالایمان' پارہ ۳۰' ع ۷' لیل' آیت ۱۰)

قَالَ تَعَالٰی:

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○ تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے۔

(کنزالایمان' پارہ ۳۰' ع ۷' لیل' آیت ۱۰)

اسی لیے جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدیث ۲: کہ دوزخی' جنتی سب لکھے ہوئے ہیں اور صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! پھر ہم عمل کاہے کو کریں۔ ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں' کہ جو سعید ہیں آپ ہی سعید ہوں گے' اور جو شقی ہیں ناچار شقاوت پائیں گے۔ فرمایا: نہیں' بلکہ عمل کیے جاؤ کہ ہر ایک جس گھر کے لیے بنا ہے' اسی کا راستہ اسے سہل کر دیتے ہیں۔ سعید کو اعمال سعادت کا اور شقی کو افعال شقاوت کا۔۔۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں:

اَخْرَجَ الْاَئِمَّةُ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَّغَيْرُهُمْ۔ عَنْ (۲) اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجْهَهٗ قَالَ۔ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ جَنَازَةٍ فَاَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الْاَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ (زَادَ فِىْ رِوَايَةٍ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُصِيْرُ اِلٰى اَهْلِ السَّعَادَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَيُصِيْرُ اِلٰى عَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ) قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاءِ فَيَسِيْرُ لِعَمَلِ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَءَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الایه۔

یہاں سے ظاہر ہوا کہ تدبر مطلقاً مہمل ہو تو دین و شرائع و انزال (۲) کتب و ارسال (۳) رسل و اتیان (۴) فرائض و اجتناب (۵) محرمات معاذ اللہ! سب لغو و فضول و عبث ٹھہریں۔۔۔۔۔ آدمی کی رسی کاٹ کر بجار (۶) کر دیں۔۔۔۔۔ دین و دنیا سب یکبارگی برہم ہو جائیں۔۔۔۔۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

نہیں' نہیں' بلکہ تدبیر بے شک مستحسن ہے اور اس کی بہت صورتیں مندوب و مسنون ہیں جیسے دعا و دوا۔

دعا کی حدیثیں

تو خود متواتر ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ:

marfat.com

حدیث ۳: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

لَا یُرَدُّ الْقَضَآءُ اِلَّا الدُّعَاءُ۔ تقدیر کسی چیز سے نہیں ٹلتی مگر دعا سے یعنی قضا معلق۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند حسن عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

دوسری حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث ۴:

لَا یُغْنِیْ حَذَرٌ مِّنْ قَدَرٍ وَّالدُّعَآءُ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ یَنْزِلْ اِنَّ الْبَلَاءَ یَنْزِلُ فَیَتَلَقَّاہُ الدُّعَآءُ فَیَعْتَلِجَانِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

تقدیر کے آگے احتیاط کی کچھ نہیں چلتی اور دعا اس بلا سے جو اتر آئی اور جو ابھی نہیں اتری دونوں سے نفع دیتی ہے اور بے شک بلا اترتی ہے دعا اس سے جا ملتی ہے' دونوں قیامت تک کشتی لڑتی رہتی ہیں' یعنی بلا کتنا ہی اترنا چاہے دعا اسے اترنے نہیں دیتی۔

(رواہ الحاکم والبزار والطبرانی فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' قال الحاکم صحیح الاسناد وکذا قال)

جسے دعا کے بارے میں احادیث مجملہ و مفصلہ وکلیہ و جزئیہ دیکھنا ہوں وہ کتاب الترغیب و حصن وعدہ و صلاح وغیرہا تصانیف علماء کی طرف رجوع کرے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں: (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حدیث ۵:

تَدَاوَوْا عِبَادَ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَضَعْ دَآءً اِلَّا وَضَعَ لَہٗ دَوَآءً غَیْرَ دَآءٍ وَاحِدٍ الْہَرَمَ۔

خدا کے بندو! دوا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہ رکھی جس کی دوا نہ بنائی ہو مگر ایک مرض یعنی بڑھاپا۔

(اخرجہ واحمد داود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن (۵) اسامۃ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند صحیح)

اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعمال دوا فرمانا اور امت مرحومہ کو صدہا امراض کے علاج بتانا' بکثرت احادیث میں مذکور' اور طب نبوی وغیرہا فنون حدیثیہ میں مسطور لکھا ہوا اور تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں--- جیسے فرائض کا بجالانا' محرمات سے بچنا' بقدر سد رمق کھانا کھانا' پانی پینا' یہاں تک کہ اس کے لیے بحالت مخمصہ(۱) شراب و مردار کی اجازت دی گئی۔

اسی طرح جان بچانے کی کل تدبیریں اور حلال معاش کی سعی و تلاش جس میں اپنے اور اپنے متکلمین کے تن' پیٹ کی پرورش ہو۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث ۶:

طَلَبُ کَسَبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ بَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ۔

آدمی پر فرض کے بعد دوسرا فرض یہ ہے کہ کسب حلال کی تلاش کرے۔

(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان والدیلمی فی مسند

marfat.com

الفردوس عن (٦) ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۷:

طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔ طلب حلال ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(اخرجہ الدیلمی بسند حسن عن (۷) انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ)

اسی لیے احادیث میں حلال معاش کی طلب و تلاش کی بہت فضیلتیں وارد، مسند احمد و صحیح البخاری میں ہے حضور پرنور سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث ۸:

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔ کبھی کسی شخص نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہ کھایا اور بے شک نبی اللہ داؤد علیہ السلام اپنی دست کاری کی اجرت سے کھاتے۔

(واخرجہ عن (۸) مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالی عنہ)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۹:

اِنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلْتُمْ مِّنْ کَسْبِکُمْ۔ سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھاؤ۔

(اخرجہ البخاری فی التاریخ والدارمی وابو داود والترمذی والنسائی عن (۹) ام المومنین الصدیقۃ بسند صحیح)

کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! "اَیُّ الْکَسْبِ اَفْضَلُ" سب سے بہتر کسب کون سا ہے؟

فرمایا:

حدیث ۱۰:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَکُلُّ بَیْعٍ مَّبْرُوْرٍ۔ اپنے ہاتھ کی مزدوری اور ہر مقبول تجارت کہ مفاسد شرعیہ سے خالی ہو۔

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر بسند الثقات عن (۱۰) عبداللہ بن عمر... وھو فی الکبیر واحمد والبزار عن (۱۱) رافع بن خدیج والبیھقی عن (۱۲) **سعید بن عمیر** مرسلا والحاکم عنہ عن (۱۳) امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین)

اور وارد کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۱۴:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ مسلمان پیشہ ور کو دوست رکھتا ہے۔

(اخرجہ الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب فی سیدی محمد الترمذی

marfat.com

فی النوادر عن (۱۴) ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما)

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۱۵ تا ۱۶:

مَنْ اَمْسٰی کَالًّا مِّنْ عَمَلِ یَدِہٖ اَمْسٰی مَغْفُوْرًا لَّہٗ۔

جسے مزدوری سے تھک کر شام آئے اس کی وہ شام، شام مغفرت ہو۔

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط عن (۱۵) ام المومنین الصدیقۃ --- ومثل ابی القاسم الاصبہانی عن (۱۶) ابن عباس، وابن عساکر عنہ وعن (۱۷) انس رضی اللہ تعالی عنہم)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۱۸:

طُوْبٰی لِمَنْ طَابَ کَسْبُہٗ۔

پاک کمائی والے کے لیے جنت ہے۔

(اخرجہ البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن والبغوی والباوردی وانباء قانع وشاہین ومندۃ کلہم عن (۱۸) رکب المصری رضی اللہ تعالی عنہ، فی حدیث طویل قال ابن عبد البر حدیث حسن قلت ای لغیرہ)

ایک حدیث شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث ۱۹، ۲۰:

اَلدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ مَّنِ اکْتَسَبَ مِنْہَا مَالًا فِیْ حِلِّہٖ وَاَنْفَقَہٗ فِیْ حَقِّہٖ اَثَابَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَوْرَدَہٗ جَنَّتَہٗ۔ (الحدیث)

دنیا دیکھنے میں ہری، چکھنے میں میٹھی ہے یعنی بظاہر بہت خوشنما، خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے جو اسے حلال وجہ سے کمائے اور حق جگہ پر اٹھائے، اللہ تعالیٰ اسے ثواب دے اور اپنی جنت میں لے جائے۔

(اخرجہ البیہقی فی الشعب عن (۱۹) ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما۔ قلت والمتن عند الترمذی عن (۲۰) خولۃ بنت قیس امرءۃ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالی عنہم بلفظ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَصَابَہٗ بِحَقِّہٖ بُوْرِکَ لَہٗ فِیْہِ۔ (الحدیث) قال الترمذی حسن صحیح، قلت واصلہ، عن خولۃ عند البخاری مختصرا)

اور مذکور کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۲۱:

اِنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبًا لَّا یُکَفِّرُھَا الصَّلٰوۃُ وَلَا الصِّیَامُ وَلَا الْحَجُّ وَلَا الْعُمْرَۃُ یُکَفِّرُھَا الْھُمُوْمُ فِیْ طَلَبِ الْمَعِیْشَۃِ۔

کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے، نہ روزے، نہ حج، نہ عمرہ --- ان کا کفارہ وہ پریشانیاں ہوتی ہیں جو آدمی کو تلاش معاش حلال میں پہنچتی ہیں ---

(رواہ ابن عساکر وابو نعیم فی الحلیۃ عن (۲۱) ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ)

marfat.com

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک شخص کو دیکھا کہ تیز و چست کسی کام کو جا رہا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ! کیا خوب ہوتا اگر اس کی یہ تیزی و چستی خدا کی راہ میں ہوتی۔

حضور اقدس ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث ۲۲:

اِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی نَفْسِہٖ یُعِفُّھَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ--- وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی وَلَدِہٖ صِغَارٍ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ--- وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی عَلٰی اَبَوَیْنِ شَیْخَیْنِ کَبِیْرَیْنِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ--- وَاِنْ کَانَ خَرَجَ یَسْعٰی رِیَآءً وَمُفَاخَرَۃً فِیْ سَبِیْلِ الشَّیْطَانِ۔

اگر یہ شخص اپنے لیے کمائی کو نکلا ہے کہ سوال وغیرہ کی ذلت سے بچے تو اس کی یہ کوشش اللہ ہی کی راہ میں ہے اور اگر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے خیال سے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں اور اگر اپنے بوڑھے ماں باپ کے لیے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں ہاں اگر ریا و تفاخر کے لیے نکلا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے۔

(رواہ الطبرانی عن(۲۲) کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رجالہ رجال الصحیح)

حدیث میں ہے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث ۲۳:

لَیْسَ بِخَیْرِکُمْ مَّنْ تَرَکَ دُنْیَاہُ لِاٰخِرَتِہٖ وَلَا اٰخِرَتَہٗ لِدُنْیَاہُ حَتّٰی یُصِیْبَ مِنْھُمَا جَمِیْعًا فَاِنَّ الدُّنْیَا بَلَاغٌ اِلَی الْاٰخِرَۃِ وَلَا تَکُوْنُوْا کَلًّا عَلَی النَّاسِ۔

تمہارا بہتر وہ نہیں جو اپنی دنیا' آخرت کے لیے چھوڑ دے۔ اور نہ وہ جو اپنی آخرت(۱) دنیا کے لیے ترک کرے۔ بہتر وہ ہے جو دونوں سے حصہ لے کہ دنیا آخرت کا وسیلہ ہے۔ اپنا بوجھ اوروں پر ڈال کر نہ بیٹھ رہو۔

(رواہ ابن عساکر عن(۲۳) انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

انہیں احادیث سے ثابت ہوا کہ تلاش حلال و فکر معاش و تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں' بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔

حدیث ۲۴' ۲۵: اسی لیے جب ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی اپنی اونٹنی یوں ہی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں؟

ارشاد فرمایا: "قَیِّدْ وَتَوَکَّلْ" باندھ دے اور تکیہ خدا پر رکھ۔ ع---- بر توکل زانوے اشتر ببند

(اخرجہ البیھقی فی الشعب بسند جید عن(۲۴) عمرو بن امیۃ الضمری والترمذی فی الجامع عن(۲۵) انس رضی اللہ تعالیٰ عنھما واللفظ عندہ---اعقلھا و توکل)

دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر اعتماد نہ کرلو---- دل کی نظر تقدیر پر رہے---- مولانا قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

(۱) وَلَا مَنْ تَرَکَ اٰخِرَتَہٗ لِدُنْیَا یا اسی کے ہم معنی کوئی اور عبادت ہونی چاہیے جو چھوٹ گئی ہے۔ ۱۲م

marfat.com

توکل کن مخنباں پا دوست
رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است(۱)

خود حضرت عزت جل مجدہ نے قرآن عظیم میں تلاش و تدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی۔

۱۴- قَالَ تَعَالٰی:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ○ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ۔

اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

(کنزالایمان' پارہ ۲' ع ۹' بقرہ' آیت ۱۹۷' ۱۹۸)

یمن کے کچھ لوگ بے زاد راہ لیے حج کو آتے اور کہتے ہم متوکل ہیں۔ ناچار بھیک مانگنی پڑتی۔ حکم آیا توشہ ساتھ لیا کرو------ کچھ اصحاب کرام نے موسم حج میں تجارت سے اندیشہ کیا کہ کہیں اخلاص میں فرق نہ آئے------ فرمان آیا' کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈو۔ اسی طرح تلاش فضل الٰہی کی آیتیں بکثرت ہیں:

۱۵- وَقَالَ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو' اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

(کنزالایمان' پارہ ۶' ع ۱۰' مائدہ: ۳۵)

صاف حکم دیتے ہیں کہ رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو' تاکہ مراد کو پہنچو۔ اگر تدبیر و اسباب معطل و مہمل ہوتے تو اس کی کیا حاجت تھی؟ بلکہ انصاف کیجئے تو تدبیر کب تقدیر سے باہر ہے۔ وہ خود ایک تقدیر ہے اور اس کا بجالانے والا ہرگز تقدیر سے روگرداں نہیں۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی' دوا تقدیر سے کیا نافع ہوگی؟ فرمایا:

حدیث ۲۶:

اَلدَّوَاءُ مِنَ الْقَدَرِ یَنْفَعُ مَنْ یَّشَآءُ بِمَا شَآءَ۔

دوا خود بھی تقدیر ہے--- اللہ تعالیٰ جسے چاہے جس دوا سے چاہے نفع پہنچا دیتا ہے۔

(رواہ ابن السنی فی الطب والدیلمی فی مسند الفردوس عن (۲۶) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وصدرہ عنہ عند ابی نعیم والطبرانی فی المعجم الکبیر)

حدیث ۲۷:

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بہ قصد شام وادی تبوک میں قریہ سرغ تک پہنچے' سرداران لشکر ابوعبیدہ بن الجراح و خالد بن ولید و عمرو بن العاص وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم انہیں ملے اور خبر دی کہ شام میں وبا ہے۔ امیر المومنین نے مہاجرین و انصار وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلا کر مشورہ کیا۔ اکثر کی رائے رجوع پر قرار پائی۔ امیر المومنین نے بازگشت کی منادی فرمائی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا------ اَفِرَارًا مِّنْ قَدَرِ اللّٰهِ کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنا------ فرمایا:

(۱) توکل کر اور ہاتھ پاؤں حرکت میں لا کہ تیرا رزق تجھ پر' تجھ سے زیادہ عاشق ہے۔ ۱۲م

marfat.com

لَوْغَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبَا عُبَيْدَةَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ اِبِلٌ هَبَطَتْ وَادِيًا لَّهٗ عَدْوَتَانِ اَحَدُهُمَا خَصْبَةٌ وَالْاُخْرٰى جَدْبَةٌ اَلَيْسَ اِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ وَاِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ۔

کاش! اے ابو عبیدہ! یہ بات تمہارے سوا کسی اور نے کہی ہوتی (یعنی تمہارے علم و فضل سے بعید تھی) ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ بھلا بتاؤ تو اگر تمہارے کچھ اونٹ ہوں' انہیں لے کر کسی وادی میں اترو جس کے دو کنارے ہوں ایک سرسبز' دوسرا خشک' تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم شاداب میں چراؤ گے تو خدا کی تقدیر سے اور خشک میں چراؤ گے تو خدا کی تقدیر سے۔

(اخرجه الائمة مالك واحمد والبخاری ومسلم وابوداود والنسائی عن (۲۷) ابن عباس رضی الله تعالی عنهما)

یعنی باآں کہ سب کچھ تقدیر سے ہے' پھر آدمی خشک جنگل چھوڑ کر ہرا بھرا چرائی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس سے تقدیر الٰہی سے بچنا لازم نہیں آتا۔ یونہی یہ ہمارا اس زمین میں نہ جانا جس میں وبا پھیلی ہوئی ہے' یہ بھی تقدیر سے فرار نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہرگز منافی توکل نہیں۔ بلکہ صلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے--- ہاں! یہ بے شک ممنوع و مذموم ہے کہ آدمی ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہو جائے اور اس کی درستی میں جاو بے جا و نیک و بد و حلال و حرام کا خیال نہ رکھے--- یہ بات بے شک اسی سے صادر ہوگی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا۔ شیطان اسے ابھارتا ہے کہ اگر یہ بن پڑی جب تو کاربراری ہے' ورنہ مایوسی و ناکامی۔ ناچار سب این و آں سے غافل ہو کر اس کی تحصیل میں لہو پانی ایک کر دیتا ہے اور ذلت و خواری' خوشامد و چاپلوسی' مکر و دغابازی' جس طرح بن پڑے اس کی راہ لیتا ہے--- حالانکہ اس حرص سے کچھ نہ ہوگا۔ ہونا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے--- اگر یہ علو ہمت و صدق نیت و پاس عزت و لحاظ شریعت ہاتھ سے نہ دیتا۔ رزق کہ اللہ عزوجل نے اپنے ذمہ لیا۔ جب بھی پہنچتا۔ اس کی طمع نے آپ اس کے پاؤں میں تیشہ مارا۔ اور حرص و گناہ کی شامت نے خسر الدنیا والاخرہ (دنیا و آخرت دونوں کے اندر گھاٹے میں رہا۔ ۱۲م) کا مصداق بنایا اور اگر بالفرض آبرو کھو کر گناہ گار ہو کر دو پیسہ پائے بھی تو ایسے مال پر ہزار تف۔

بِئْسَ الْمَطَاعِمُ حِيْنَ الذُّلُّ تَكْسِبُهَا
اَلْقَدْرُ مُنْتَصِبٌ وَ الْقَدْرُ مَخْفُوْضٌ

(بری خوراک ہے جسے ذلت کی حالت میں حاصل کرو قسمت بلند بھی ہے اور قسمت پست بھی ہے۔ ۱۲)

اسی لیے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حدیث ۲۸:

اَجْمِلُوْا فِیْ طَلَبِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلًّا مُيَسَّرٌ لِّمَا كُتِبَ لَهٗ مِنْهَا۔

دنیا کی طلب میں اچھی روش سے عدل نہ کرو کہ جس کے مقدر میں جتنی لکھی ہے' ضرور اس کے سامان مہیا پائے گا۔

(رواه ابن ماجة والحاكم والطبرانی فی الكبير والبيهقی فی السنن وابو الشيخ فی الثواب عن (۲۸) ابی حميد الساعدی رضی الله تعالی عنه باسناد صحيح واللفظ والحاكم)

marfat.com

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۲۹، ۳۰:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ فَاِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَوْفِیَ رِزْقِھَا فَاِنْ اَبْطَاَ مِنْھَا فَاْتُوا اللّٰہَ وَاجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ، خُذُوْا مَا حَلَّ وَدَعُوْا مَا حَرَّمَ۔

اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور طلب رزق نیک طور پر کرو کہ کوئی جان دنیا سے نہ جائے گی جب تک اپنا رزق پورا لے لے تو اگر روزی میں دیر دیکھو تو خدا سے ڈرو اور روش محمود تلاش کرو۔ حلال کو لو اور حرام کو چھوڑ دو۔

(رواۃ ابن ماجہ واللفظ لہ والحاکم وقال صحیح علی شرطھما و بسند آخر صحیح علی شرط مسلم وابن حبان فی صحیحہ کلھم عن (۲۹) جابر بن عبداللہ وبمعناہ عند ابی۔ لعلی بسند حسن ان شاء اللہ تعالی عن (۳۰) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنھم)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۳۱ تا ۳۴:

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ اَجَلَھَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ وَلَا یَحْمِلَنَّ اَحَدَکُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ یَّطْلُبَہٗ بِمَعْصِیَۃِ اللّٰہِ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَا یُنَالُ مَا عِنْدَہٗ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ۔

بے شک روح القدس جبریل نے میرے دل میں ڈالا کہ کوئی جان نہ مرے گی جب تک اپنی عمر اور اپنا رزق پورا نہ کرلے تو خدا سے ڈرو اور نیک طریقے سے تلاش کرو اور خبردار رزق کی درنگی تم میں کسی کو اس پر نہ لائے کہ نافرمانی خدا سے اسے طلب کرے کہ اللہ کا فضل تو اس کی اطاعت ہی سے ملتا ہے۔

(اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ واللفظ لہ، عن (۳۱) ابی امامۃ الباھلی --- والبغوی فی شرح السنۃ والبیھقی فی الشعب والحاکم فی المستدرک عن (۳۲) ابن مسعود --- والبزار عن (۳۳) حذیفۃ بن الیمان ونحوہ للطبرانی فی الکبیر --- عن (۳۴) الحسن بن علی امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین --- غیر اَنَّ الطبرانی لم یذکر جبریل علیہ الصلوۃ والسلام)

اور مروی ہوا، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

حدیث ۳۵:

اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ بِعِزَّۃِ الْاَنْفُسِ فَاِنَّ الْاُمُوْرَ تَجْرِیْ بِالْمَقَادِیْرِ۔

حاجتیں عزت نفس کے ساتھ طلب کرو کہ سب کام تقدیر پر چلتے ہیں۔

(رواہ اتمام فی فوائدہ وابن عساکر فی تاریخہ عن (۳۵) عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالی عنہ)

ان سب حدیثوں میں بھی تلاش و تدبیر کی طرف ہدایت فرمائی --- مگر حکم دیا کہ شریعت و عزت کا پاس رکھو --- تدبیر

marfat.com

میں بے ہوش و مدہوش نہ ہو جاؤ--- دست در کار و دل بایار' تدبیر میں ہاتھ' دل تقدیر کے ساتھ --- ظاہر میں ادھر' باطن میں ادھر' اسباب کا نام --- مسبب سے کام --- یوں بسر کرنا چاہیے --- یہی روش ہدی ہے' یہی مرضی خدا --- یہی سنت انبیاء --- یہی سیرت اولیاء --- عَلَیْہِمْ جَمِیْعًا اَلصَّلٰوۃُ وَالثَّنَاءُ ---

بس اس بارے میں یہی قول فیصل و صراط مستقیم ہے۔ اس کے سوا تقدیر کو بھولنا' یا حق نہ ماننا یا تدبیر کو اصلاً مہمل جاننا دونوں معاذ اللہ گمراہی ضلالت یا جنون و سفاہت --- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ---

باب تدبیر میں آیات و احادیث

اتنی ہیں جنہیں کوئی حصر کر سکے۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ دعویٰ کرتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر محنت کی جائے تو دس ہزار سے زائد آیات و احادیث اس پر ہو سکتی ہیں --- مگر کیا حاجت کہ ---

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جس مسئلہ کے تسلیم پر تمام جہان کے کاروبار کا دارومدار' اس میں زیادہ تطویل عبث اور بیکار' اسی تحریر میں کہ فقیر نے پندرہ آیتیں اور پینتیس (۳۵) حدیثیں جملہ پچاس نصوص ذکر کیے --- اور صدہا بلکہ ہزارہا کے پتے دیئے۔ یہ کیا تھوڑے ہیں؟ انہیں سے ثابت ہے کہ انکار تدبیر کس قدر اعلیٰ درجہ کی حماقت' اخبث الامراض اور قرآن و حدیث سے صریح اعراض' اور خدا و رسول پر کھلا اعتراض --- وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

ولید پر فرض ہے کہ تائب ہو

اور کتاب و سنت سے اپنا عقیدہ درست کرے' ورنہ بدمذہبی کی شامت سخت جانکاہ ہے --- والعیاذ باللہ رب العالمین باقی رہا اس کا عربی پڑھانے' علم سکھانے کی نسبت وہ شنیع لفظ کہنا' اگر اس تاویل کا درمیان نہ ہو تاکہ شاید وہ ان لوگوں پر معترض ہے جو دنیا کے لیے علم پڑھاتے ہیں --- اور ایسے لوگ بے شک لائق اعتراض ہیں' تو صریح کلمہ کفر تھا کہ اس نے علم دین کی تحقیر و توہین کی اور اس سے سخت تر ہے۔ اس کا خالد کو اس بناء پر کافر کہنا کہ وہ باوجود ایمان تقدیر' تدبیر کو بہتر و محسن جانتا ہے --- حالانکہ جو اس کا عقیدہ ہے' وہی حق وہی صحیح ہے' اور ولید کا قول خود باطل و قبیح --- "مسلمان کو کافر کہنا سہل بات نہیں"۔ صحیح حدیثوں میں فرمایا کہ جو دوسرے کو کافر کہے' اگر وہ کافر نہ تھا یہ کافر ہو جائے۔

حدیث ۳۶ تا ۳۹: (کَمَا اَخْرَجَہُ الْاَئِمَّۃُ مَالِکٌ وَّاَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَّاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ عَنْ (۳۶) عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ' وَالْبُخَارِیُّ عَنْ (۳۷) اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ وَاَحْمَدُ وَالشَّیْخَانِ عَنْ (۳۸) اَبِیْ ذَرٍّ وَّابْنِ حِبَّانَ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنْ (۳۹) اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بِاَسَانِیْدَ عَدِیْدَۃٍ وَاَلْفَاظٍ مُتَبَائِنَۃٍ وَمَعَانٍ مُتَقَارِبَہ)

اور اگر اہل سنت کا مذہب محقق و منقح یہی ہے کہ ہمیں تاہم احتیاط لازم' اور اتنی بات پر حکم تکفیر ممنوع و ناملائم اور احادیث مذکورہ میں تاویلات عدیدہ کا احتمال قائم --- مگر پھر بھی صدہا ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش و جمہور فقہاء بلخ وغیرہم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم ظاہر احادیث ہی پر عمل کرتے اور مسلمان کے "مکفر" کو مطلقاً کافر کہتے ہیں۔ "کَمَا فَصَّلْنَا کُلَّ ذٰلِکَ فِیْ رِسَالَتِنَا اَلنَّہْیُ الْاَکِیْدُ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَرَآءَ عِدَی التَّقْلِیْدِ"۔

marfat.com

تو ولید پر لازم کہ از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اور اگر صاحب نکاح ہو تو اپنی زوجہ سے تجدید نکاح کرے---

فِی الدُّرِّ الْمُخْتَارِ عَنْ شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلْعَلَّامَةِ حَسَنِ الشُّرُنْبُلَالِيِّ مَا يَكُوْنُ كُفْرًا اِتِّفَاقًا يُبْطِلُ الْعَمَلَ وَالنِّكَاحَ وَاَوْلَادُهٗ اَوْلَادُ زِنَا۔ وَمَا فِيْهِ خِلَافٌ يُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَتَجْدِيْدِ النِّكَاحِ۔

در مختار میں علامہ حسن شرنبلانی کی شرح وہبانیہ سے منقول ہے۔ جو بالاتفاق کفر ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہو جائیں گے بلا تجدید ایمان و نکاح اس کی اولاد' اولاد زنا ہو گی اور جس میں اختلاف ہے قائل کو استغفار' توبہ تجدید و نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ (مترجم)

اور جس طرح یہ کلمات شنیعہ علانیہ کہے یوں ہی توبہ و تجدید ایمان کا بھی اعلان چاہیے' رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حدیث ۴۰:

اِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَاَحْدِثْ عِنْدَهَا تَوْبَةً اَلسِّرَّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةَ بِالْعَلَانِيَّةِ۔

جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً از سر نو توبہ کر۔ پوشیدہ کی پوشیدہ' اور آشکار کی آشکار۔

(رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر عن (۴۰) معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن واللہ تعالیٰ اعلم)

قرآن میں جس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد! ان اشخاص کو زیادہ ہدایت مت کرو' ان کے لیے اسلام کے واسطے مشیت ازلی نہیں ہے' یہ مسلمان نہ ہوں گے--- يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کے صاف یہ معنی ہیں کہ جس امر کی طرف اس کی خواہش ہو گی وہ ہو گا۔ پس انسان مجبور ہے اس سے بازپرس کیونکر ہو سکتی ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا۔

اللہ عزوجل نے بندے بنائے اور انہیں کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں' زبان وغیرہا آلات و جوارح عطاء فرمائے اور انہیں کلام میں لانے کا طریقہ الہام کیا اور ان کے ارادے کا تابع و فرماں بردار کر دیا کہ اپنے منافع حاصل کریں اور مضرتوں سے بچیں--- پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ عقل کو ان امور کے ادراک کی طاقت بخشی' خیر و شر' نفع و ضرر یہ حواس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے---- پھر اسے بھی فقط اپنی سمجھ پر بے کس و بے یاور نہ چھوڑا' ہنوز لاکھوں باتیں ہیں جن کو عقل خود ادراک نہ کر سکتی تھی اور جن کا ادراک ممکن تھا ان میں لغزش کرنے' ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لیے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی---

لہٰذا انبیاء بھیج کر' کتابیں اتار کر' ذرا ذرا بات کا حسن و قبح خوب جتا کر اپنی نعمت تمام و کمال فرما دی' کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی۔ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۱) حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا۔

ہدایت و گمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲)

بایں ہمہ کسی کا خالق ہونا------ یعنی ذات ہو یا صفت' فعل ہو یا حالت' کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباس وجود پہنا دیا------ یہ اسی کا کام ہے---- یہ نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا' کہ تمام مخلوقات خود اپنی حد ذات میں نیست ہیں------ ایک نیست دوسرے نیست کو کیا ہست بنا سکے------ ہست بنانا اسی کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہست حقیقی و ہست مطلق

(۱) کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو عذر نہ رہے۔ (کنزالایمان' پارہ ۶' ع ۳' نساء' آیت ۱۶۵)

(۲) کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے--- (کنزالایمان' پارہ ۳' ع ۲' بقرہ: ۲۵۶)

marfat.com

ہے------ ہاں! یہ اس کی اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عادات اجراء فرمائے کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے' اپنے جوارح ادھر پھیرے------ مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرما دیتا ہے------ مثلاً اس نے ہاتھ دیئے ان میں پھیلنے' سمٹنے' اٹھنے کی طاقت رکھی------ تلوار بنانی بتائی' اس میں دھار اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی------ اس کا اٹھانا' لگانا' وار کرنا بتایا------ دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی------ اسے نیک و بد میں تمیز کی طاقت عطا کی------ شریعت بھیج کر قتل حق و ناحق کی بھلائی برائی صاف جتا دی------ زید نے وہی خدا کی بتائی ہوئی تلوار' خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ' خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا------ وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا------ وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی سب عطائے حق تھے اور خود جو ضرب واقع ہوئی بارادہ خدا واقع ہوئی------ اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہو گا یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہو گا---- وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس و جن و ملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار' ہرگز جنبش نہ کرتی------ اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین' آسمان' پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیپلے (نوک ۱۲) پر ڈال دیئے جاتے' نام کو بال برابر نہ جھکتی------ اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہنچتی------ اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے------ ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا------ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی------ گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہو گئیں------ شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں تو زید سے جو کچھ واقع ہوا سب خلق خدا' وبارادہ خدا تھا------ زید کا بیچ میں ضرب اتنا کام رہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا اور اس طرف اپنے جوارح' آلات کو پھیرا------ اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا------ بلکہ بار ثواب عظیم کا مستحق ہو گا------ کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا اور اس طرف جوارح کو پھیرا جسے اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی' اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا------ اور اگر قتل ناحق ہے تو یقیناً زید پر الزام ہے اور عذاب الیم کا مستحق ہو گا کہ بہ مخالفت حکم شرع اس شئے کا عزم کیا' اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا جسے مولیٰ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے سے اپنے غضب' اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا------ غرض! فعل انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا' بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے------ یہ نیکی کا ارادہ کرے اور اپنے جوارح کو پھیرے' اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا اور یہ برے کا ارادہ کرے اور جوارح کو اس طرف پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا------ دو پیالوں میں شہد اور زہر ہیں اور دونوں خود بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں------ شہد میں شفا اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے------ روشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے' اس کے یہ منافع ہیں اور خبردار! یہ زہر ہے اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے------ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہاں میں گونجیں' اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں------ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی اور کچھ نے زہر کی------ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے------ اور ان میں پیالی اٹھانے' منہ تک جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی------ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے' اندر لینے کی طاقت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اسی کے مخلوق تھے' اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا' کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کر لیں گے؟ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا؟ حاشا! ہرگز نہیں------ بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا بھی اسی کے دست قدرت میں ہے' اور ہو گا تو اسی کے ارادے سے ہو گا------ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے------ یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر کیا وہ

marfat.com

آپ ضرر کی تخلیق کرلیں گے؟ یا از خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا؟---- حاشا! ہرگز نہیں------ بلکہ یہ بھی اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے اور ہو گا اسی کے ارادے سے ہو گا------ وہ نہ چاہے تو سیروں زہر کھا جائے اصلاً بال بانکا نہ ہو گا------ بلکہ وہ چاہے تو زہر شہید ہو کر لگے------ بایں ہمہ شہد پینے والے ضرور قابل تحسین و آفرین ہیں------ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا' ایسا ہی کرنا چاہیے تھا------ اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفریں ہیں------ ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں------ دیکھو! اول سے آخر تک جو کچھ ہوا سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہوا------ اور جتنے آلات اس کام میں لیے گئے سب اللہ ہی کے مخلوق تھے------ اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیئے------ جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت------ تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی------ پھر کیوں بناتی ہیں------ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا' نہ زہر میں قوت اہلاک ان کی رکھی ہوئی------ نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا------ نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی------ نہ ذہن و حلق ان کے پیدا کیے ہوئے------ نہ ان میں جذب و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی' نہ حلق سے اتر جانا ان کے ارادہ سے ممکن تھا------ آدمی پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر چھو ہو کر نکل جاتا ہے------ اس کا چاہا نہیں چلتا------ جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہان کا ہے۔

اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں کبھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں------ خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں قلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا------ یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادہ سے ہے------ نہ اس کی طاقت سے------ بہتیرے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں------ پھر ہزار کوشش کرتے ہیں جو ہونی ہے ہو کر رہتی ہے------ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا------ مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے۔ پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے؟ ہاں! باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیئے تھے------ عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیئے تھے------ دست و دہان و حلق ان کے قابو میں کر دیئے تھے------ دیکھنے کو آنکھ' سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی------ یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر پی' جام شہد کی طرف بڑھاتا' اللہ تعالیٰ اس کا اٹھنا پیدا کر دیتا------ یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اس کے نفع کے موجب ہوتے مگر اس نے ایسا نہ کیا' بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پرواہ ہے! وہاں تو عادت جاری ہو ہی رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرما دے------ اسی نے اس کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اترنا' دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا------ پھر کیوں کر بے جرم قرار پا سکتا ہے------ انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون------ ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے------ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے' کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کی حرکات ارادی ہیں------ ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو' ان میں صریح فرق ہے------ ہر شخص واقف ہے جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے------ اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادہ سے تھا۔ اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادہ و اختیار پر نہیں------ لہٰذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا------ بس یہی ارادہ' یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے' عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا' یہی مدار امر و نہی و جزا و سزا و ثواب و عقاب و پرسش و حساب ہے------ اگرچہ شبہ بلاریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے------ جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ آدمی جس طرح نہ آپ

marfat.com

سے آپ بن سکتا تھا------ نہ اپنے لیے آنکھ' کان' ہاتھ' پاؤں' زبان وغیرہ بنا سکتا تھا' یونہی اپنے لیے طاقت' قوت' ارادہ و اختیار بھی نہیں بنا سکتا------ سب کچھ اس نے دیا اور اس نے بنایا------ مگر اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب ہمارا ارادہ بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو ہم پتھر ہو گئے۔ قابل سزا و جزا و باز پرس نہ رہے' کیسی جہالت ہے------ صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا ہے؟------ ارادہ و اختیار! ملعون کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ! صاحب اختیار ہوئے یا مضطر' مجبور' ناچار------ صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا؟------ یہ کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی------ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکت سے ممتاز کر دیا' اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو------ یہ کیسی الٹی مت ہے؟------ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں' ان میں نور خلق کیا' اس سے ہم انکھیارے ہوئے' نہ معاذ اللہ اندھے' یونہی اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا' اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختیار ہوئے------ نہ کہ الٹے مجبور------

ہاں! یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق' اس کی عطا ہے------ ہماری اپنی ذات سے نہیں تو "مختار کردہ" ہوئے' خود مختار نہ ہوئے' پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے------ نہ جزا و سزا کے لیے خود مختار ہونا ہے ضرور------ ایک نوع اختیار چاہیے------ کس طرح ہو------ وہ ہدایتاً حاصل ہے۔ آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر و مثال کافی ہے------ شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی------ اور وہ عالی شان حکماء انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے------ کہ اللہ ہی کے ارادے سے ہو گا------ اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہو گا------ مگر اطاعت والے تعریف کیے جائیں گے اور تمرد والے مذموم و ملزم ہو کر سزا پائیں گے------ پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے------ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو------ ہاں! یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہدایت' ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے------ اس کا بیان بھی ہو چکا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ واضح ہو گا------ نیز فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

وہ علم الٰہی میں کافر ہیں۔ انہیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ' وہ ایمان نہ لائیں گے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے اور جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا غم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوتا------ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔

شاید! تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔

لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ تم اس کا غم نہ کرو' لہٰذا یہ فرمایا کہ تمہارا سمجھانا نہ سمجھانا ان کو یکساں ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں یکساں ہے کہ ہدایت معاذ اللہ امر فضول ٹھہرے------ ہادی کا اجر اللہ پر ہے' چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

marfat.com

وَمَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّاالْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچادینا۔
(کنزالایمان' پارہ ۱۸' ع ۱۳' نور: ۵۴)

وَ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔
(کنزالایمان' پارہ ۱۹' شعراء)

اللہ خوب جانتا ہے اور آج سے نہیں ازل الازال سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے۔ مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرماتا جو کہ ہدایت پانے والے ہیں۔ ان کے لیے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں گے ان پر حجت ابیہ قائم۔۔۔۔۔۔وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ(۱)

اِبْنُ جَرِيْرٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: قَالَ لَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِلٰى فِرْعَوْنَ نُوْدِیَ لَنْ يَّفْعَلَ فَلَمْ اَفْعَلْ؟ قَالَ فَنَادَاهُ اثْنَا عَشَرَ مَلَكًا مِّنْ عُلَمَآءِ الْمَلٰٓئِكَةِ اِمْضِ لِمَا اُمِرْتَ بِهٖ فَاِنَّا جَهِدْنَا اَنْ نَّعْلَمَ هٰذَا فَلَمْ نَعْلَمْهُ۔

مروی ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام چلے تو ندا ہوئی مگر اے موسیٰ! فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے دل میں کہا' پھر میرے جانے سے کیا فائدہ؟ اس پر بارہ (۱۲) علماء' ملائکہ عظام علیہم الصلوۃ والسلام نے کہا اے موسیٰ! آپ کو جہاں کا حکم ہے' جائیے۔ یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک ہم پر بھی نہ کھلا۔

اور آخر نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ--- دشمنان خدا ہلاک ہوئے' دوستان خدا نے ان کی غلامی' ان کے عذاب سے رہائی پائی۔ ایک جلسے میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے اور ایک زبان بولے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۔

ہم اس پر ایمان لائے جو رب ہے سارے جہان کا' رب ہے موسیٰ وہارون کا۔

مولیٰ عزوجل قادر تھا اور ہے کہ بے کسی نبی وکتاب کے' تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرمادے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔

اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن۔
(کنزالایمان' پارہ ۷' ع ۱۰' انعام: ۳۵)

مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف حصہ رکھا ہے وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک ہی نہ لگتی--- یا بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف اس کے نام پاک لینے سے' کسی کا ہوا سونگھنے سے پیٹ بھر جاتا--- زمین جوتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں--- مگر اس نے یونہی چاہا اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا--- کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے در سے پلتے ہیں--- اور کسی پر اس کے اہل وعیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔

غرض! ہر چیز میں اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ کی نیرنگیاں ہیں۔ احمق بدعقل' یا اجہل بددین' وہ جو اس کے ناموس میں چون وچرا کرے کہ یوں نہ کیا؟--- سنتا ہے' اس کی شان ہے يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اللہ جو

(۱) اور اللہ ہی کی حجت پوری ہے' ۱۲م۔

marfat.com

چاہے کرتا ہے۔ اس کی شان ہے اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔ اس کی شان ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں--- اور سب سے سوال ہو گا۔

زید نے روپے کی ہزار اینٹیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں' پانچ سو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں کیا' اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی' ایک آوے سے پکی ہوئی' ایک روپے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں--- ان پانچ سو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں' اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں--- اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی' میں نے جو چاہا کیا۔

جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا--- ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے--- اس کے کام' اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی؟ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس کا افسر جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔ مالک علی الاطلاق ہے۔ بے اشتراک ہے' جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر۔ اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے--- شامت نے گھیرا ہے--- اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل بے ادب اپنی حد پر رہ۔ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمع کمال صفات میں یکتا و کامل ہے تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال؟

گدائے خاک نشینی تو حافظ مخروش
نظام مملکت خویش خسرواں دانند

افسوس کہ دنیوی' مجازی' جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو کہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہ کے احکام میں رائے زنی کرے--- سلاطین تو سلاطین اپنا برابر زئی بلکہ اپنا نوکر یا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا--- یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا--- مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہو گا--- جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے--- میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا--- غرض! اپنی فہم کو قاصر جانے گا نہ کہ اس کی حکمت کو--- پھر رب الارباب' حکیم حقیقی' عالم السر والخفی عزو جلالہ کے اسرار میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے اس پر معترض ہونا اگر بے دینی نہیں جنون ہے--- اگر جنون نہیں بے دینی ہے "والعیاذ باللہ رب العالمین" اے عزیز! کسی بات کے حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی۔ دنیا جانتی ہے کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے--- اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے--- مگر اس کی حقیقت و کنہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستارے میں کہ یہاں سے کروڑوں میل دور ہے باہم کیا الفت؟ اور کیونکر اس سے اس جہت کا شعور ہے؟--- اور ایک یہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفر خاک چھان کر مر گئے اور ان کی کنہ نہ پائی--- پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آدمی اپنی جان ہی کو بتائے کہ کیا شئے ہے۔ جسے یہ "میں" کہتا ہے؟ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ فرقان حکیم میں فرماتا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ — تم کیا چاہو' مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہاں کا۔

اور فرماتا ہے:

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ — سنتے ہو پیدا کرنا اور حکم دینا خاص اسی کے لیے ہے' بڑی برکت والا ہے اللہ' مالک سارے جہان کا۔

marfat.com

یہ آیت کریمہ صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ پیدا کرنا' عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے' دوسرے کو اس میں اصلاً شرکت نہیں۔ نیز اصل اختیار اسی کا ہے۔ نیز بے اس کی مشیت کے' کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی۔ اور وہی مالک و مولیٰ جل جلالہ اسی قرآن کریم میں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ — یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ انہیں دیا اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ — ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا' بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اور فرماتا ہے:

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ — جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ' اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ — اے نبی! تم فرمادو کہ حق تمہارے رب کے پاس سے ہے۔ ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کے سرا پردے انہیں گھیریں گے۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔

اور فرماتا ہے:

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۔۔ — کافر کا ساتھی شیطان بولا۔ اے رب ہمارے! میں نے اسے سرکش نہ کردیا تھا۔ یہ آپ ہی دور گمراہی میں تھا۔ رب جل وعلا نے فرمایا: میرے حضور فضول جھگڑا نہ کرو۔ میں تو پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔

یہ آیتیں صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے۔ وہ ایک حرام کا اختیار و ارادہ ضرور رکھتا ہے۔ اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں--- بے شک بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے' بے شک بے ارادہ الٰہیہ کچھ نہیں کر سکتا' اور بے شک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنی ہی بداعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں' مگر یوں ہے کہ عقیدہ اہلسنت و جماعت پر ایمان لایا جائے۔ وہ کیا ہے؟ وہ جو اہلسنت کے سردار و مولیٰ امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔

ابو نعیم "حلیہ الاولیا" ہیں۔ بطریق امام شافعی عن یحییٰ بن سلیم' امام جعفر صادق سے' وہ حضرت امام باقر' وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار' وہ امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

اِنَّهٗ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمًا (فَذَكَرَ خُطْبَتَهٗ ثُمَّ — یعنی ایک دن امیر المومنین فرمارہے تھے--- ایک شخص نے

marfat.com

قَالَ) فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ شَهِدَ مَعَهٗ الْجَمَلَ، فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَخْبِرْنَا مِنَ الْقَدْرِ، فَقَالَ بَحْرٌ عَمِيْقٌ فَلَا تَلْجَهْ۔ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَخْبِرْنَا عَلَى الْقَدْرِ--- قَالَ سِرُّ اللّٰهِ فَلَا تَتَكَلَّمْهُ--- قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَخْبِرْنَا عَلَى الْقَدْرِ--- قَالَ اَمَا اِذَا اَبَيْتَ فَاِنَّهٗ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ لَاجَبْرَ وَلَاتَفْوِيْضَ --- قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ فُلَانًا يَّقُوْلُ بِالْاِسْتِطَاعَةِ--- وَهُوَ حَاضِرُكَ فَقَالَ عَلِيٌّ بِهٖ--- فَاَقَامُوْهُ، فَلَمَّا رَاٰهُ سَلَّ سَيْفَهٗ قَدْرَ اَرْبَعِ اَصَابِعَ، فَقَالَ الْاِسْتِطَاعَةُ تَمْلِكُهَا مَعَ اللّٰهِ وَمِنْ دُوْنِ اللّٰهِ؟--- وَاِيَّاكَ اَنْ تَقُوْلَ اَحَدُهُمَا فَتَرْتَدَّ فَاَضْرِبُ عُنُقَكَ--- قَالَ فَمَا اَقُوْلُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ قُلْ اَمْلِكُهَا بِاللّٰهِ الَّذِيْ اِنْ شَآءَ مَلَكَنِيْهَا---

کہ واقعہ جمل میں امیرالمومنین کے ساتھ تھے، کھڑے ہو کر عرض کی--- یا امیرالمومنین! ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے فرمایا--- گہرا دریا ہے، اس میں قدم نہ رکھ--- عرض کی یا امیرالمومنین! ہمیں خبر دیجئے--- فرمایا: اللہ کا راز ہے، زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا--- عرض کیا، یا امیرالمومنین! ہمیں خبر دیجئے--- فرمایا: اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو امروں کے درمیان، نہ آدمی مجبور محض ہے، نہ اختیار اسے سپرد ہے--- عرض کی، یا امیرالمومنین! فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے--- اور وہ حضور میں حاضر ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا: میرے سامنے لاؤ۔ لوگوں نے اسے کھڑا کیا--- جب امیرالمومنین نے اسے دیکھا، تیغ مبارک چار انگل کے قدر نیام سے نکال لی اور فرمایا: کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے؟ یا خدا سے جدا مالک ہے؟ اور سنتا ہے۔ خبردار! ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس نے کہا، یا امیرالمومنین! پھر میں کیا کہوں؟--- فرمایا: یوں کہہ کہ اس خدا کے دیئے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے، بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔

بس یہی عقیدہ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے--- جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے--- اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیرالمومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر نازل ہوں کہ ان دونوں الجھنوں کو--- دو فقروں میں صاف فرما دیا--- ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادہ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے؟ فرمایا: تو کیا کوئی زبردستی معصیت کرے گا۔ اَفَيُعْصٰى قَهْرًا یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس سے کر ہی لیا تو اس کا ارادہ زبردست پڑا۔ معاذ اللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں چوروں کا بہتیرا بندوبست کریں پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں--- حاشا! وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی، قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے، ایک ذرہ جنبش کر سکے--- وہ صاحب کہتے ہیں--- "فَكَاَنَّمَا اَلْقَمَنِيْ حَجَرًا" مولیٰ علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن ہی نہ پڑا--- عمرو بن عبید معتزلی--- کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا، خود کہتا ہے کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا--- میں نے کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ کہا خدا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا خدا تو چاہتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں چھوڑتے--- کہا تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں--- اسی ناپاک شناعت کے رد کی طرف مولیٰ علی نے اشارہ فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا؟--- باقی رہا اس مجوسی کا عذر وہ بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے بھوک سے دم نکلا جاتا ہے--- کھانا سامنے رکھا ہے اور نہیں کھاتا۔ کہ خدا کا ارادہ نہیں، اس کا ارادہ ہوتا تو میں ضرور کھا لیتا--- اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ

marfat.com

نہ ہونا تو نے کاہے سے جانا؟---اس سے کہ تو نہیں کھاتا--- تو کھانے کا قصد تو کر--- دیکھ تو ارادہ الہیہ سے کھانا ہو جائے گا--- ایسی اوندھی مت آتی ہے جس پر موت سوار ہے--- غرض امولی علی نے یہ تو اسی کا فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الہیہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات کہ سزا و جزا کیوں ہے؟

اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا--- ابن ابی حاتم و اصبہانی ولالکائی و خلعی حضرت امام جعفر صادق وہ اپنے والدَ ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ قِيْلَ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا يَتَكَلَّمُ فِى الْمَسِيْئَةِ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ خَلَقَكَ اللّٰهُ لِمَا شَآءَ اَوْ لِمَا شِئْتَ---؟ فَقَالَ بِمَا شَآءَ قَالَ فَيَمْرَضُكَ اِذَا شَآءَ اَوْ اِذَا شِئْتَ؟ قَالَ بَلْ اِذَا شَآءَ--- قَالَ فَيُمِيْتُكَ اِذَا شَآءَ اَوْ اِذَا شِئْتَ؟ قَالَ اِذَا شَآءَ قَالَ فَيُدْخِلُكَ حَيْثُ شَآءَ اَوْ حَيْثُ شِئْتَ؟ قَالَ حَيْثُ شَآءَ قَالَ وَاللّٰهِ لَوْ قُلْتُ غَيْرَ هٰذَا لَضَرَبْتُ الَّذِىْ فِيْهِ عَيْنَاكَ بِالسَّيْفِ--- ثُمَّ تَلَا عَلِيٌّ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ---

مولیٰ علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا: اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا جس لیے اس نے چاہا یا اس لیے جس لیے تو نے چاہا۔ کہا، جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا: تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے؟ کہا بلکہ جب وہ چاہے، فرمایا: تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے؟ یا جب تو چاہے؟ کہا جب وہ چاہے، فرمایا: تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے؟ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا: خدا کی قسم! تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا، بھیجتے وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے در بارہ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی ایک شخص نے آکر امیر المومنین مولیٰ علی سے عرض کی یا امیر المومنین! مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے--- فرمایا: تاریک راستہ ہے اس میں نہ چل--- عرض کی یا امیر المومنین! مجھے خبر دیجئے--- فرمایا: گہرا سمندر ہے اس میں قدم نہ رکھ۔ عرض کی، یا امیر المومنین! مجھے خبر دیجئے--- فرمایا: اللہ کا راز ہے تجھ پر پوشیدہ ہے، اسے نہ کھول۔ عرض کی، یا امیر المومنین! مجھے خبر دیجئے--- فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ خَالَقَكَ كَمَا شَآءَ اَوْ كَمَا شِئْتَ" "اللہ نے تجھے جیسا چاہا بنایا؟ یا جیسا تو نے چاہا؟ عرض کی، جیسا اس نے چاہا۔ فرمایا: "فَيَسْتَعْمِلُكَ كَمَا شَآءَ اَوْ كَمَا شِئْتَ؟" تو تجھ سے کام ویسا لے گا جیسا وہ چاہے گا یا جیسا تو چاہے؟ عرض کی، جیسا وہ چاہے۔ فرمایا: "فَيَبْعَثُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا شَآءَ اَوْ كَمَا شِئْتَ؟" تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے؟ کہا، جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا: "اَيُّهَا السَّآئِلُ تَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِمَنْ" "اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے مگر کس کی ذات سے؟ کہا، اللہ عظیم کی ذات سے۔ فرمایا: تو اس کی تفسیر جانتا ہے؟ عرض کی، امیر المومنین کو جو علم اللہ نے دیا اس میں سے مجھے تعلیم فرمائیں--- فرمایا: "اِنَّ تَفْسِيْرَهَا لَا يَقْدِرُ وَعَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ وَلَا يَكُوْنُ قُوَّةً فِىْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فِى الْاَمْرَيْنِ

marfat.com

جَمِیْعًا اِلَّا بِاللّٰہِ" اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت---نہ معصیت کی قوت' دونوں اللہ ہی کے دیئے ہیں۔ پھر فرمایا:

اَیُّھَا السَّآئِلُ اَلَکَ مَعَ اللّٰہِ مَشِیَّۃٌ فَاِنْ قُلْتَ اِنَّ لَکَ دُوْنَ اللّٰہِ مَشِیَّۃً فَقَدِ اکْتَفَیْتَ بِھَا مِنْ مَّشِیَّۃِ اللّٰہِ وَاِنْ زَعَمْتَ اِنَّ لَکَ فَوْقَ اللّٰہِ مَشِیَّۃً فَقَدِ ادَّعَیْتَ مَعَ اللّٰہِ شِرْکًا فِیْ مَشِیَّتِہٖ۔

اے سائل! تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے یا بے خدا کے؟ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے ارادہ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی' جو چاہے خود اپنے ارادے سے کرے گا۔ خدا چاہے یا نہ چاہے اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔

پھر فرمایا---

اَیُّھَا السَّآئِلُ اَللّٰہُ یَشُجُّ وَیُدَاوِیْ فَمِنْہُ الدَّآءُ وَمِنْہُ الدَّوَآءُ اَعَقَلْتَ عَنِ اللّٰہِ اَمْرَہٗ؟

اے سائل! بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے تو اسی سے مرض ہے' اور اسی سے دوا' کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا؟

اس نے عرض کی ہاں! حاضرین سے فرمایا---

اَلَا اَسْلَمَ اَخُوْکُمْ فَقُوْمُوْا فَسَافَحُوْہُ۔

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔

پھر فرمایا---

لَوْ اَنَّ عِنْدِیْ رَجُلًا مِّنَ الْقَدْرِیَّۃِ لَاَخَذْتُ بِرَقَبَتِہٖ ثُمَّ لَا اَزَالُ اَجُرُّھَا حَتّٰی اَقْطَعَھَا فَاِنَّھُمْ یَھُوْدُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَنَصَارَاھَا وَمَجُوْسُھَا---

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا جانتا اور تقدیر الٰہی سے وقوع طاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا' یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں' اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں---

یہودی اس لیے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے اور یہودی مغضوب علیہم ہیں اور نصرانی و مجوسی اس لیے فرمایا کہ نصاریٰ تین خدا مانتے ہیں' مجوسی یزدان و اہرمن دو خالق مانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لا رہے ہیں کہ ہر جن و انس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں---وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے مگر انشاء اللہ تعالیٰ کافی و وافی و صافی و شافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے---اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے---وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

marfat.com

از : مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

وجود باری تعالیٰ اور وحدانیت کے عقلی دلائل

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور اس کے ذرہ ذرہ میں اپنی ذات اور صفات پر علامات اور نشانیاں رکھیں' پھر انسان کی عقل میں ایسا نور پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ان نشانیوں میں سے صاحب نشان تک پہنچ سکے۔ معرفت عقل کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی طرف عقل انسانی کی رہنمائی کی' وجود باری تعالیٰ پر ٹھوس شواہد اور ثبوت مہیا کیے۔ آسان' سادہ اور فطری دلیلوں سے انسانی ذہن کو مسخر کیا اور اعجاز آفرین بیان سے انسان کے دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کیا کہ وہ بارگاہ الوہیت کے سامنے تصدیق و تسلیم کے ساتھ بے اختیار جھک گیا۔

نبوت اور رسالت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے کتب اور صحائف بھی نازل کیے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کی معرفت کے علاوہ انسان کی اخروی سعادت اور اس کی دنیاوی زندگی کے لیے ایک جامع اور مربوط نظام کے اصول و قواعد بیان فرمائے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو شیطان کی زہر آفرینیوں سے ضائع کر دے۔ وہ ہر زاویئے اور ہر رخ سے انسان کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ سورج کے طلوع و غروب' گردش لیل و نہار' موت و حیات کے حدوث اور تکلیف و راحت کے تواردمیں اس نے انسانی ذہن کی سوچ کے دھارں کا رخ اپنی ذات کی طرف موڑنے کے لیے ہدایت کا سامان کر رکھا ہے۔ وہ آسمان و زمین کے حقائق و آثار اور بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کی قوت دیتا ہے' تاکہ کسی طور سے انسان کج روی سے باز آئے' اپنے خالق کو پہچانے' اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور اس کے بے اندازہ لطف و کرم کے احساس سے ممنون ہو کر سجدہ سپاس بجالائے۔ ہم آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

انقطاع اسباب سے استدلال

ہمارے مشاہدات اور تجربات سے یہ امر یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ ہر چیز اپنے وجود میں کسی علت اور سبب کی محتاج ہے اور اس عالم آب و گل میں کوئی شے بغیر سبب کے ظہور پذیر نہیں ہوتی اور جب ہر ممکن کا ایک سبب ہوتا ہے اور اس سبب کا پھر کوئی سبب ہوتا ہے "وعلی ھذا القیاس" اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے تو اسباب اور مسببات کا ایک غیر متناہی سلسلہ لازم آئے گا اور امور غیر متناہی کا سلسلہ عقلاً محال ہے۔ اس لیے لازماً ماننا پڑے گا کہ اسباب کا سلسلہ اخیر میں جا کر کسی ایسے سبب پر ختم

marfat.com

ہو جاتا ہے جو اپنے وجود میں کسی اور سبب سے مستغنی ہے اور جب یہ وجود علت اور سبب سے مستغنی ہے تو ضروری ہوا کہ یہ وجود امکان اور احتیاج کے نقص سے پاک ہو کیونکہ ہر ممکن کسی سبب اور علت کا محتاج ہوتا ہے' لہٰذا یہ وجود واجب قرار پایا جو بذاتہ موجود ہے اور تمام موجودات عالم کا موجد ہے۔

طبعی خواص کی نفی سے استدلال

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اشیاء میں خواص ہونے میں اور بغیر کسی سبب اور علت کے ان اشیاء سے وہ طبعی خواص اور آثار صادر ہوتے ہیں مثلاً پتھر کو اچھالیے تو وہ بغیر کسی سبب اور علت کے اوپر سے نیچے کی طرف چلا آئے گا' اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ ساری کائنات اسی طرح بغیر کسی سبب کے اپنے طبعی تقاضوں سے وجود میں آئی ہو۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ ایک درخت کی طرف دیکھیں اس کا تنا بھی لکڑی کا ہے اور جڑیں بھی لکڑی کی ہیں اور تنا اوپر کی طرف جاتا ہے اور جڑیں نیچے کی طرف جاتی ہیں۔ اب اگر لکڑی کی طبیعت کا تقاضا اوپر جانا ہے تو جڑیں نیچے کی طرف کیوں جاتی ہیں اور اگر اس کا تقاضا نیچے جانا ہے تو تنا اوپر کیوں جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ لکڑی کی اپنی طبیعت کا تقاضا کچھ نہیں ہے' بلکہ درخت کی لکڑی پر کسی اور ذات کا تصرف ہے اور اس قادر قیوم نے درخت کی لکڑی کے جس حصہ کو چاہا اوپر اٹھا دیا اور جس حصہ کو چاہا نیچے جھکا دیا۔

شہتوت سے استدلال

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک شہتوت کے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ کسی نے ان سے وجود باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: اس شہتوت کے درخت کو دیکھ لو اس کے پتوں کو اگر بکریاں چریں تو دودھ حاصل ہوتا ہے اور شہد کی مکھی ان پتوں کو چاٹ لے تو شہد بنتا ہے' ریشم کا کیڑا ان پتوں کو کھالے تو اس سے مشک حاصل ہوتا ہے اور ان چاروں چیزوں کے حقائق اور آثار مختلف ہیں اور شہتوت کے پتوں کا تقاضا ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ طبیعت واحدہ کا تقاضا بھی واحد ہوتا ہے' پس اگر ان پتوں کی طبیعت کا تقاضا دودھ ہے تو اس سے ریشم' شہد اور مشک کیسے حاصل ہوا اور اگر ان کی طبیعت کا تقاضا ریشم ہے تو ان سے مشک' شہد اور دودھ کس طرح حاصل ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ پتے اپنی ذات میں کسی چیز کا تقاضا نہیں رکھتے۔ اصل میں ان تمام اشیاء کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے۔ وہ چاہے تو اس پتہ کو بکریوں کے منہ میں ڈال کر ان سے دودھ نکال دے اور چاہے تو شہد کی مکھیوں سے ان پتوں کو چسوا کر ان کو شہد بنا دے اور چاہے تو ہرن کو یہ پتے کھلا کر اس کی مہکتی ہوئی مشک میں تبدیل کر دے اور اگر چاہے تو ان پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی خوراک بنا کر اس سے ریشم بنا دے۔ اس کائنات کی حقیقتوں میں سے آپ جس حقیقت پر بھی غور کریں گے یہی منکشف ہو گا کہ ہر حقیقت کے پیچھے اسی موثر حقیقی کا دست غیب کار فرما ہے اور بظاہر نظر آنے والے سارے اسباب ایک حجاب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔

لیموں سے استدلال

لیموں کو دیکھیے اس کا چھلکا گرم خشک ہوتا ہے اور اس کا گودا گرم تر ہوتا ہے اور اس کا عرق سرد خشک ہوتا ہے اور لیموں

marfat.com

کے یہ تمام مختلف آثار اس کے واحد بیج میں ہوتے ہیں اور اس بیج کی طبیعت کا تقاضا بھی ایک ہونا چاہیے' لیکن اس بیج سے جب لیموں کا پھل پک کر سامنے آیا تو اس میں گرم خشک' گرم تر اور سرد خشک سب قسم کے آثار موجود تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ موجودات طبعی آثار کا نتیجہ نہیں ہے' بلکہ ایک زبردست حکیم مطلق اور قادر قیوم کی قدرت اور حکمت کا نتیجہ ہے کہ وہ چاہے تو گرم خشک بیج سے سرد تر پھل پیدا کردے اور چاہے تو سرد تر بیج سے گرم خشک پھل کو وجود میں لے آئے۔

زرعی پیداوار سے استدلال

سلسلہ پیداوار کو گندم کو زمین میں دبا کر چلے آتے ہیں پھر وہ کون سی طاقت ہے جو اس دانہ گندم کو پھاڑ کر اس سے باریک کونپل نکالتی ہے اور وہ اس قدر باریک اور نازک ہوتی ہے کہ اگر ہم اس کو ہاتھ میں لے کر مسل ڈالیں تو ختم ہو جائے۔ پھر اس کونپل کو اس قدر شکتی اور قوت کون دیتا ہے کہ وہ سخت سے سخت تر زمین کا سینہ چیر کر زمین کے اندر جا کر اپنی جڑیں بنا لیتی ہے۔ پھر شبنم کے قطرے اور نسیم سحر کے نرم و نازک جھونکے اس میں بالیدگی پیدا کرتے ہیں۔ سورج کی کرنیں اس میں پختگی لاتی ہیں اور ہر وقت مقررہ پر ہونے والی بارشیں اس میں ہریالی پیدا کرتی ہیں۔ چاند کی کرنیں اس میں ذائقہ لاتی ہیں اور سورج کی تیز دھوپ اور اس فصل کا قوام تیار کر کے اسے مکمل کرتی ہے اور فصل کٹ جانے کے بعد تند و تیز آندھیاں دانہ کو بھوسہ سے الگ کرنے کے لیے اہم رول ادا کرتی ہیں۔

سوچیے زمین و آسمان کی یہ تمام قوتیں اگر ہماری فصلوں میں اپنا اپنا رول ادا نہ کرتیں تو کیا ہم زمین سے ایک دانہ گندم بھی حاصل کر سکتے تھے۔ پھر بیج بونے سے لے کر فصل کی کٹائی تک اس مربوط نظام کو کون چلا رہا ہے؟ کیا کسی بے جان بت نے یہ نظام وضع کیا ہے یا نظام شمسی کے پابند سیارے یہ نظام چلا رہے ہیں اور جب ہم سمجھتے ہیں کہ عناصر کائنات میں سے کوئی چیز اس نظام کی واضع اور اس پیداوار کی خالق نہیں ہے اور نہ ہی یہ عقل باور کر سکتی ہے کہ کسی ناظم کے بغیر کوئی نظام عمل میں آجائے یا کسی مقنن کے بغیر کوئی قانون تشکیل پا جائے یا کسی خالق کے بغیر کوئی مخلوق وجود میں آجائے تو پھر کیوں نہیں مان لیتے کہ اس کائنات کے ماورا ایک زبردست حکیم اور قادر قیوم کی ذات فرمانروا ہے۔ جس کی عجیب و غریب حکمت اور زبردست طاقت سے زرعی پیداوار کا یہ سارا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اسی لیے وہ فرماتا ہے:

اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ۔

(سورہ واقعہ: ٦٧)

بھلا بتاؤ تو سہی تم جو کچھ زمین میں بو کر آتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس فصل کو بالکل ملیا میٹ کر دیں اور تم کف افسوس مل کر یہ کہتے رہ جاؤ۔ ہم پر اچانک آفت آپڑی یا ہم بالکل محروم ہو گئے۔

ایک اور زاویہ سے دیکھیے کہ غلہ کی مختلف اجناس کا ہر سال ایک معین موسم میں پیدا ہونا اور پھلدار درختوں کی مختلف اقسام کا ہر سال اپنے اپنے موسم میں پھل لانا اور پھلوں سے لدے ہوئے پودوں اور درختوں میں ہمیشہ اپنے مقررہ ایام میں کلیوں کا کھلنا اور پھولوں کا مہکنا اور ہر نوع کے بیج سے اسی نوع کے پھل' پھول اور غلہ کا پیدا ہونا' کیا ان تمام مقررہ اور منضبطہ امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زرعی پیداوار کا یہ عظیم سلسلہ کوئی امر اتفاقی نہیں ہے اور نہ از خود بغیر کسی صانع کے یہ نظام خود بخود چل رہا ہے اور نہ ہی یہ نظام متعدد شرکاء کی تخلیق کا مرہون منت ہے' بلکہ اس وسیع زرعی نظام کے پیچھے خلاق واحد کا دست قدرت کار فرما ہے جو فیاض اور جواد بھی ہے اور حکیم و قدیر بھی۔

marfat.com

اگر کوئی شخص اس کے وجود یا اس کی وحدانیت کا انکار کرتا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ پھول ہمیشہ ایک موسم میں کیوں کھلتے ہیں۔ غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں ہمیشہ ایک مخصوص موسم اور ماحول کا اعتبار کیوں ہوتا ہے اور گندم کے بیج سے چاول' اخروٹ کے بیج سے انناس کیوں پیدا نہیں ہو جاتا۔ الحاد' شرک اور دہریت کی بنیاد پر کوئی شخص ان سوالوں کا معقول جواب نہیں دے سکتا اور جو شخص اپنی ذہنی توانائیوں کو ضائع نہیں کر چکا' اس کو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ زرعی پیداوار کے اس مربوط نظام میں تسلسل' انضباط اور باقاعدگی یونہی کوئی امر اتفاقی نہیں ہے۔ نہ متعدد شرکاء کی کوشش کا ثمرہ ہے بلکہ زرعی پیداوار کا یہ وسیع اور پر از حکمت سلسلہ اس خلاق واحد کی قدرت' حکمت اور فیاضی کا منہ بولتا شاہکار ہے۔

ڈارون کے نظریہ کا ابطال

نطفہ کا ایک قطرہ جو علقہ' مضغہ اور دوسرے تخلیقی مراحل طے کر کے صورت انسانی میں ڈھل کر ماں کی گود میں مہکتا ہوا آ پہنچتا ہے۔ کیا نطفہ سے لے کر اس پیکر انسانی تک کی تمام منزلیں اس نے خود بخود طے کر لی ہیں۔ کسی انسان کا خود بخود بن جانا تو بہت بڑی بات ہے' اس عالم اسباب میں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر یہ بنا بنایا انسان کبھی کسی حادثہ یا بیماری سے بگڑ جائے تو بغیر کسی خارجی عمل کے وہ خود بخود ٹھیک ہو جائے تو سوچئے کہ جو چیز بننے کے بعد خود بخود ٹھیک نہیں ہو سکتی وہ ابتداء "خود بخود بن کیسے سکتی ہے۔ غلط کہتا ہے وہ شخص جس نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کیڑے مکوڑوں کے مراحل طے کرتا ہوا بندر تک آ پہنچا اور پھر اس بندر نے ارتقائی منازل طے کر کے انسانی شکل اختیار کر لی۔ اولاً تو کیڑے مکوڑے بھی خود بخود نہیں پیدا ہوتے اور ثانیاً یہ کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہزارہا سائنسی اور کیمیاوی ترکیبیں استعمال کرنے کے باوجود آج تک بندر کو انسان کا بدل بنا کر پیش نہیں کیا جا سکا تو اب سے لکھو کھا سال پہلے جب موجودہ علم اور سائنس کا نام و نشان تک بھی نہ تھا اس وقت بندر کس فارمولے پر عمل کر کے انسان بن گیا۔ اور وہ فارمولا اب کہاں گم ہو گیا۔ اس لیے لامحالہ کہنا پڑے گا کہ انسان کی پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا محض اس قادر قیوم کی قدرت اور حکمت کا ساختہ پرداختہ ہے۔

خلقت انسان سے استدلال

جب یہ ظاہر ہو چکا کہ انسان کو عدم سے وجود میں لانے والا خود وہ انسان نہیں ہے' نہ اس کے ماں باپ اس کے موجد ہیں کیونکہ دنیا میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں اور مرد و زن کے اختلاط کے باوجود اولاد پیدا نہیں ہوتی اور نہ دنیا کے دوسرے انسان اس کے موجد ہیں کیونکہ مشاہدہ شاہد ہے کہ آج تک کوئی انسان جیسا دوسرا انسان نہیں بنا سکا اور انسانی مراتب سے نیچے جو حیوانات اور اشجار اور دیگر اجسام کا عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عالم تو انسان سے ارزل اور اس کی اغراض کے تابع ہے اور اسفل' اعلیٰ کا موجد کسی حال میں نہیں ہو سکتا اور انسان کے اوپر چاند' سورج اور دیگر سیارگان کا جو عالم ہے وہ بھی اس کا موجد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تمام سیارے ایک مقررہ نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی گردش کی یہ یکسانیت بتلاتی ہے کہ یہ کسی کے بنائے ہوئے نظام عمل کے تابع ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عالم امکانی میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کے موجد ہونے کی صالح اور دعویدار ہو تو ضروری ہوا کہ انسان کا موجد جسم اور جسمانیت سے خارج اور امکان اور حدوث کے عیب سے پاک ہو۔

marfat.com

انسانی تخلیق کے مراحل سے استدلال

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس عالم اسباب میں انسان کی پیدائش مرد و زن کے اختلاط سے وجود میں آتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور حضرت حوا کو بغیر عورت کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے انسان کی تخلیق کے لیے مرد اور عورت کے اختلاط کو ایک عام سبب ضرور بنایا ہے لیکن اس کی عظیم قدرت ان تمام اسباب سے بالاتر ہے۔ وہ چاہے تو مٹی کے ایک ڈھیر سے حضرت آدم جیسے عظیم الشان نبی کی تخلیق کر دے اور وہ چاہے تو نطفہ کی ایک حقیر بوند سے انسانوں کی پیدائش کا ایک لامتناہی(۱) سلسلہ شروع کر دے۔

اب سوچئے کہ نطفہ کی ایک بے جان بوند سے یہ جیتا جاگتا انسان کس طرح وجود میں آگیا۔ عملی تحقیقات اور سائنس کے روز افزوں تجربات کے باوجود سائنس داں آج تک کسی بے جان مادے سے کسی جاندار شے کو وجود میں نہیں لا سکے۔ اب تک جو ثابت ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ نطفہ جوہر حیات تو ہے لیکن خود زندگی سے خالی ہے۔ پھر جو چیز خود حیات سے عاری ہو وہ ایک صاحب حیات کی موجود کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیجان نطفہ کی بوند اپنے اندر علم و ادراک اور قوت و دانائی کا وہ جوہر رکھتی ہے جس سے وہ ایک مکمل انسان کی صورت گری پر قادر ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا انسان مکمل ہو جانے کے بعد اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے جسم کے بالوں میں سے کسی ایک بال کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کر سکے تو جب یہ انسان مکمل اور طاقتور ہونے کے باوجود اپنے اندر تغیر و تبدل کی قدرت نہیں رکھتا تو جس وقت یہ ایک حقیر نطفہ کی بوند کی شکل میں تھا اس وقت یہ اپنے اندر تغیر اور نشوونما کی شکتی کیسے رکھ سکتا تھا؟ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق اور تصویر و تشکیل میں اسی خلاق واحد کا دست قدرت کار فرما ہے۔

انسان کی تخلیق اس کے نطفہ میں موجود ایک انتہائی باریک جرثومہ سے ہوتی ہے اور جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچتا ہے تو یہ جرثومہ عورت کے رحم میں کسی وقت اس نسوانی انڈے سے جا ملتا ہے جو اس جرثومہ کی طرح انتہائی باریک ہوتا ہے' پھر ان دونوں کے امتزاج سے ایک باریک خلیہ بن جاتا ہے اور یہی خلیہ حیات انسانی کا نقطہ آغاز ہے اور اس خلیہ کا وجود میں آجانا ہی استقرار حمل کی علامت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس خلئے کو علقہ یعنی جمے ہوئے خون کی شکل میں لاتا ہے' پھر اس علقہ کو تدریجا مضغہ یعنی گوشت کی ایک بوٹی میں تبدیل کرتا ہے' پھر اس گوشت کے ٹکڑے کی صورت گری کی جاتی ہے اور گوشت کے اس لوتھڑے کو انسانی اعضاء کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور اس کو مرد یا عورت کی ساخت عطا کی جاتی ہے۔ استقرار حمل کے چار ماہ بعد اس میں روح ڈال دی جاتی ہے' پھر عورت کے پیٹ میں اس کو غذا پہنچا کر اس کی جسامت بڑھائی جاتی ہے اور اس کے دماغ میں وہ تمام صلاحیتیں رکھی جاتی ہیں جن کے سبب سے وہ آگے چل کر اپنی زندگی میں تعلیم و تربیت اور ماحول کے زیر اثر کسی ڈاکٹر' انجینئر' سیاست دان' عالم دین' ولی کامل' تاجر یا ایک جاہل مزدور اور بدمعاش غنڈے کی شخصیت میں معاشرے کے اندر ابھر آتا ہے۔

انسانی تخلیق کے ان تمام مراحل میں انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اپنے نطفہ کو عورت کے رحم تک پہنچاتا ہے اس کے بعد اس کے نطفہ سے ایک خاص جرثومہ کو نسوانی بیضہ سے کون ملاتا ہے پھر اس امتزاج کے نتیجہ کو پہلے علقہ پھر مضغہ کی شکل میں کون ملاتا ہے۔ پھر اس مضغہ کو الگ الگ انسانی صورتوں کا لباس پہنا کر چار ماہ بعد اس میں روح کون پھونکتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا کس کا کام ہے کہ اس شخص کو سلیم الاعضاء بنانا ہے یا محتاج اور اپاہج' پھر اس کے ذہن اور دماغ میں مختلف شعبوں کی الگ الگ

(۱) لامتناہی سے مراد لا تقف عند ہے جو در حقیقت متناہی بالفعل ہے۔

marfat.com

صلاحیتوں کو کون رکھتا ہے اور نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں اس کو مسلسل غذا اور نشوونما کا مادہ کون فراہم کرتا ہے۔ کیا یہ تمام کام خود وہ عورت کرتی ہے یا کوئی ڈاکٹر اور حکیم اپنی ادویات سے اس عمل کو جاری رکھتا ہے یا پھر یہ کسی سائنس دان کا شاہکار ہے یا بے جان بت جو خود سے ہل بھی نہیں سکتے وہ نطفہ کی ایک بوند کو جیتا جاگتا انسان بنا دیتے ہیں۔ پھر آخر یہ کس کا کارنامہ ہے' کیا اب بھی عقل یہ فیصلہ نہیں کرتی کہ خدائے واحد کے سوا ان افعال کا اور کوئی خالق نہیں ہے۔

اور اگر اب بھی کوئی شخص ڈھٹائی سے کہہ دے کہ خود بخود محض اتفاق سے یہ عمل ہو رہا ہے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اگر تخلیق انسانی محض ایک اتفاقی حادثہ ہے تو اس میں ابتداء" مرد اور عورت کے اختلاط کی قید کیوں ہے۔ محض ایک مرد یا صرف ایک عورت سے بچہ کیوں نہیں پیدا ہو جاتا اور تمام دنیا میں انسان کی پیدائش کے لیے ایک ہی ضابطہ کیوں مقرر ہے۔ ہمیشہ ایک مکمل بچہ پیدا ہونے کے لیے نو ماہ کا عرصہ کیوں درکار ہوتا ہے۔ لادینی اور دہریت کی بنیاد پر ان سوالوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا' اس لیے اگر کوئی شخص عقل سے بالکل اندھا اور ہوش و حواس سے قطعاً عاری نہیں ہو چکا تو اسے لازماً کہنا پڑے گا کہ اس عالم کے ماوراء ایک قادر و قاہر ہستی ہے جو خلاق اور جواد ہے جس نے نسل انسانی کے ارتقاء کے لیے ایک سبب بنایا اور اس سبب میں اس قدر کشش رکھ دی کہ مرد اپنے شہوانی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دے اور بس--- غور کیجئے جو بچہ پیٹ سے باہر آ کر ہوا کے ایک جھونکے اور دودھ کی چند چسکیوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا وہ مسلسل نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں ہوا' پانی' خارجی غذا کے بغیر کیسے زندہ اور جیتا جاگتا رہا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور اس کی نشوونما کے لیے ہوا' پانی اور خارجی غذا موثر ہیں یا نہیں۔ اگر ان چیزوں کا اس کی زندگی میں کوئی دخل نہیں تو دنیا میں انسان ان چیزوں کے بغیر کیوں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر یہ چیزیں اس کی حیات اور بقاء میں موثر ہیں تو ان کے بغیر وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح زندہ رہ سکا' معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ طبیعت اور فطرت کا تقاضا ہے' بلکہ وہ خالصتاً" اللہ عزوجل کا ساختہ پرداختہ ہے۔ ظاہری اسباب محض حجاب ہیں اور موثر حقیقی وہی خالق لم یزل ہے' وہ چاہے تو ماں کے پیٹ میں خارجی ہوا اور غذا کے بغیر حیات اور روئیدگی دے دے اور چاہے تو پیٹ کے باہر خارجی ہوا اور غذا سے اس کو نشوونما عطا کر دے۔ وہ چاہے تو نطفہ کی ایک بوند سے جیتا جاگتا انسان کھڑا کر دے اور چاہے تو محض مٹی اور گارے سے ایک عظیم الشان انسان پیدا کر دے۔

کیا اس عالم رنگ و بو اور وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اپنی قدرت اور حکمت کے ایسے عجیب و غریب مظاہر دکھا سکے اور کیا اس صناع فطرت کے ان عظیم کرشموں کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ یونہی اتفاقاً ہو رہا ہے اور توالد و تناسل کے اس باقاعدہ' متواتر اور مربوط نظام کے پیچھے کسی قادر قیوم اور خلاق حقیقی کا ہاتھ کارفرما نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ میں شطرنج کے کھیل سے بڑا متعجب ہوتا ہوں کہ یہ کھیل ایک مربع فٹ تختہ کے ۶۴ خانوں میں کھیلا جاتا ہے اور اگر ان خانوں میں لاکھ مرتبہ بھی شطرنج کھیلی جائے تو ہر بار بازی مختلف ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے میں اس سے کہیں زیادہ بڑے امر پر تعجب کرتا ہوں کہ انسان کا چہرہ صرف بالشت بھر کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ارب ہا ارب بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ چہرے پیدا کیے لیکن کوئی چہرہ دوسرے چہرے سے نہیں ملتا۔ کسی کی آنکھ دوسرے کی آنکھ سے' ناک ناک سے' ہونٹ ہونٹ سے اور کان کان سے نہیں ملتے۔

اور میں کہتا ہوں کہ چہرہ تو بہت دور کی بات ہے انسان کے ہاتھ میں اڑھائی انچ کا انگوٹھا ہوتا ہے اور کسی انگوٹھے کی لکیریں دوسرے سے نہیں ملتیں بلکہ ایک ہی انسان کے دائیں انگوٹھے کی لکیریں بائیں انگوٹھے سے نہیں ملتیں۔ فتبارک اللہ

marfat.com

احسن الخالقین۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے سبحان ہے وہ ذات جس نے چربی کی ایک بوٹی سے دکھایا' نرم ہڈی سے سنوایا اور گوشت کے ایک ٹکڑے کو گویا کر دیا۔ جو لوگ انسان کو محض ایک اتفاقی حادثہ سمجھتے ہیں وہ اس بات کی کیا توجیہ کریں گے کہ انسان کے جسم میں ہر جگہ گوشت ہے۔ پھر بولنے کا خاصہ صرف زبان میں کیوں ہے اور کیوں ضروری ہے کہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھیں مخصوص ہیں' جسم کے کسی اور حصہ کی چربی بینائی کا آلہ کیوں نہیں بن جاتی۔ اس لیے اگر کوئی شخص محض ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آیا تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے نہ کسی فطری ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے بلکہ وہ مکمل طور پر اس خلاق واحد کی قدرت اور حکمت کا حسین شاہکار ہے۔

ماں کے دودھ سے استدلال

جب ایک عورت ماں بن جاتی ہے اور اس کی گود میں بچہ کھیلنے لگتا ہے تو اس کے سینے سے دودھ اتر آتا ہے' جو غذا وہ پہلے کھاتی تھی اب بھی وہی غذا کھاتی ہے نہ غذا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ کھانے والی میں کوئی تبدیلی ہوئی' پھر یہ دودھ کہاں سے آ گیا۔ اگر یہ غذا کا اثر تھا تو کسی اور شخص کے کھانے سے اس کے سینے میں دودھ کیوں نہیں اتر آتا اور اگر اس عورت کی خاصیت ہے تو بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کے سینے سے دودھ کیوں نہیں نکلا۔ معلوم ہوا کہ یہ اثر نہ غذا کا ہے نہ غذا کھانے والی کا' یہ صرف اس قادر مطلق کی کار فرمائی ہے جو رنگ برنگ ترکاریوں کو خون کی رنگت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس خون کو دودھ کی سفید دھاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ پھر ہمارے پاس کوئی ایسا خارجی عمل نہیں جس کے ذریعہ ہم ماں کے سینے سے جاری ہونے والے دودھ کو روک سکیں۔ مبداء فیاض کے نزدیک جب تک بچے کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے وہ ماں کے سینہ میں دودھ اتارتا رہتا ہے اور جب ضرورت ختم ہو جاتی ہے تو دودھ کے جاری ہونے کا یہ سلسلہ اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ کیا انسان کے جسمانی نظام میں اللہ کی ذات اور اس کی حکمت اور قدرت کی یہ بہترین نشانیاں نہیں ہیں۔

جانوروں کے دودھ سے استدلال

جانوروں سے جو ہم دودھ حاصل کرتے ہیں یہ اس چارے سے حاصل ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں۔ پھر جب جانوروں کی اوجھڑی میں یہ چارہ پہنچتا ہے تو اوجھڑی میں ہضم اول کا مرتبہ شروع ہوتا ہے۔ اوجھڑی کے اوپر کے حصہ میں خون اور نچلے حصہ میں گوبر اور درمیانی حصہ میں دودھ کا قوام تیار ہوتا ہے اور اس کے قوام کو اللہ تعالیٰ ہضم کے مختلف مراحل سے گزارتا ہوا جانوروں کے تھنوں تک پہنچا دیتا ہے۔ دودھ کے نیچے گندگی اور غلاظت ہے اور اس کے اوپر سرخ رنگ کا سیال خون دوڑ رہا ہے۔ آخر وہ کونسی حقیقت ہے جو جانوروں کے پیٹ میں تصرف کر کے سرخ رنگ کے سیال خون اور بدبودار گوبر کے درمیان سے صاف سفید شیریں اور خوشبودار دودھ کو اس طرح باہر نکال لیتی ہے کہ نہ گوبر کا کوئی ذرہ اس میں داخل ہوتا ہے اور نہ خون کا کوئی قطرہ اس میں شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ صاف اور پاکیزہ دودھ اس خالق کائنات کی طرف اشارہ نہیں کرتا جو فرماتا ہے:

اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○

ان جانوروں میں تمہارے لیے غور و فکر کا موقع ہے ہم تم کو گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

marfat.com

دودھ کا یہ حصول چارہ کا طبعی خاصہ نہیں ہے ورنہ نر جانور بھی یہی چارہ کھاتے ہیں اور ان سے دودھ کا کوئی قطرہ حاصل نہیں ہوتا اور نہ یہ مادہ جانور ہی کی طبعی خصوصیت ہے ورنہ ایام حمل میں یا اس سے پہلے بھی وہ دودھ دیتی رہے' نہ بچہ کی خصوصیت ہے کیونکہ بچہ کے مرجانے کے بعد بھی وہ ایک مدت معینہ تک دودھ دیتی رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں سے دودھ کے حصول کے نظام میں چارہ' جانور اور بچہ کوئی چیز مرکزی کردار ادا نہیں کرتی۔ اس تمام مربوط نظام میں جو دودھ کے حصول کا سبب ہے وہ ایک ذات کار فرما ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنا تصرف فرما رہی ہے۔

نظام ہضم سے استدلال

انسان جو غذا کھاتا ہے وہ اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کا ہضم اول شروع ہوتا ہے اس غذا کا جو صاف جوہر ہے وہ جگر کی طرف چلا جاتا ہے اور جو کثیف مادہ ہے وہ انتڑیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پھر جگر میں ہضم ثانی ہوتا ہے اور صاف جوہر جگر میں جا کر سوداء صفراء پانی اور خون بن جاتا ہے۔ پھر وہاں ان کی تقسیم شروع ہوتی ہے۔ صفراء پتہ کی طرف چلا جاتا ہے اور سوداء تلی کی طرف چلا جاتا ہے اور پانی گردہ کی طرف اور خون رگوں کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں ہضم ثالث کا عمل شروع ہوتا ہے اور حرارت عزیزی سے اعضا بدن کی جو صورت تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ خون ان اعضاء میں پہنچ کر اس کے عوض اس عضو کی نئی صورت مہیا کرتی ہے۔ سوچئے کیا یہ سب یونہی ہو رہا ہے۔ کھانے کے چند نوالوں سے جو خون گوشت اور ہڈیوں کی صورت نشوونما پا رہی ہے' کیا یہ کسی عظیم حکمت اور زبردست قدرت کے زیر انتظام نہیں ہے۔

انسانی نشوونما سے استدلال

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جس طرح انسان کے جسم کی ساخت بنائی ہے اس میں متعدد کار آمد اعضاء رکھے ہیں پھر جو غذا ہم پانی اور کھانے کی شکل میں حاصل کرتے ہیں اس کا ایک ایک ذرہ وہ ان تمام اعضاء کو ان کی مخصوص جگہوں پر پہنچاتا ہے اور جس عضو کو جتنی توانائی کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو اتنی توانائی فراہم کرتا ہے اور اس طرح تدریجا انسان کو اس کے طبعی ارتقاء تک پہنچاتا ہے۔ آپ سوچئے کہ انسان کے جسم میں اس سارے نظام کو کون چلا رہا ہے۔ کیا یہ نظام خود بخود چل رہا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا' یا کوئی مافوق الفطرت ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے۔ پھر وہ ہستی کیا سورج ہے' چاند ہے' پانی ہے' آگ ہے' پتھر ہے' جانور ہے' انسان ہے' کیا ہے؟ یہ تمام چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خود کسی کے بنائے ہوئے نظام کے تحت سرگرم عمل ہیں اور اس نظام کے پابند ہیں اور اس کے احکام کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ عناصر ہوں یا کواکب' زمین کی پہنائیاں ہوں یا افلاک کی بلندیاں' یہ سب ایک نپے تلے مقدر اور منضبط نظام کے تحت اپنے اپنے حصہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جس ذات نے ان تمام موجودات کو ایک نظام میں مربوط کیا ہوا ہے' وہی ذات انسانی جسم کی ساخت اور اس کی نشوونما کی خالق اور مربی ہے۔ سورج اور چاند اسی کے حکم سے طلوع ہوتے ہیں۔ دن اور رات کا سلسلہ اسی کے اشارہ ابرو سے وجود میں آتا ہے۔ سمندروں میں طوفان اسی کے حکم سے اٹھتے ہیں' اسی کے حکم سے بارشیں نازل ہوتی ہیں' اسی کے اذن سے کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں۔ وہ نہ چاہے تو بادلوں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ اترے اور کھیتیاں ویران ہو جائیں اور زمین غلہ کا ایک دانہ بھی نہ اگا سکے اور انسانوں اور حیوانوں کو کھانے پینے کے لیے کوئی چیز نہ مل سکے اور یہ سب بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔

marfat.com

بیماری اور موت سے استدلال

صحت اور بیماری' زندگی اور موت' سب اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ اگر وہ کسی شخص کو بیمار کرنا چاہے تو ہم ہزار جتن کے باوجود اس کی صحت واپس نہیں لاسکتے' جبکہ اس جیسی بیماری کے ہزاروں مریض معمولی علاج سے شفایاب ہو جاتے ہیں اور اس بیمار کے لیے بڑے سے بڑے ڈاکٹر اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرنے کے باوجود اس کی صحت کو واپس نہیں لاسکتے اور بالاخر وہ شخص بیماری کے ایام گزارتا ہوا اس عالم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی زندگی کی ایک میعاد مقرر کی ہے اور جب کوئی انسان اپنی زندگی کے سانس پورے کرلیتا ہے تو خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر' بڑے سے بڑا ڈاکٹر ہو یا ماہر طبیب' سائنس دان ہو یا فلسفی' اسے بہرحال اس وقت مرنا ہی پڑتا ہے۔ بڑی سے بڑی کوشش اور اہم سے اہم سائنسی عمل ہزار جتن کے باوجود مدت حیات پوری ہونے کے بعد اسے موت کے چنگل سے نہیں بچا سکتا۔ اگر اس عالم اسباب سے کوئی ماورا ہستی نہیں ہے تو پھر وہ کون سی طاقت ہے جو کسی بیمار کو تندرستی سے اور مرنے والے کو زندگی سے ہمکنار ہونے نہیں دیتی۔ اس نظام کائنات میں تو ہر چیز خود ایک نظام کی پابند ہے' وہ کیسے کسی کو صحت اور زندگی سے روک سکتی ہے۔

نظام کائنات کے ربط اور تسلسل سے

اس نظام کائنات پر غور کیجئے سورج ہر روز ایک مقررہ جہت سے طلوع ہوتا ہے اور ایک مقررہ جہت میں غروب ہو جاتا ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن' ہر سال اپنے اپنے موسموں میں کھیتیوں کا پروان چڑھنا' پھولوں کا اپنے وقت میں کھلنا' تمام روئے زمین میں ایک خاص طریقہ سے انسانوں کا پیدا ہونا اور اس کے بعد ایک وقت مقرر پر انسان کا مرجانا' کیا یہ تمام سلسلہ کائنات ایک مقررہ اور مربوط نظام کے تحت جاری نہیں ہے۔ پھر کیا کوئی ہوش مند انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام منضبط اور مربوط نظام بغیر کسی خالق اور ناظم کے خود بخود اپنے عدم سے وجود میں آگیا ہے۔

پانی کی فراہمی سے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ پانی کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ سمندر کا پانی اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ اس کے چند گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارے جاسکتے۔ پھر یہی پانی جب بخارات کی شکل میں طبقہ زمہریریہ تک پہنچتا ہے اور موسلادھار بادلوں سے ٹھنڈا میٹھا اور شفاف پانی بن کر برستا ہے تو وہ کون ہے جو اس کڑوے پانی میں شکر گھول دیتا ہے۔ دریاؤں سے جو اکثر و بیشتر پانی حاصل ہوتا ہے وہ بھی بادل اور بارش کا فیضان ہوتا ہے اور پہاڑیوں کی بلند بانگ چوٹیوں پر جو برف جمی ہوتی ہے وہاں اس برف کو ان چوٹیوں پر کون جماتا ہے۔ کیا پہاڑوں کی چوٹیوں سے برفانی گھاٹیوں تک برف گرنے کا انتظام اور بادلوں کے ذریعہ پانی کی بہم رسانی کا نظام یونہی خود بخود وجود میں آگیا ہے۔ جب کارپوریشن کا ایک نل بھی ایک مستری اور چند مزدوروں کے بغیر نہیں لگ سکتا تو پانی کی اس قدر عظیم الشان ترسیل کا انتظام کسی ایڈمنسٹریٹر کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ پھر یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ کارپوریشن جو ایک محلہ کو ٹیکس لے کر پانی فراہم کرے اس کی نظامت کو تو ہم تسلیم کرلیں اور جو ساری دنیا کو بغیر کسی ٹیکس کے پانی مہیا کر رہا ہے' اس کے نظام اور اس کی قدرت کا ہم انکار کردیں جبھی تو وہ فرماتا ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ	کیا بادلوں سے پانی تم نے اتارا ہے یا ہم اتارتے ہیں' اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو اس قدر کڑوا کردیں کہ تم پی بھی نہ سکو' پھر

marfat.com

نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ○ تم کیوں اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پانی کے حصول کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ زمین کے نیچے گہرائی میں پانی رکھا گیا ہے جس کو ہم ہینڈ پمپ اور ٹیوب ویل سے نکال کر اپنے کام میں لاتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس پانی کو زمین کی تہہ میں کس نے رکھا ہے اور اتنے ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جا کر رکھ بھی کون سکتا ہے۔ یہ بات تو وہی شخص کہہ سکے گا جو عقل و فہم سے بالکل عاری ہو کہ وہ پانی خود بخود وہاں موجود تھا۔ اس دنیا کے ہزاروں تجربات اور مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں خود بخود کچھ نہیں ہوتا۔ ایک کنستر میں بھی پانی خود بخود جمع نہیں ہوتا' زمین کی اتھاہ گہرائی میں ہزاروں مکعب فٹ پانی کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔ جن علاقوں میں دریاؤں اور نہروں کا پانی بھی نہیں پہنچ سکتا وہاں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے زمین کے اس پانی کو دریائی پانی کا بدل بنا دیا ہے اور خود فرماتا ہے:

اَفَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ○ اگر اللہ تعالیٰ زمین کے پانی کو نیچے گہرائی میں دھنسا دے تو بتلاؤ! پھر تمہارے لیے کون پانی لے کر آئے گا۔

جس جگہ زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کی ضرورت تھی وہاں اسے زمین کے اندر گہرائیوں میں رکھا' جہاں سخت پہاڑی اور پتھریلی زمینیں ہیں اور زمین کو کھودنا مشکل ہے اس نے وہاں پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔ کہیں برفانی چوٹیوں اور بادلوں کی لگاتار برسات سے دریاؤں کو رواں دواں کر دیا کہیں کنوؤں اور ندیوں کا انتظام کر دیا۔ غرض! جس جگہ پانی کی بہم رسانی کی ضرورت جس طرح پوری ہو سکتی تھی اس طریقے سے وہاں پانی کو پہنچایا۔ کیا پانی کی یہ حکیمانہ ترسیل کسی جلیل القدر حکیم اور زبردست قادر اور عظیم خالق کے وجود کا تقاضا نہیں کرتی۔ کیا اب بھی کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ خلق خدا کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق ہر جگہ ان کے مقام کے مناسب یہ پانی خود بخود بغیر کسی پہنچانے والے کے پہنچ رہا ہے۔

نظام کائنات کے تناسب سے

زمین و آسمان کی پہنائیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم کیا ہوا ہے۔ مکھی سے لے کر ہاتھی تک دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک جسم کی ساخت اس کے حسب حال بنائی ہے۔ ہاتھی کے عظیم جثہ میں اس کی ضرورت کے جو اعضاء پیدا کیے ہیں وہ تمام اعضاء مکھی کی معمولی جسامت میں بھی موجود ہیں۔ حشرات الارض سے لے کر درندوں تک' چرندوں سے لے کر پرندوں تک' جانوروں کی ہر نوع کو دیکھیے ہر جانور میں اس کی بے عیب خلقت اور عظیم حکمت کے آثار نظر آئیں گے پھر اس نے ہر جانور کی ایک غذا مقرر کی اور اس کو اپنی غذا کے حصول کے راستے اور اپنے سے بڑے جانوروں سے تحفظ کے طریقے سکھائے۔ شمالی مغربی سرد اور برفانی علاقوں کے جانوروں کو دیکھئے ان کے جسم پر لمبے لمبے اور گھنے اونی بال نظر آئیں گے۔ بالوں کی یہ افزائش ان کا علاقائی سردی سے تحفظ کرتی ہے اور مشرقی اور گرم علاقوں میں ان جانوروں پر یہ بال نہیں ہوتے کیونکہ اگر اس قدر گرم علاقوں میں ان پر یہ بال ہوں تو وہ گرمی سے جھلس کر رہ جائیں۔ اسی طرح ہر علاقہ کے رہنے والے انسانوں کے مزاج کو وہاں کے حسب حال بنایا ہے۔ افریقہ اور اس جیسے گرم علاقوں میں رہنے والوں کا مزاج اس قسم کا بنایا ہے کہ وہاں کی شدید گرمی کو برداشت کر سکیں اور شمالی مغربی علاقوں میں جہاں بے انتہا ٹھنڈ پڑتی ہے' وہاں کے رہنے والوں کے مزاج میں اس سخت سردی کو سہارنے کا عنصر رکھا ہے۔ یہ حکیمانہ تدبیر اور ہر مخلوق کی حسب حال رعایت اور یہ حسین عالمی انتظام دیکھ کر کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ علم و حکمت کا یہ عجیب و غریب کارخانہ بغیر کسی چلانے والے کے از خود چل رہا ہے۔

marfat.com

کرن امید سے

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بار ایک دہریہ سے ملاقات ہوئی جو وجود باری تعالیٰ کا انکار کرتا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا: کیا کبھی تم سمندر میں کشتی میں سوار ہوئے ہو۔ اس نے کہا: ہاں! آپ نے پوچھا: کبھی طوفان کا سامنا بھی کیا؟ اس نے کہا: ہاں! کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی' ملاح ڈوب گیا اور لہروں کے تھپیڑے مجھے ساحل تک لے آئے۔ آپ نے فرمایا: پہلے جب تو کشتی پر بیٹھا تھا تو تیرا اعتماد ملاح پر تھا اور جب ملاح طوفانی لہروں سے ڈوب گیا تو پھر تیرا اعتماد کشتی پر تھا اور جب کشتی ٹوٹ گئی اور تو ایک تختے کے سہارے بہنے لگا تو تیرا بھروسہ اس تختہ پر تھا اور جب تختہ بھی تیرے ہاتھ سے نکل گیا اور تو محض لہروں کے رحم و کرم پر بہہ رہا تھا اور طوفانی لہریں تجھے غرقاب کر رہی تھیں' اس وقت تیرا کیا خیال تھا کہ یہ لہریں تجھے غرق کر دیں گی یا اس وقت بھی تیرے دل میں امید کی کوئی "کرن" باقی تھی؟ وہ کہنے لگا: میں اس وقت بھی پرامید تھا کہ شاید سلامتی سے نکل آؤں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اب جبکہ سارے مادی اور ظاہری سہارے ایک ایک کر کے چھوٹ چکے تھے اس وقت تو نے کس ذات کے ساتھ امید قائم کی ہوئی تھی کہ وہ تجھ کو بچالے۔ دہریہ خاموش رہا۔ آپ نے فرمایا: جس وقت کوئی مادی اور ظاہری سہارا نہ رہے اور سلامتی کے اسباب ایک ایک کر کے سارے ختم ہو جائیں' اس وقت جس ذات سے امید قائم ہوتی ہے اور بے چارگی کے لامتناہی اندھیروں میں جس ذات سے مدد کی روشنی ملتی ہے وہی تیرا اور سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اسی نے تجھ کو غرق ہونے سے بچالیا' اسی کی یہ شان ہے کہ انسان جب چاروں طرف سے مایوسیوں میں گھر جاتا ہے اور اسے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عنقریب اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں میں گھر کر ختم ہو جائے گا تو اچانک وہ غیب سے اس کی سلامتی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے' اسی لیے اس نے فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ○

وہ ذات جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد اچانک موسلا دھار بارش نازل فرما دیتی ہے اور اپنی رحمت کو عام کر دیتی ہے وہی لوگوں کے کام بنانے والی اور قابل ستائش ہے۔

مایوسی کے وقت مشرکوں کے رجوع الی اللہ سے

جب انسان مصیبتوں کے جنجال میں پھنس جاتا ہے اور نجات کا کوئی راستہ نہیں ملتا اس وقت کٹر سے کٹر کافر بھی اللہ کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔ جب خشکی اور تری کے سفروں میں لوگ مبتلائے آفات ہو کر پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی شدید صعوبتیں اور ہولناک طوفان پیش آتے ہیں جن سے ذہن پریشان' دل مضطرب اور بدن کا رواں رواں خوف سے کانپنے لگتا ہے' ایسے ہولناک سفر میں بت پرست اور ضدی سے ضدی مشرک بھی اپنے بتوں کو بھول جاتا ہے اور بڑے سے بڑا دہریہ بھی اپنے الحاد سے توبہ کر لیتا ہے اور ان تمام لوگوں کو اس وقت اپنے عقیدہ سے تراشے ہوئے سارے باطل خدا ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس وقت انہیں خدائے واحد کے سوا کسی کے دامن میں پناہ نظر نہیں آتی اور چار و ناچار سب کے سب اس اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور ہر شخص اس کی رحمت کے سامنے دامن پھیلا دیتا ہے اور رو رو کر کہتا ہے "اے احکم الحاکمین ○ اور اے سارے جہاں کے رب اگر تو نے اس بار ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو پھر ہم الحاد اور شرک کو چھوڑ کر صرف تیری بندگی بجالائیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ان کو مصیبت کے اس بھنور سے سلامتی کے ساتھ نکال لاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو یکسر فراموش کر کے پھر الحاد اور شرک کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حالت کا نقشہ کھینچتا ہوا فرماتا ہے:

marfat.com

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○

اے رسول! آپ کہئے وہ کون ہے جو تمہیں جنگلات اور سمندروں کی مصیبتوں سے نجات دیتا ہے جس کو تم آہستہ آہستہ اور گڑگڑا کر پکارتے ہو کہ اگر وہ اس مرتبہ ہم کو مصیبت کے اس گرداب سے نکال دے تو ہم ضرور اس کا احسان مانیں گے۔ آپ کہئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو صرف اس مصیبت سے ہی نہیں ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے' لیکن مصائب سے چھٹکارا پانے کے بعد پھر تم اس کا احسان فراموش کر کے شرک کی پستیوں میں جاگرتے ہو۔

نفس انسان کی شہادت سے

مصائب اور پریشانیوں میں گھر جانے کے بعد ہر انسان فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

یقین کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر زمین میں بھی نشانیاں ہیں اور ان کے اپنے نفسوں میں بھی کیا تم غور نہیں کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے نفس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر شہادت اور دلیلیں موجود ہیں جن پر اس نے کفر' الحاد اور شرک کے پردے ڈالے ہوئے ہیں لیکن اس کی زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا موقع ضرور آتا ہے جب کسی اچانک حادثہ سے شرک اور الحاد کے یہ سارے حجاب اچانک اٹھ جاتے ہیں اور توحید کی شہادت بے نقاب ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ بے ساختہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کے حضور جھک جاتا ہے۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی زندگی میں اسی شہادت سے انقلاب آیا۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کر لیا تو عکرمہ نے جدہ کا رخ کیا اور ایک کشتی میں سوار ہو کر حبش جانے کا قصد کیا۔ راستہ میں سخت طوفان آیا اور کشتی طوفانی لہروں میں گھر گئی۔ پہلے پہل تو تمام بت پرست اپنے اپنے بتوں اور دیوتاؤں کو پکارتے رہے مگر جب طوفان کی ہولناکیاں بڑھنے لگیں اور مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوب جائے گی' جب دیوتاؤں کی شکتی کا مان جاتا رہا تو سب بے اختیار پکار اٹھے کہ اب سوائے اللہ کے اور کوئی بچانے والا نہیں ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ اس خدائے واحد کے دروازۂ رحمت پر دستک دی جائے۔ پھر سب نے مل کر بیک آواز اس کی رحمت کو پکارا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ عکرمہ کی زندگی میں یہ ایک انقلاب آفریں لمحہ تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ان کے تصور کے تراشے ہوئے سارے بت بے حقیقت ہیں' ان کی بصیرت جاگی اور انہوں نے سوچا جو خدا یہاں ان کی کشتی کو طوفان کے گرداب سے نکال سکتا ہے وہ درحقیقت خشک و تر ہر جگہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے سے غفلت اور جہالت کے سارے پردے اٹھ گئے اور دل پر کفر و الحاد کے جس قدر حجاب پڑے ہوئے تھے' یکلخت دور ہو گئے اور ان کے نفس میں جو توحید کی شہادت مستور تھی وہ پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ابھری اور انہوں نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر یہ کشتی اس طوفان سے نکل گئی تو میں سیدھا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہوں گا اور ان کے

marfat.com

ہاتھ پر بیعت کرلوں گا اور اس خدائے واحد پر ایمان لاؤں گا جس کی بحر و بر پر حکومت ہے' جو طوفانوں کے رخ پھیر سکتا ہے' ہر قسم کی مصیبت کو ٹال سکتا ہے اور جس کو اس عظیم کائنات کی لامحدود وسعتیں کہیں بھی کسی بے بس اور لاچار کی فریاد سننے سے روک نہیں سکتیں۔ چنانچہ سلامتی سے ساحل پر آنے کے بعد انہوں نے اپنا عہد پورا کیا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے اور بقیہ تمام عمر خدمت اسلام میں گزار دی۔

زمین اور اس کی کیفیات سے

زمین اور اس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے بہاڑ بلند اور مہیب چٹانیں' کہسار' آبشار' ریگستان اور بے آب و گیا صحرا کی وسعتوں پر بہار نخلستان یہ سب آخر کس نے بنائے ہیں؟ ان کو مخصوص فاصلوں اور جغرافیائی حدود میں کس نے مقید کیا ہے؟ پھر زمین کے سینے میں معدنیات کے ذخائر کس نے چھپا رکھے ہیں؟ قدرتی گیس اور تیل کے وسیع و عریض چشمے' لوہا' تانبا اور چاندی سے لے کر سونے تک قیمتی دھاتیں یہ کس کی شکتی سے وجود میں آئی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک تغیر پذیر ہے۔ پہاڑوں کو کاٹ کر راستے بنائے جاسکتے ہیں' چٹانوں کو اپنی جگہ سے اکھاڑا جاسکتا ہے' دریاؤں کے رخ بدلے جاسکتے ہیں۔ آج کے ریگستان کل کے نخلستان میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔ بنجر زمین زرخیز کھیتوں اور پربہار باغات سے بدلی جاسکتی ہے' زمین اور اس کی تمام خصوصیات کا وجود میں آنا کسی موجد اور خلاق کا تقاضا کرتا ہے اور زمین کے نشیب و فراز اور فاصلوں سے اس میں دریاؤں اور پہاڑوں کا وجود اور اس کے اندر مناسب مقامات پر معدنیات کا وجود بتلاتا ہے کہ یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم خلاق کی بہترین حکمتوں کا ثمرہ ہے۔ پھر زمین اور اس کے تمام آثار اور خواص کا تغیر پذیر رہنا اور ہر زمانہ میں اس کے اندر تبدیلیوں کا واقع ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کرۂ ارضی ازلی ابدی قدیم اور لافانی نہیں ہے اور جس طرح ابتداء" یہ اپنے وجود میں کسی موجد اور خالق کی محتاج تھی اس طرح ہر دور میں اپنے تبدل اور تغیر میں کسی قادر قیوم کی محتاج ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا وجود کسی خالق کی اور اس کے عجائبات کی مناسب ترتیب' کسی زبردست حکیم کی اور اس کا تغیر و تبدل کسی عظیم اور جلیل قادر قیوم کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس پوری کائنات میں زمین اور اس کی ان تمام خصوصیات کی تخلیق کا سوائے خدائے بزرگ و برتر کے اور کوئی دعویٰ دار نہیں ہے۔ زمین کے یہ تمام حقائق عجائبات اور حکیمانہ ترتیب نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے' نہ یہ کسی انسانی وہم کے بنائے ہوئے دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے اور نہ ہی یہ کسی فانی انسان' بے خرد گائے اور غیر متحرک پیپل کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان تمام دلائل کو دیکھتے ہوئے جس کی عقل سلیم اور ہوش و حواس سلامت ہوں' وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ یہ اس ذات کا کارنامہ ہے جو ازلی و ابدی ہے واجب اور قدیم ہے جو خالق بھی ہے اور قادر بھی اور حکیم بھی ہے اور علیم بھی اور وہ ذات سوائے خدائے واحد کے اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا۔ (۱۳ : ۳)

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ نصب کیے اور دریا رواں دواں کردیئے۔

نیز فرمایا:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ۔ (۱۹ : ۱۵)

اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو قائم کیا اور اس میں ہر ایک مناسب اور موزوں چیز پیدا کی۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے:

marfat.com

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○ (۴۳ : ۱۰)

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور پھر اس میں تمہارے لیے راستے بنائے' تاکہ تم راہ پاسکو۔

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ- (۱۵ : ۷)

اور ہم نے تم کو زمین پر تصرف کرنے کی قدرت دی اور اس میں تمہارے رزق کا سامان فراہم کیا۔ بہت کم لوگ ہیں جو اس کی نعمتوں کا اعتراف کر کے شکر ادا کریں۔

لیل و نہار سے

رات اور دن کا تواردا اور اختلاف سورج کی حرکات سے وجود میں آتا ہے۔ سورج کی حرکت سے زمین کا جو حصہ اس کے بالمقابل ہو وہاں دن ہوتا ہے اور جب سورج حرکت طے کرتا ہوا زمین کے اس حصہ سے غروب ہو جاتا ہے تو اس حصہ میں رات ہو جاتی ہے اور اس وقت سورج کرۂ ارض کے دوسرے حصہ کے بالمقابل طلوع ہو کر وہاں دن کی رونقیں لے آتا ہے اور اسی طرح پیہم اور لگاتار کرۂ ارض کے ہر حصہ میں سورج کے طلوع اور غروب سے دن اور رات کا سلسلہ قائم رہتا ہے' لیکن سوال یہ ہے کہ سورج کو کون حرکت دے رہا ہے اور زحل' مشتری' مریخ اور دوسرے کواکب سیارہ میں سے دن اور رات کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے صرف سورج کی تخلیق کس نے کی ہے۔ کسی اور سیارہ سے یہ کام کیوں نہیں لیا گیا۔ کیا سورج کی حرکت روشنی اور توانائی کا یہ سلسلہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے' اگر ایسا ہے تو اس میں ضبط تسلسل اور دوام کیوں ہے اور اگر سورج از خود یہ عمل کرتا ہے تو اس جیسے دوسرے سیارگان جو فی نفسہ جسم ہونے اور متحرک رہنے میں اس جیسے ہیں وہ یہ عمل کیوں نہیں کرتے۔ پھر سورج میں روشنی' توانائی اور ایک خاص محور پر متواتر گردش کا نظام کس نے بنایا ہے۔ پھر یہ کس کی حکمت ہے جس نے سورج کو زمین سے ایک خاص اور مناسب فاصلہ پر ایسے مدار میں رکھا ہے کہ اگر وہ اس فاصلہ سے کسی قدر اونچا ہو تو یہ کائنات ارضی سخت ٹھنڈک سے منجمد ہو جائے اور اگر وہ اس فاصلہ سے سو میل ہی نیچے اتر آئے تو یہ تمام کائنات ارضی جل کر بھسم ہو جائے۔ سوچئے کہ سورج کا زمین سے یہ مناسب فاصلہ' ایک خاص محور پر مقررہ نظام کے تحت اس کی گردش' اس کی روشنی اور توانائی یہ کس کی قدرت اور حکمت کا کارنامہ ہے۔ کیا عقل کا اندھا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر' بے جان مورتیوں' توہماتی دیوتاؤں یا انسانوں کا کام ہے جو ہزاروں سال سے اسی نظام شمسی کے تحت پیدا ہوتے ہیں اور اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر مٹ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ اگر عقل و خرد سے بالکل ہی بیگانہ نہیں ہو گئے تو انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ سورج کی تخلیق' اس ہستی اعلیٰ کا کارنامہ ہے جو ازلی' ابدی' واجب' قدیم' قادر اور حکیم ہے۔ جس کے حکم سے ایک سورج ہی نہیں تمام سیارگان اپنے مقرر کردہ دائرۂ عمل میں گردش کر رہے ہیں بلکہ کائنات کا ہر ذرہ اس کے حکم کے تابع اور اس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ- (۳۶ : ۳۸)

سورج اپنے مرکز کے گرد گردش کرتا رہتا ہے اور اس کی یہ گردش اس زبردست حکیم کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہے۔

سورج کی حرکات سے محض دن اور رات کا وجود ہی عمل میں نہیں آتا بلکہ دن اور رات کا اختلاف بھی وجود میں آتا ہے۔

marfat.com

گرمی' سردی' بہار اور خزاں--- یہ تمام موسم دن اور رات کے اختلاف سے رونما پذیر ہوتے ہیں اور انسانوں اور حیوانات کی جسمانی نشوونما اور مختلف فصلوں' پھلوں اور پھولوں کی پیداوار اور افزائش کے لیے موسم کا اختلاف بے حد ضروری ہے۔ اگر موسموں کا یہ حکیمانہ اختلاف نہ ہوتا تو نہ زمین پر فصل اگتی اور نہ باغوں میں پھول مہکتے' یہ موسمی اختلاف صرف نباتات کی بقا کے لیے ہی نہیں' بلکہ انسان کی بقا کے لیے بھی ضروری ہے۔

یہ کس قدر زبردست حکمت ہے کہ موسموں کا یہ اختلاف اچانک اور فوراً نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً سردی کم ہوتی جاتی ہے اور گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر دسمبر' جنوری کی سخت سردی کے بعد اچانک مئی' جون کی گرمی آجاتی تو اس اچانک تبدیلی سے انسان کے اعصاب پر کس قدر گہرا اثر پڑتا اور مشکل سے ہی کوئی ذی نفس زندہ رہ سکتا۔ وہ حکیم مطلق درجہ بدرجہ سردی اور گرمی کے موسم لاتا ہے' تاکہ انسان ایک موسمی ماحول سے نکل کر دوسرے موسمی ماحول میں آنے کے لیے بالکل تیار ہو جائے۔

رات اور دن میں مکمل تضاد ہے اور دو متضاد چیزیں ہمیشہ فساد کا موجب ہوتی ہیں لیکن قدرت نے رات اور دن کے خوبصورت اور حسین تضاد میں مصالح اور منافع کی تحصیل کے لیے مکمل معاونت رکھی ہے۔ دن بنایا تاکہ اس میں انسان ہو یا حیوان وہ اپنی معیشت کا سامان حاصل کر سکے اور رات پیدا کی تاکہ دن بھر کا تھکا ماندہ انسان ہو یا حیوان' وہ رات کی آغوش میں اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو آرام پہنچا سکے اور رات میں اس کو ایسی میٹھی اور گہری نیند عطا کی جس کے سبب اس کا تھکا ہوا ذہن سکون حاصل کر سکے۔ فرض کیجئے یہ زمین گول نہ ہوتی اور اس پر ہمیشہ دن کا وجود مسلط رہتا تو کیا انسان کے اعصاب جواب نہ دے جاتے۔ کیا انسان کو آرام اور سکون کا کوئی لمحہ میسر نہ ہوتا اور اگر زمین خواہ گول ہی ہوتی لیکن سورج نہ ہوتا تو اس کائنات پر ہمیشہ شب تاریک چھائی رہتی پھر کوئی ذی روح کس طرح اپنے لیے سامان معیشت حاصل کرتا۔ کھیتیاں کیسے پروان چڑھتیں اور کوئی جاندار کس طرح زندہ رہتا۔ معلوم ہوا کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اور پھر ان میں کمی اور زیادتی کا تناسب اور تدریجاً اختلاف کسی ازلی اور ابدی قادر اور حکیم کی طرف اشارہ کرتا ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (۲۸ : ۷۳)

آپ فرمائیے: یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن قائم رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون رات قائم کر سکتا تھا جس میں تم آرام پاتے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ یہ محض اس کی رحمت ہے جس نے رات اور دن دونوں قائم کیے تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں معاش تلاش کرو۔

کشتیوں سے

چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر دیو پیکر جہازوں تک جو دریاؤں اور سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں یہ سب انسانی عقل اور اس کے ہاتھوں کی تراش و خراش کا نتیجہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی تیاری کے لیے لکڑی' لوہا اور دوسرے میٹریل کو کس نے پیدا کیا۔ بادبانی کشتیوں کو متحرک رکھنے کے لیے ہوائیں کس نے چلائیں اور دخانی جہازوں کی حرکت کے لیے ایندھن کس نے پیدا کیا۔ لکڑی کی طبیعت میں یہ خاصہ کس نے رکھا کہ وہ ہزاروں ٹن بوجھ اٹھانے کے باوجود بھی سطح سمندر پر تیرتی رہتی ہے۔ لوہا اور لکڑی دونوں جسمیت میں متماثل ہیں' پھر ان میں یہ فرق کس نے رکھا ہے کہ

marfat.com

لوہا ایک تولہ بھی ہو تو پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ اور لکڑی ہزاروں ٹن کی بھی ہو تو سطح آب پر تیرتی رہتی ہے۔ پھر انسانوں کے دلوں میں یہ سکون اور طمانیت کس نے رکھی ہے کہ وہ بحری سفر کے لیے بے خوف و خطر تیار ہو جاتے ہیں پھر ہر علاقہ کو کسی خاص جنس کے ساتھ کس نے خاص کیا جس کی وجہ سے بحری سفر کی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور جب غیظ و غضب سے بھرپور طوفانی لہریں اٹھتی ہیں تو ان طوفانوں سے جہازوں کو سلامتی کے ساتھ کون پار لے جاتا ہے اور جب جہاز خطرات سے گھر جاتا ہے تو مسافروں کی نگاہیں کس کی طرف اٹھتی ہیں۔ دعاؤں کے لیے ہاتھ کس کی بارگاہ میں اٹھتے ہیں۔ ہم دن رات ایسے واقعات دیکھتے ہیں لیکن ان واقعات و حوادثات کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا جو ہاتھ کار فرما ہے اس کی طرف ہمارا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ نقوش اور فطرت کے عجیب و غریب کرشمے شب و روز ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن فاطر اور نقوش کی طرف ہماری نظریں نہیں اٹھتیں۔ صنعت و خلقت کے بہترین نمونے ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتے ہیں لیکن صانع اور خالق کی طرف ہم ملتفت نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (۱۲ : ۴۵)

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے تاکہ اس کی قدرت سے اس میں کشتیاں چلیں اور تم اس ذریعہ سے ایک دوسرے سے ربط قائم رکھ سکو اور سامان معیشت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکو اور آقا کے اس فضل اور انعام کو دیکھ کر تمہارا دل و دماغ اس کی طرف متوجہ ہو اور تم اس کا شکر ادا کر سکو۔

ہواؤں سے

ہواؤں کا وجود انسان کے سانس لینے کا مادہ ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی ہوائیں بند ہو جائیں تو انسان اور حیوان میں سے کوئی ذی روح زندہ نہ رہ سکے۔ انسان اپنی زندگی کی بقا میں ہوا' پانی اور خوراک کا محتاج ہے۔ ان میں سب سے زیادہ احتیاج اور ضرورت ہوا کی ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی ذی روح ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بعد پانی کی ضرورت ہے کیونکہ خوراک کی بہ نسبت انسان پانی کا زیادہ محتاج ہے اور ایک دو دن انسان کو پینے کے لیے پانی نہ ملے تو وہ اس کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے اور پانی کے بعد خوراک کی ضرورت ہے کیونکہ چند دن انسان کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملے تو وہ بہرحال کسی نہ کسی طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ اب آپ قدرت کے نظام پر غور کیجئے کہ انسان کو اپنی بقاء کے لیے جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی جس کے بغیر وہ ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا' اس کا حصول اس نے سب سے سہل اور آسان کر دیا ہے کہ انسان ہو یا حیوان وہ بغیر کسی مشقت کے ہر وقت اور ہر جگہ ہوا کو با آسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے اس کو نہ کوئی قیمت اور ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے نہ کسی کا زیر احسان ہونا پڑتا ہے اور پانی کی ضرورت بقاء انسانی کے لیے ہوا کی بہ نسبت کم ہے۔ اس لیے اس کا حصول بھی اس قدر عام نہیں ہے۔ تاہم ایک ذی روح دن میں متعدد بار پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے' اس لیے پانی اگرچہ ہر وقت اور ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا تاہم اس کی متوسط ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا کر دیے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں بغیر کسی مشقت اور قیمت کے پانی حاصل کر لیتا ہے اور بعض صورتوں میں معمولی مشقت اور قیمت سے اسے ضرورت کے مطابق پانی حاصل ہو جاتا ہے اور غذا اور خوراک کی ضرورت چونکہ ہوا اور پانی کی بہ نسبت کم ہوتی ہے' اس لیے اس کو غذا وغیرہ

marfat.com

کے حصول کے لیے بہرحال مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اب آپ سوچئے انسانی بقاء اور اس کی ضرورت کے مطابق جس ذات نے ہوا' پانی اور خوراک کا یہ نظام بنایا ہے کیا آپ اس ذات کی عظیم حکمت اور علم کا انکار کر سکتے ہیں جو ذات ہمہ وقت اور ہر جگہ ہواؤں کے سمندر کو رواں دواں رکھتی ہے۔ کیا اس کی بے پناہ قدرت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ انسانی ضروریات کے مطابق ہوا' پانی اور خوراک کی ترسیل کو کیا کوئی شخص ایک اتفاقی حادثہ قرار دے سکتا ہے۔ جو شخص غور و فکر اور تدبر سے بالکل عاری نہیں ہو گیا اس کو بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کائنات کے نظارے کے پیچھے ایک ہستی اعلیٰ اور مطلق العنان قادر قاہر حکمران کی تدبیر اور حکمت کام کر رہی ہے اور اس عظیم اور وسیع کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کی حکمت اور قدرت کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ ہواؤں سے فقط ہم سانس ہی نہیں لیتے۔ دریاؤں میں روانی' سمندروں میں طلاطم' اطراف عالم میں کھیتوں اور باغات کی نشوونما' سمندروں میں جہازوں کی آمدورفت' بادلوں کی گردش اور بارشوں کا حصول یہ تمام امور اس صناع مطلق کی پیدا کردہ ہواؤں کے سبب سے ہیں۔ اگر وہ چند ساعتوں کے لیے بھی ہواؤں کو چلنے سے روک لے تو ساری کائنات کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ○ (۴۲/ ۳۲--۴۲/ ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر نشانیوں میں سے ایک نشانی سمندروں میں رواں دواں پہاڑوں کی مانند جہاز ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو روک لے اور یہ جہاز سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔

نیز فرماتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ- (۴۶ : ۳۰)

اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں کہ وہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں بارش کی آمد کی خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم اس سے خط رحمت لے سکو اور انہی ہواؤں سے اس کے حکم سے جہاز چلتے ہیں تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) اللہ کا فضل ڈھونڈ سکو اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کر سکو۔

اللہ تعالیٰ نے ہوائیں دو قسم کی پیدا فرمائی ہیں۔ آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ۔ ہم سانس کے ذریعہ آکسیجن لیتے ہیں پھر ہمارے جسم اور خون میں جو گندے اور زہریلے مادے ہیں وہ اس آکسیجن کو کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور جب ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں تو وہ ہوا کاربن سے بھری ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے درختوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر لیتے ہیں اور تازہ آکسیجن چھوڑتے رہتے ہیں۔ سوچئے کہ اگر درختوں کا وجود نہ ہوتا یا اب فیصلہ کیجئے درختوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرنے کی خصوصیت نہ ہوتی تو یہ فضا ہمارے سانسوں کے ذریعہ چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے پراگندہ ہو جاتی۔ سانس لینے کے لیے تازہ آکسیجن کا ملنا محال ہو جاتا اور زہریلی اور بدبودار ہواؤں میں ہم گھٹ گھٹ کر مر جاتے۔ ہماری ضرورت کے مطابق درختوں میں کاربن کو جذب کرنے اور آکسیجن کو چھوڑتے رہنے کی خصوصیت کیا خود بخود پیدا ہوتی ہے یا یہ کسی اتفاقی امر کا نتیجہ ہے یا کسی جلیل الشان مدبر اور رفیع المرتبت حکیم کی عظیم ترین حکمت اور قدرت کا ثمرہ ہے۔ اگر ہم انصاف کا خون کرنے پر آمادہ نہیں ہو گئے اور ہٹ دھرمی پر نہیں اتر آئے تو لامحالہ ہمیں کہنا پڑے گا کہ ہواؤں میں جو خصوصیات' حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں' نہ یہ کسی دیوی یا دیوتا کا کارنامہ ہے' نہ خود تراشیدہ بتوں کی کاوش ہے' نہ

marfat.com

کسی انسان کی محنت کا ثمرہ ہے۔ سوائے اس قدیر و حکیم کے جو خلاق لم یزل ہے کسی اور شخص میں نہ یہ شکتی ہے کہ ہواؤں کو پیدا کر سکے اور نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ وہ ان ہواؤں کو فضا میں رواں دواں رکھ سکے اور نہ یہ حکمت ہے کہ ان ہواؤں میں اس قسم کی خصوصیات اور فوائد مضمر کر سکے۔ یہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کی قدرت کا ثمرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ (۳۰:۴۸)

اللہ ایسی ہوائیں بھیجتا ہے جو بخارات کو بادل بنا دیتی ہیں وہ ان بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں۔

بادلوں سے

بادل بخارات کا ایک مجموعہ ہیں جو مختلف مقدار حجم میں فضاء میں تیرتے پھرتے ہیں۔ یہ بخارات عموماً اپنے اندر پانی کو اور بسا اوقات برف اور اولوں کو اپنے اندر لیے پھرتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ پانی ہو یا برف اور اولے ان کا طبعی تقاضا اوپر سے نیچے گرنا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ کشش ثقل انہیں نیچے لانا چاہتی ہے۔ پھر وہ کون سی طاقت ہے جو بادلوں کے اندر پانی کو جب تک چاہے روکے رکھتی ہے اور جب چاہے چھوڑ دیتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بارش کے ہونے یا نہ ہونے میں پانی کے طبعی تقاضا کا دخل ہے نہ کشش زمین کا بلکہ ان تمام امور پر کوئی غالب و قاہر ہستی ہے جو جب چاہے بادلوں سے پانی برسا دے اور جب چاہے ان سے پانی روک لے۔ پھر اس کی قدرت کے ساتھ حکمت پر غور کیجئے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام فضا پر بادلوں کو مسلط کر دیتا اور ہم سورج کی روشنی کو ترس جاتے اور لگاتار بارش سے فصلیں برباد ہو جاتیں۔ مکانات منہدم ہو جاتے اور انسان کا روئے زمین پر زندہ رہنا دشوار ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو سرے سے بادلوں کا وجود نہ ہوتا۔ لوگ تپتی ہوئی دھوپ میں سائے کو ترس جاتے۔ کھیتیاں پروان نہ چڑھتیں اور بعض علاقوں میں پینے تک کے لیے پانی میسر نہ ہوتا' پھر وہ بادلوں کو کسی ایک جگہ معلق نہیں رکھتا بلکہ ہواؤں کے ساتھ ان کو رواں دواں رکھتا ہے اور جس وقت اور جس علاقہ میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے' وہاں پانی برسا دیتا ہے۔

اب سوچئے انسانوں اور زمینوں کی ضرورت کے مطابق بادلوں کا وجود اور علاقائی ضروریات کے مطابق بادلوں کی آمد و رفت کیا یہ سب خود بخود سے یا کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ بعض زمینوں میں پٹ سن' پان' چاول اور چائے کی کاشت ہوتی ہے جنہیں لگاتار بارشوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں غلہ کی دوسری اجناس کی کاشت ہوتی ہے جنہیں ایک خاص موسم میں بارش کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمینوں کی ان مختلف صلاحیتوں اور مختلف جغرافیائی ضرورتوں کی مناسبت سے کہیں لگاتار اور کہیں ایک خاص وقت میں بارشیں برسانے والا کون ہے۔ ان تمام امور پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ بارش کا یہ نظام کیا خود بخود چل رہا ہے یا کوئی "اتفاقی" حادثہ ہے یا کسی انسان' موہوم دیوتا اور خود تراشیدہ بت کی کوشش ہے یا اس قادر قیوم علام الغیوب اور قدیر و حکیم کی قدرت اور حکمت کا ثمرہ ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کی ضروریات کا متکفل ہے جو ہر علاقہ کی ضروریات کو جانتا ہے اور ہر زمین کی کیفیت' استعداد اور صلاحیت کا علم رکھتا ہے پھر ان تمام انسانوں' علاقوں اور زمینوں کی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق بادلوں کے ذریعہ بارش نازل کرنے کا نظام قائم فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا۔ (۲۵/۴۸ تا ۴۹)

اور اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو باران رحمت کی نوید دیتی ہیں اور ہم ہی نے آسمان سے بارش نازل کی تاکہ اس بارش سے ہم خشک اور ویران کھیتیوں کو سرسبز اور شاداب کر دیں اور اسی بارش سے اپنی مخلوق میں سے بہت سے

marfat.com

جانوروں اور انسانوں کو پانی پلائیں۔

اور ہم نے بادلوں سے بارش برسانے والی ہوائیں بھیجیں' پھر ہم نے بادلوں سے پانی اتارا۔ پھر وہ پانی (نہروں اور دریاؤں کی صورت میں جمع کر کے) تم کو پلایا' حالانکہ اس پانی کے نازل کرنے میں تمہارا کوئی دخل نہ تھا۔

حرف آخر

پھولوں کے چھوٹے پودے سے لے کر چنار کے درخت تک نباتات کی بے شمار اقسام ہیں۔ ان میں سبزیاں' پھل اور پھول سب ہی کچھ ہیں۔ ان کی روئیدگی زمین' پانی' ہوا آفتاب کی شعاعوں اور چاند کی کرنوں سے ہوتی ہے لیکن کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ان سب کی روئیدگی کے اسباب ایک قسم کے ہونے کے باوجود ان اسباب کے آثار ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتے۔ جو پانی پھولوں کو ملتا ہے وہی سبزیوں کو' جو ہوا پھلوں کو تازگی دیتی ہے وہی فصلوں کو' اس کے باوجود کوئی پھول دوسرے پھول سے' کوئی پھل دوسرے پھل سے' کوئی فصل دوسری فصل سے نہیں ملتی۔ آخر ان میں فرق پیدا کرنے والا کون ہے اور مانا کہ نباتات کی روئیدگی ان اسباب سے ہے لیکن ان اسباب کا خالق کون ہے!

افلاک کی ان بلندیوں پر جہاں انسان کے وہم کی بھی رسائی نہیں ہے وہاں کروڑوں ستارے کس نے روشن کیے ہیں۔ اگر ایک چراغ سے تیل ختم ہو جائے تو وہ بجھ جاتا ہے۔ شہر کا بجلی گھر فیل ہو جائے تو پورا شہر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے تو ان آسمانی روشنیوں کا انتظام کس نے کیا ہوا ہے جن کی روشنی میں آج تک کمی نہیں ہوئی۔

کیکر کے درخت میں کبھی سیب کیوں نہیں لگتا۔ کبوتر کے انڈے سے کبھی کوا کیوں نہیں نکلتا۔ انسان سے انسان ہی کیوں پیدا ہوتا ہے' ذرہ سے لے کر آفتاب تک یہ تمام کائنات نظام واحد میں مربوط ہے۔ اس ربط اور نظم و ضبط کا خالق کون ہے؟

یہ دن اور رات کا تسلسل' یہ سورج کا طلوع اور غروب' یہ نباتات میں روئیدگی اور جانوروں اور انسانوں کی نسل میں باقاعدگی کا مربوط نظام' یہ نیلگوں فضائیں' یہ تاروں بھری روشن راتیں' یہ اودی گھٹائیں' یہ بلند کہسار اور سرسبز وادیاں' یہ ابلتے ہوئے چشمے اور بہتے ہوئے دریا' یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور مہکتے ہوئے باغات کیا سب کے سب خدائے واحد کے معبود کی شہادت نہیں دیتے؟ کیا اس کائنات کے نظام کی یکسانیت اور وحدت میں اس عظیم خالق کی وحدت نظر نہیں آتی اور ہمیں کہنے دیں کہ جس شخص کو اس حسین کائنات میں خدا کے حسن کا جلوہ نظر نہیں آتا' اسے وہ جنت میں بھی نظر نہیں آئے گا۔

marfat.com

از : اعلی حضرت امام احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان فاضل بریلوی

تخلیق ملائکہ

فرشتوں کی پیدائش اور موت کا بیان

مسئلہ: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب۔ (۷ رجب ۱۳۱۱ھ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملائکہ کیونکر پیدا ہوتے ہیں اور موت ان کو مثل انسان لاحق ہوتی رہتی ہے یا جس وقت سب مخلوق فنا ہوگی اس وقت فنا ہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بیہقی شعب الایمان میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو بنایا' ملائکہ نے عرض کیا الٰہی! تو نے انہیں پیدا کیا' کھاتے ہیں' پیتے ہیں' جماع کرتے ہیں' سوار ہوتے ہیں' تو ان کے لیے دنیا کر' ہمارے لیے آخرت۔

لَآ اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ۔

میں نہ کروں گا اسے جس کو میں نے اپنے ہاتھ (۱) سے بنایا اور اپنی روح اس میں پھونکی اس کے مثل جسے میں نے فرمایا "ہو" سو وہ ہو گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کی پیدائش آدمیوں کی طرح بتدریج نہیں کہ مٹی خمیر ہوئی' پھر تصویر بنی' پھر روح ڈالی گئی یا پہلے نطفہ تھا پھر خون کی بوند' پھر گوشت کا ٹکڑا' پھر اعضاء کی کلیاں پھوٹیں' پھر صورت بنی' پھر روح پڑی' بلکہ (۲) وہ کلمہ کن سے پیدا کیے گئے۔

(۲) حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ' علیہ وعلیٰ آلہ فرماتے ہیں:

خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَّخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ۔

ملائکہ نور سے بنائے گئے اور جن آگ کے لوکے (۳) سے جس میں دھواں ملا ہوا تھا اور آدم اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی۔

(۱) مراد دست قدرت ۱۲ نعمانی۔ (۲) یعنی ملائکہ' ۱۲۔ (۳) یعنی شعلے سے ۱۲۔

marfat.com

كَمَا عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھٰذَا رَوَاہُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا۔

(۳) عبدالرزاق اپنے مصنف میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ (اِلٰی قَوْلِہٖ) فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذَالِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِیْ اَللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَآءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ الْعَرْشَ وَمِنَ الثَّانِیْ الْکُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلٰٓئِکَۃَ۔ (الحدیث)

اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کو اپنے نور سے بنایا' پھر جب عالم کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے کیے' پہلے سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا' پھر چوتھے ٹکڑے کے چار حصے کیے' پہلے سے ملائکہ حاملان عرش دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی فرشتے پیدا کیے۔

(۴) علامہ فاسی مطالع المسرات میں زیر قول "دلائل التقدم من نورضیائک" ناقل۔

قَدْ قَالَ الْاَشْعَرِیُّ اِنَّہٗ تَعَالٰی نُوْرٌ لَیْسَ کَالْاَنْوَارِ وَالرُّوْحُ النَّبَوِیَّۃُ الْمُقَدَّسَۃُ لَمْعَۃٌ مِّنْ نُوْرِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ شَرَرُ تِلْکَ الْاَنْوَارِ وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔

یعنی امام اشعری فرماتے ہیں اللہ عزوجل نور ہے نہ مثل اور انوار کے اور روح پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے نور سے ایک چمک ہے اور فرشتے ان کے نور کے شرارے ہیں حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا کی۔

(۵) ابوالشیخ نے عکرمہ سے روایت کی انہوں نے کہا:

خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ نُوْرِ الْعِزَّۃِ۔

فرشتے نور عزت سے بنائے گئے۔

(۶) وہی یزید بن رومان سے راوی کہ انہیں خبر پہنچی:

اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ رُوْحٌ خَلَقَتْ مِنْ رُّوْحِ اللّٰہِ۔

کہ ملائکہ ربانی روح سے پیدا کیے گئے ہیں۔

اقول: غالباً اس احتمال کی شرح وہ ہے جو امیرالمومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار سر ہیں۔ ہر سر میں ستر ہزار چہرے' ہر چہرے میں ستر ہزار دہن' ہر دہن میں ستر ہزار زبانیں' ہر زبان میں ستر ہزار لغت۔

یُسَبِّحُ اللّٰہَ تَعَالٰی بِتِلْکَ اللُّغَاتِ کُلِّھَا یَخْلُقُ مِنْ کُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ مَلَکٌ یَّطِیْرُ مَعَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

وہ ان سب لغتوں سے (کہ ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار ستر جگہ مہاسنکھ ہوئے' جس کی کتابت یوں ہے کہ ۱۶۸۰۷۰ لکھ کر دہنے ہاتھ کو بیس صفر لگا دیجئے) اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت تک ملائکہ کے ساتھ پرواز کرے گا۔

marfat.com

ذکرہ الامام البدر محمود العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری من کتاب التفسیر' والامام الرازی فی تفسیرہ الکبیر۔

ثعلبی نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ملک عظیم ہے آسمان و زمین و جبال و ملائکہ سب سے اس کا مقام آسمان چہارم میں ہے۔

یُسَبِّحُ کُلَّ یَوْمٍ اِثْنٰی عَشَرَ اَلْفَ تَسْبِیْحَۃٍ یَّخْلُقُ مِنْ کُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ مَلَکٍ۔

ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کہتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔

یہ روح نامی فرشتہ روز قیامت تنہا ایک صف ہوگا اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف۔

ذکرہ الامام البغوی فی العالم تَحْتَ قَوْلِہٖ تَعَالٰی یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِکَۃُ صَفًّا' والامام العینی فی العمرہ تحت قولہ تعالی ویسئلونک عن الروح۔

(۷) مروی ہوا:

اِنَّ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا وَھِیَ مِنْ مَّآءٍ وَّدُخَانٍ مَلٰئِکَۃٌ خُلِقُوْا مِنْ مَّآءٍ وَّرِیْحٍ عَلَیْھِمْ مَلَکٌ یُقَالُ لَہُ الرَّعْدُ وَھُوَ مَلَکٌ مُوَکَّلٌ بِالسَّحَابِ وَالْمَطَرِ۔

آسمان دنیا میں کہ پانی اور دھوئیں کا بنا ہے' ملائکہ میں آب و ہوا سے بنائے گئے۔ ان کا افسر ایک فرشتہ رعد نامی ہے جو ابر و باراں پر موکل ہے۔ (ذکر الامام القسطلانی فی المواہب)

(۸) سیدی شیخ اکبر محی الملہ والدین ابن عربی قدس سرہ تشریف فرما ہیں۔ اللہ عزوجل نے ایک نور کی تجلی فرمائی' پھر تاریکی بنائی۔ ظلمت پر اس نور کا پرتو ڈالا اس سے عرش ظاہر ہوا' پھر اس ملے ہوئے نور سے کہ ضیائے صبح کے مانند تھا جس میں تاریکی شب' مخلوط ہوتی ہے' ان ملائکہ کو بنایا جو گرد عرش ہیں' پھر کرسی پیدا کی اور اس میں اسی کی طبیعت کی جس سے ملائکہ پیدا کیے۔

ذکرہ فی الباب الثالث عشر من الفتوحات المکیۃ واوردہ الامام الشعرانی فی الیواقیت والجواہر۔

(۹) ابوالشیخ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ لَنَھْرًا مَا یَدْخُلُہٗ جِبْرِیْلُ دَخَلَہٗ فَیَخْرُجُ فَیَنْتَفِضُ اِلَّا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ قَطْرَۃٍ تَقْطُرُ مِنْہُ مَلَکًا۔

بے شک و شبہ جنت میں ایک نہر ہے کہ جب جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام اس میں جا کر باہر آ کر پر جھاڑتے ہیں جنتی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں' اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

حالانکہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام کے چھ سو پر ہیں کہ اگر ایک پر پھیلا دیں تو افق آسمان چھپ جائے۔

(۱۰) ابن ابی حاتم و عقیلی و ابن مردویہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فِی السَّمَاءِ الرَّابِعَۃِ نَھْرٌ یُّقَالُ لَہُ الْحَیَوَانُ یَدْخُلُہٗ جِبْرِیْلُ کُلَّ یَوْمٍ فَیَنْغَمِسُ فِیْہِ الْغَمَاسَۃُ مِنْہُ یَخْرُجُ فَیَنْتَفِضُ اِنْتِفَاضَۃً

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جسے نہر حیات کہتے ہیں۔ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام ہر روز اس میں ایک غوطہ لگا کر پر جھاڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ بناتا ہے انہیں

marfat.com

فَيَخْرُجُ عَنْهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ قَطْرَةٍ يَّخْلُقُ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مَلَكًا هُمُ الَّذِيْنَ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّاْتُوا لِلْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ فَيُصَلُّوْنَ فَيَفْعَلُوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ فَلَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ اَبَدًا وَيُوَلّٰى عَلَيْهِمْ اَحَدُهُمْ ثُمَّ يُؤْمَرُ اَنْ يَّقِفَ بِهِمْ فِي السَّمَآءِ مَوْقِفًا يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ لِيْ اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھیں۔ جب پڑھ کر نکلتے ہیں۔ پھر کبھی اس میں نہیں جاتے۔ ان میں ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے کہ آسمان میں انہیں ایک جگہ لے کر کھڑا ہو، وہ قیامت تک وہاں تسبیح الٰہی کرتے ہیں۔

روی ابن المنذر نحوہ بدون ذکر النہر من طریق صحیحہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ لکن موقوفا قالہ الامام الحافظ ابن حجر ومعلوم ان الموقوف کالمرفوع۔
اقول: فصح الحدیث وسقط ما نقل الفاسی عن الولی العراقی ان لم یثبت فی ذالک شیئی فقد اثبتہ الحافظ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔

(۱۱) عطا و مقاتل و ضحاک کی روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں آیا:

اِنَّ عَنْ يَّمِيْنِ الْعَرْشِ نَهْرًا مِّنْ نُّوْرٍ مِثْلَ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَالْبِحَارِ السَّبْعِ يَدْخُلُ فِيْهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلَّ سَحَرٍ وَيَغْتَسِلُ فِيْهِ فَيَزْدَادُ نُوْرًا اِلٰى نُوْرِهٖ وَجَمَالًا اِلٰى جَمَالِهٖ ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَيَخْلُقُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ كُلِّ نُقْطَةٍ تَقَعُ مِنْ رِيْشَةٍ كَذَا وَكَذَا اَلْفَ مَلَكٍ يَّدْخُلُ مِنْهُمُ الْبَيْتَ السَّبْعُوْنَ اَلْفًا ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔

عرش کے دہنی طرف نور کی ایک نہر ہے۔ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کے برابر۔ اس میں ہر سحر جبریل علیہ الصلوۃ والسلام نہاتے ہیں جس سے ان کے نور پر نور اور جمال پر جمال بڑھتا ہے۔ پھر پر جھاڑتے ہیں جو چھینٹ گرتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے اتنے اتنے ہزار فرشتے بناتا جن میں سے ستر ہزار بیت المعمور میں جاتے ہیں۔ پھر قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوتے۔

ذکرہ الامام فخر الدین الرازی فی تفسیر قولہ تعالی ویخلق ما لا تعلمون۔

(۱۲) ابو نعیم حلیم و ابن عساکر اور بیہقی کتاب الروایۃ میں بروایت علی ابن ابی ارطاہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ لِلّٰهِ الْمَلٰٓئِكَةَ تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ مَّخَافَتِهٖ مَا مِنْهُمْ مِنْ مَّلَكٍ يَقْطُرُ مِنْ عَيْنِهٖ دَمْعَةٌ اِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا قَائِمًا يُّسَبِّحُ۔ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں کہ خوف الٰہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے۔ ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے وہ گرتے گرتے فرشتہ ہو جاتا ہے کہ کھڑا ہوا رب العزت جل جلالہ کی تسبیح کرتا ہے۔

(۱۳) ابو الشیخ کعب احبار سے اس کے قریب راوی کہ۔

لَا تَقْطُرُ عَيْنُ مَلَكٍ مِّنْهُمْ اِلَّا كَانَتْ مَلَكًا

ان فرشتوں سے جس کی آنکھ سے کوئی بوند ٹپکتی ہے وہ

marfat.com

يُطِيْرُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔

ایک فرشتہ ہو کر خوف خدا سے اڑ جاتی ہے۔

(۱۴) ابن شکوال انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور پرنور افضل الصلوۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ، علیہ وعلیٰ آلہ فرماتے ہیں:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ تَعْظِیْمًا لِّحَقِّیْ خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَالِكَ الْقَوْلِ مَلَكًا لَّهٗ جَنَاحٌ بِالْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ بِالْمَغْرِبِ يَقُوْلُ عَزَّوَجَلَّ لَهٗ صَلِّ عَلٰى عَبْدِیْ كَمَا صَلّٰى عَلٰى نَبِیِّیْ فَهُوَ يُصَلِّیْ عَلَيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لیے درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرے جس کا ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے درود بھیج میرے بندے پر جیسے اس نے درود بھیجی میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وہ فرشتہ قیامت تک اس پر درود بھیجتا رہے۔

ذکرہ ایضا ابناسبع والفاکھانی۔

خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد اپنی کتاب مستطاب "اَلْكَلَامُ الْاَوْضَحُ فِیْ تَفْسِيْرِ اَلَمْ نَشْرَحْ" میں امام سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"خدا کا ایک فرشتہ ہے کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے وہ فرشتہ پانی میں غوطہ کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے، خدائے تعالیٰ ہر قطرہ سے کہ اس کے پروں سے جو ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لیے استغفار کرتے ہیں، انتھی کلامہ الشریف قدس سرہ اللطیف۔

(۱۵) مواہب شریف میں ہے:

قَدْ رُوِیَ اَنَّ ثُمَّ مَلٰٓئِكَةً يُّسَبِّحُوْنَ فَيَخْلُقُ اللّٰهُ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ مَلَكًا۔

مروی ہوا کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں کہ تسبیح الٰہی کرتے ہیں اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔

(۱۶) سیدی شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کے باب ۲۹۷ میں فرماتے ہیں: "نیک کلام اچھا کام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے"۔ ذکرہ فی البحث السابع عشر من الیواقیت۔

ان کے نزدیک آیت کریمہ: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ "اس کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے"۔ (پارہ ۲۲، ع ۱۴، فاطر) کے یہ معنی ہیں۔

(۱۷) امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورہ بقرو آل عمران پڑھتا ہے اللہ عزوجل اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے کہ روز قیامت اس قاری کی طرف سے جھگڑیں گے نقلہ الفاسی فی مطالع المسرات ان کے نزدیک حدیث احمد و مسلم اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنَ الطَّيْرِ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا کے یہ معنی ہیں۔

(۱۸) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی "میزان الشریعہ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں:

اَقْوَى الْمَلٰٓئِكَةِ وَاَشَدُّهُمْ حَيَآءً مَنْ كَانَ مَخْلُوْقًا مِّنْ اَنْفَاسِ النِّسَآءِ۔

یعنی آدمیوں کی سانس سے فرشتے بنتے ہیں اور ان میں قوی تر اور حیا میں زائد وہ ہوتے ہیں جو عورتوں کی سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

marfat.com

انفاس ناس سے فرشتے بننے کی تصریح فتوحات شریف میں بھی ہے۔

یہ اٹھارہ احادیث و اقوال ہیں جن میں آفرینش ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے' ان سے ثابت کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے۔ ہر روز بے شمار بنتے ہیں جن کی گنتی ان کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

"قُلْتُ اَغْرَبَ الْقُلْشَانِی فَزَعَمَ اَنَّ مَلٰئِکَةَ الْاَرْضِ وَالْجَوَاهِرِ کَبَتَهٗ مِنَ الطِّبَاعِ الْاَرْبَعِ وَاَشَارَ اَنَّ لَهُمْ فِیْ اَجْسَامِهِمْ وَمَا مَسْفُوْحًا قَالَ فِی الْیَوَاقِیْتِ قَالَ بَعْضُهُمْ وَلَعَلَّ مُرَادَهٗ بِهٰؤُلَاءِ الْمَلٰئِکَةِ الْقَاطِنِیْنَ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ نَوْعٌ مِّنَ الْجِنِّ سَمَّاهُمْ مَلٰئِکَةً اِصْطِلَاحًا لَّهٗ اھ' قُلْتُ وَمِثْلَهٗ غُرَابًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا اَنَّ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ قُرْبًا یَّتَوَالَدُوْنَ یُقَالُ لَهُمُ الْجِنُّ وَمِنْهُمْ اِبْلِیْسُ کَمَا نَقَلَهٗ فِیْ اِرْشَادِ السَّارِیْ وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ عَقِیْدَةَ اَهْلِ السُّنَّةِ فِی الْمَلٰئِکَةِ تَنْزِلُهُمْ عَنِ الذُّکُوْرَةِ وَالْاُنُوْثَةِ فَاِنَّ التَّوَالُدَ وَاَحْسَنَ مَحَامِلَهٗ هُوَ مَا مُؤْمِنُ تَسْمِیَةِ بَعْضِ الْجِنِّ مَلَکًا' واللہ تعالی اعلم۔

رہا ان کی موت کا حال' امام ولی الدین عراقی سے اسئلہ مکیہ میں اس باب میں سوال ہوا' جواب فرمایا:

لَمْ یَثْبُتْ فِیْ ذَالِکَ شَیْءٌ وَلَا یَجُوْزُ الْهُجُوْمُ عَلَیْهِ بِمُجَرَّدِ الْاِحْتِمَالِ وَلَا مَجَالَ لِلنَّظَرِ فِیْهِ وَلَا دَخْلَ لِلْقِیَاسِ۔

اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا اور محض احتمال سے اس پر جرات روا نہیں۔ نہ نظر کی یہاں گنجائش نہ قیاس کا دخل۔

نَقَلَهُ الْعَلَّامَةُ الْفَاسِیُّ فِیْ مَطَالِعِ الْمَسَرَّاتِ۔

بلکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تو انہیں مثل ارواح مانتے ہیں کہ نہ تھے مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں گے کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔

فتوحات شریف کے باب ۵۱۸ میں فرمایا:

اِنَّهٗ لَیْسَ لِلْمَلٰئِکَةِ اٰخِرَةٌ هُوَ ذَالِکَ اَنَّهُمْ لَا یَمُوْتُوْنَ فَیُبْعَثُوْنَ وَاِنَّمَا هُوَ صَعِقٌ وَاِفَاقَةٌ کَالنَّوْمِ وَالْاِفَاقَةِ مِنْهُ عِنْدَنَا ذَالِکَ حَالٌ لَا یَزَالُ عَلَیْهِ الْمُمْکِنُ فِی التَّجَلِّیِ الْاَجْمَالِیِ دُنْیَا وَاٰخِرَةً الخ نَقَلَهٗ فِی الْیَوَاقِیْتِ وَالْجَوَاهِرِ۔

اقول: شاید یہ مسئلہ تجسم و تجرد ملائکہ پر مبنی ہو جو انہیں نفوس مجردہ مانتے ہیں جیسے امام حجتہ الاسلام غزالی وغیرہ ان کے طور پر ملائکہ کے لیے موت نہ ہونی چاہیے کہ روح کبھی نہیں مرتی' موت جسم کے لیے ہے' یعنی روح کا اس سے جدا ہو جانا اور ملائکہ کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں جن سے نفوس شریفہ متعلق ہیں جیسا کہ جمہور اہل سنت کا مسلک ہے اور صدہا طور پر نصوص اسی طرف ناظر' ان کے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں اور یہی ظاہر مفاد آیت۔ اور احادیث تو اس میں بالتصریح وارد' تو یہی صحیح و معتمد ہے۔ "وَقَالَ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے جب آیہ کریمہ "کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ" اتریں کہ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں' ملائکہ بولے! زمین والے مرے یعنی ہم محفوظ ہیں جب آیہ کریمہ "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" نازل ہوئی کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ملائکہ نے کہا: اب ہم بھی مرے۔ "ذَکَرَهُ الْاِمَامُ الرَّازِیُ فِیْ

marfat.com

مَفَاتِیْحِ الْغَیْبِ"۔

ابن جریر انہیں سے راوی:

قَالَ وَ کُلُّ مَلَکِ الْمَوْتِ بِقَبْضِ اَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ۔ (الحدیث)

یعنی ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔

نیز ابن جریر' ابوالشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی' حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اٰخِرُھُمْ مَّوْتًا مَلَکُ الْمَوْتِ۔

فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مریں گے۔

بیہقی و فریابی نے بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت روایت کی' کہ جب سب فنا ہوں گے جبریل و میکائیل و ملک الموت باقی رہیں گے' کہ جب رب تبارک تعالیٰ کہ داناتر ہے ارشاد فرمائے گا' اے ملک الموت! اب کون باقی ہے' عرض کریں گے:

بَقِیَ وَجْھُکَ الْبَاقِی الدَّائِمِ وَعَبْدُکَ وَجِبْرِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَمَلَکُ الْمَوْتِ۔

باقی ہے تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور تیرے بندے جبرئیل و میکائیل و ملک الموت۔

حکم ہوگا تَغَرِّفْ نَفْسَ مِیْکَائِیْلَ "میکائیل کی روح قبض کر"۔ وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے۔ پھر فرمائے گا: اور وہ خوب جانتا ہے' اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے: "وَجْھُکَ الْبَاقِی الْکَرِیْمُ وَعَبْدُکَ جِبْرِیْلُ وَمَلَکُ الْمَوْتِ"۔ فرمائے گا: "تَغَرِّفْ نَفْسَ جِبْرِیْلَ" جبریل کی روح قبض کر۔ وہ اپنے پر پھٹپھٹاتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے' پھر فرمائے گا: اور وہ خوب جانتا ہے' اب کون رہا؟ عرض کریں گے: "وَجْھُکَ الْکَرِیْمُ وَعَبْدُکَ مَلَکُ الْمَوْتِ وَھُوَ مَیِّتٌ"۔ تیرا وجود کریم کہ ہمیشہ رہے گا اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرجائے گا۔ فرمائے گا: "مُتْ"۔ مرجا۔ وہ بھی مر جائیں گے' پھر فرمائے گا: ابتدا میں' میں نے خلق بنائی اور میں پھر اسے زندہ کروں گا' کہاں ہیں سلاطین مغرور جو ملک کا دعویٰ کرتے تھے۔ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا' خود فرمائے گا: "لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ" آج بادشاہی ہے اللہ غالب کی۔ مُلْفِقٌ مِّنْھُمَا وَعِنْدَ الْفَرْیَابِیِّ اِنَّ اٰخِرَھُمْ مَوْتًا جِبْرِیْلَ۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

ثم اقول: اس حدیث سے ملائکہ مقربین کا روز قیامت زندہ رہنا معلوم ہی ہوا' اور حدیث نمبر۶ میں سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے گزرا کہ یہ بے شمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں' قیامت تک ملائکہ کے ساتھ اڑتے پھریں گے اور حدیث نمبر۱۰ میں یہ گزرا کہ یہ ستر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں قیامت تک مُصَلِّیْ پر درود بھیجتا ہے۔

روایت سخاوی میں گزرا اس کے پر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں قیامت تک مُصَلِّیْ کے لیے استغفار کریں گے۔

ہر مسلمان کے ساتھ جو کراماً کاتبین ہیں ان کے لیے حدیث میں آیا مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے اور وہاں رہنے کا اذن طلب کرتے ہیں جو حکم ہوتا میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں کہ وہ میری تسبیح کرتے ہیں۔ عرض کرتے تو ہمیں حکم ہو کہ زمین میں رہیں۔ فرمان ہوتا ہے میری زمین مخلوق سے بھری ہے کہ میری تسبیح کرتے ہیں۔

وَلٰکِنْ قُوْمَا عَلٰی قَبْرِ عَبْدِیْ فَسَبِّحَانِیْ وَھَلِّلَانِیْ وَکَبِّرَانِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاُکْتُبَاہُ

مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک میری تسبیح و تہلیل و تکبیر کرو اور اس کا ثواب میرے بندے کے لیے

marfat.com

لِعَبْدِیْ۔ لکھتے رہو۔

اَخْرَجَہٗ اَبُوْنُعَیْم عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ اِلْخُدْرِیِّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الْبَعْثِ وَابْنُ اَبِی الدُّنْیَا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا۔

یونہی اور احادیث بھی ان حدیثوں سے بے شمار ملائکہ کا قیامت تک زندہ رہنا ثابت اور اصلا کسی حدیث میں نہ آیا کہ کسی فرشتہ کو موت لاحق ہوئی' بلکہ روایت مذکورہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صاف ظاہر کہ نزول آیہ کریمہ "کل نفس ذائقہ الموت" تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ملائکہ کے لیے قیامت سے پہلے موت نہیں' بلکہ جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ انسان و جن و حیوانات کی موت بیان کر کے فرمایا:

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَمُوْتُوْنَ فِی الصَّعْقَۃِ الْاُوْلٰی وَاِنَّ مَلَکَ الْمَوْتِ یَقْبِضُ اَرْوَاحَھُمْ ثُمَّ یَمُوْتُ۔

فرشتے اس وقت مریں گے جب پہلا صور پھونکا جائے گا ملک الموت ان کی روح قبض کریں گے' پھر وہ خود بھی مرجائیں گے۔

یہ حدیث مقصود میں نص تھی "لَوْلَا مَا فِیْ جَوَیْبِرٍ مِّنْ ضُعْفٍ قَوِیٌّ وَلَا جَوَیْبِرٍ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ"۔

تکمیل: بعد ختم اس تحریر کے فتاوٰی حدیثیہ امام علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ المکی میں ایک فتوٰی متعلق بملائکہ دوسرا متعلق بحور وعین نظر فقیر سے گزرا۔ امام نے اس میں موت ملائکہ پر اجماع نقل فرمایا۔ حَیْثُ قَالَ۔

اَمَّا الْمَلٰٓئِکَۃُ فَیَمُوْتُوْنَ بِالنُّصُوْصِ وَالْاِجْمَاعِ وَیَتَوَلّٰی قَبْضَ اَرْوَاحِھِمْ مَلَکُ الْمَوْتِ وَیَمُوْتُ مَلَکُ الْمَوْتِ بِلَا مَلَکِ الْمَوْتِ۔

لیکن ملائکہ پس یہ مرجائیں گے۔ یہ بات نصوص اور اجماع سے ثابت ہے اور ان کی ارواح ملک الموت قبض کریں گے اور ملک الموت بھی مرجائیں گے بغیر ملک الموت کے۔ (مترجم)

اور ان کا کلام بھی ظاہر یہی ہے کہ موت ملائکہ نفخ صور سے ہوگی سوا حاملان عرش و چار مقرب (فرشتوں) کے کہ یہ اس کے بعد وفات پائیں گے۔

حَیْثُ قَالَ فِی الْفَتْوَی الْمُتَعَلِّقَۃِ بِالْمَلٰٓئِکَۃِ بِالنَّفْخِ فِی الصُّوْرِ یَمُوْتُوْنَ اِلَّا حَمَلَۃَ الْعَرْشِ وَجِبْرِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَمَلَکَ الْمَوْتِ' ثُمَّ یَمُوْتُوْنَ اَثَرَ ذَالِکَ۔

اور دوبار آفرینش بھی اسی کا اِستِظْھَار فرمایا کہ ملائکہ ایک ہی دفعہ نہ بنے' بلکہ ان کی پیدائش بدفعات ہے۔ "حَیْثُ قَالَ ظَاھِرُ السُّنَّۃِ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَمْ یَخْلُقُوْا دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً"۔

پھر احادیث "مَا نَحْنُ فِیْہِ" کے متعلق صرف سات ذکر فرمائیں جن میں پانچ تودی ۲' ۳' ۹' ۱۲' ۱۳ ہیں کہ مذکور ہوئیں' دو تازہ ہیں کہ فیض امام سے ان اٹھارہ میں ملا کر بیس کا وعدہ کامل کیجئے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

(۱۹) ابوالشیخ وہب بن منبہ سے راوی:

قَالَ اِنَّ اللّٰہَ نَھْرًا فِی الْھَوَا یَسْمَحُ الْاَرْضِیْنَ کُلَّھَا سَبْعَ مَرَّاتٍ فَیَنْزِلُ عَلٰی ذَالِکَ النَّھْرِ مَلَکٌ وَمِنَ السَّمَآءِ فَیَمْلَؤُہٗ وَیَسُدُّ مَا بَیْنَ

اللہ تعالٰی کے لیے ہوا میں ایک نہر ہے کہ سب زمینیں مل کر سات دفعہ اس میں سما جائیں' اس نہر پر آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے کہ اپنی جسامت سے اسے بھر دیتا ہے اور اس کے

marfat.com

اَطْرَافِہٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ مِنْہُ فَاِذَا خَرَجَ مِنْہُ قَطْرٌ مِّنْہُ قَطَرَاتٍ مِّنْ نُّوْرٍ فَیَخْلُقُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ قَطْرَۃٍ مِّنْھَا مَلَکًا یُّسَبِّحُ اللّٰہُ بِجَمِیْعِ تَسْبِیْحِ الْخَلَائِقِ کُلِّھِمْ۔

کنارے بند کر دیتا ہے' پھر اس میں نہاتا ہے جب باہر آتا ہے اس سے نور کی بوند ٹپکتی ہیں' اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ بناتا ہے کہ تمام مخلوقات کی تسبیح سے اس کی تسبیح کرتا ہے۔

(۲۰) وہی علاء بن ہارون سے راوی:

قَالَ لِجِبْرِیْلَ کُلَّ یَوْمٍ اِنْغِمَاسٌ فِی الْکَوْثَرِ ثُمَّ یَنْتَفِضُ فَکُلُّ قَطْرَۃٍ یَّخْلُقُ مِنْھَا مَلَکٌ۔

جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام ہر روز کوثر میں ایک ڈبکی لگا کر پر جھاڑتے ہیں ہر بوند سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور حدیث یاد آئی۔

(۲۱) ابن ابی الدنیا اور ابو الشیخ "کتاب الثواب" میں امام جعفر صادق وہ اپنے والد ماجد وہ اپنے جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی' حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مَا اَدْخَلَ رَجُلٌ عَلٰی مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اِلَّا خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَالِکَ السُّرُوْرِ مَلَکًا یَعْبُدُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَیُوَحِّدُہٗ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِیْ قَبْرِہٖ اَتَاہُ ذَالِکَ السُّرُوْرُ۔ (الحدیث)

جو کسی مسلمان کو خوش کرے اللہ تعالیٰ اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرے کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا رہے جب وہ بندہ قبر میں جائے یہ فرشتہ اس کے پاس آکر کہے' مجھے پہچانتا ہے' میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی' آج میں وحشت میں تیرا دل بہلاؤں گا اور تیری حجت تجھے سکھاؤں گا اور قول و ایمان پر تجھے ثابت کروں گا اور قیامت کے ہر مشہد میں تیرے ساتھ رہوں گا اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا اور جنت میں تیرا مکان تجھے دکھاؤں گا۔

غرض بڑی عظمت والا ہے بادشاہ عرش عظیم کا رب ملک و روح کریم کا' سب خلق سے چن لینے والا محمد رسول اللہ رؤف الرحیم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

marfat.com

عارف باللہ مفتی اعظم ہند الحاج الشاہ مصطفی رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان

آفتاب آمد دلیل آمد

قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کے دلائل

قرآن حکیم بلاشبہ کلام الٰہی و کتاب آسمانی ہے اور اپنی اصل شکل میں باقی' ترمیم و تحریف نے چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود اس کا کچھ نہ بگاڑا۔ اس کا خود ارشاد ہے: لاریب فیہ۔ "اس میں شک گوارا نہیں"۔ یہ کلام پاک تمام تر شک و شبہ سے پاک و منزہ ہے۔ اس میں ترمیم و تبدیلی کا قائل یقیناً قطعاً کافر ہے۔ اس کا اسلام سے کچھ علاقہ نہیں۔ اگرچہ ہزار بار وہ دعوائے مسلمانی کرے۔ اسلامی تعلیم سے بے بہرہ اور انگریزی تعلیم و تہذیب کے دلدادہ بعض مسلمان کہلانے والے قرآن پاک کو بھی عام کتابوں پر قیاس کرکے اپنی فہم قاصر سے اس پر اعتراض کرتے یا اس کو ناقابل عمل گردانتے ہیں۔ ان کے خارج از اسلام رہنے میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قرآن بنیاد اسلام ہے۔ جب بنیاد ہی نہ ہوگی تو عمارت کیسے باقی رہے گی۔ ایسے ہی بعض نافہموں' عقل کے دشمنوں' اسلام کے جھوٹے مدعیوں کے رد میں تاجدار اہلسنت سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمتہ نے ایک استفتاء کے جواب میں قلم اٹھایا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت درجہ جامع اور مفید ہے کہ عقل سلیم کو بجز تسلیم یارا نہیں۔

قرآن حکیم کے کتاب الٰہی ہونے کے دلائل پر اسلاف کرام نے بے شمار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ تفسیر نعیمی مصنفہ حکیم الامت حضرت علامہ احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمہ میں ان دلائل کا نچوڑ موجود ہے' بلکہ مزید دلائل حضرت مفتی صاحب نے ایسے بھی سپرد قلم کیے ہیں جو کتب ماسبق میں نہیں ملتے۔ اب ذیل میں سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمتہ کا جواب مع سوال ملاحظہ ہو۔ (محمد عبدالمبین نعمانی قادری)

مسئلہ از شہر بریلی سنہری مسجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قرآن شریف آسمانی کتاب ہے اور خدا کا فرمان ہے لیکن بکر کہتا

marfat.com

ہے کہ نہیں۔ لہٰذا زید کو کیا کیا دلیلیں پیش کرنی چاہیے کہ جس سے اس کی تسکین ہو؟ فقط۔

الجواب: آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ قرآن خود اپنی دلیل آپ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے۔ اس زمانے میں جب فصاحت و بلاغت کا بازار گرم تھا۔ زبان عربی کی ترقی کا عہد شباب تھا۔ فصحاء و بلغاء کا دور دورہ تھا۔ بچہ فصیح و بلیغ ماں باپ کی گود میں پلتا۔ زبان کھلتے ہی فصیح و بلیغ ہوتا۔ لڑکیاں قصائد برجستہ کہا کرتی تھیں۔ شعراء اپنے قصیدے لکھ لکھ کر کعبہ معظمہ کے دروازے پر لٹکایا کرتے اور پھر ان کے جواب ہوا کرتے۔ قرآن عظیم حضرت سیدتنا آمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابنہا ثم علیہا و سلم کے یتیم فرزند ارجمند پر جن کے سر مبارک پر برائے تربیت و تعلیم باپ دادا نہ تھے۔ جن کی عمر شریف اوائل ایام حلیمہ سعدیہ بدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں بادیہ (جنگل) میں بسر ہوئی۔ جنہوں نے کسی انسان سے کتاب کا کوئی حرف نہ پڑھا' نازل ہوا۔ جس نے تحدی (چیلنج) فرمائی کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (البقرہ: ۲-۲۳)

یعنی اے مئے فصاحت کے متوالو! اے شراب بلاغت سے سرشارو! اے زبان کے ایسے مدعیو کہ دوسروں کو گونگا بتانے والو! اگر تم دربارۂ قرآن کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شک میں پڑے ہو تو اس کی سی ایک چھوٹی سی سورت کہہ لاؤ۔

اور نہ تم ہی بلکہ

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۔ (البقرہ: ۲' ۲۴-۲۳)

اور اللہ عزوجل کے سوا جنہیں تم نے معبود بنالیا ہے انہیں بھی مدد کے لیے پکارو اگر تم سچے ہو' پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہیں۔

کہیں فرمایا:

اَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس: ۱۰-۱۷)

سب کے سب جمع ہو جاؤ اپنے کام پکے کر لو' اپنے شرکاء کو بھی جمع کر لو۔

کہیں فرمایا:

لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ (اسراء: ۱۷-۸۸)

ہرگز اس کی مثال نہ لا سکیں گے اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہوں۔

قرآن تو کلام اللہ "صِفَةٌ مِّنْ صِفَاتِ اللّٰهِ" (اللہ کی صفتوں میں سے ایک صفت) ہے' کوئی اس کا مثل کیونکر لا سکے۔ جو شے بھی اللہ عزوجل کے یہاں سے ہو محال ہے کہ تمام عوالم (جہان) مل کر بھی اس کا مثل بنا سکیں۔ پانی کا قطرہ قطرہ' مٹی کا ذرہ ذرہ' ہوا کا ہر حصہ' آگ کی ہر ہر چنگاری' نور کا ہر ہر نمونہ' غرض کہ عوالم کی ہر ہر شے کا ہر ہر ریزہ گواہ ہے۔ نہ اصل کی مثل کوئی لا سکتا ہے' نہ فرع کی مثل کوئی بنا سکتا ہے۔ اصل و فرع روح و جسم کا مثل کیا معنی' کوئی محض صورت کا مثل بھی نہیں بنا سکتا۔ وہ رنگ و روپ نہیں لا سکتا۔

ایسی جو بھی چیز نظر آتی ہے یا محسوس ہوتی ہے جس کا مثل عوالم میں کسی سے ممکن نہ ہو۔ عقل و شعور رکھنے والا بلکہ پاگل

marfat.com

بھی اسے اللہ عزوجل محض قدرت سے جانتا اور سچے دل سے اسے اللہ عزوجل کا مخلوق مانتا ہے تو قرآن عظیم جو اس خالق مجدہ کی صفت ہے جس کی کسی مخلوق کا مثل تمام عالموں میں سے کسی شے سے ممکن نہیں تو اس کی صفت کا مثل کوئی کیونکر کس طرح لا سکے۔

قرآن کا مثل ناممکن ہونا باعلیٰ ندائے منادی کہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ علماء وبلغائے عرب جس کے مقابلے سے عاجز ہوئے ان میں بہت وہ جن کے نصیب میں ہدایت تھی' اسے سن کر ہی ہدایت یاب ہوئے اور پکار اٹھے کہ یہ کلام' کلام بشر نہیں اور سچے دل سے اسے کلام اللہ اعتقاد کر کے ایمان لائے۔ اور بدنصیب جن کے قلوب پر عناد و جہالت کے غطا (پردے) تھے' اگرچہ دل سے وہ بھی "مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ" (یہ بشر کا کلام نہیں) مجبوراً مانا کیے مگر عناداً یہی کہتے رہے کہ "لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا" (اگر ہم چاہتے تو اس کے مثل کہہ ڈالتے)۔ بے شک می دانند (جانتے ہیں) کہ انہیں کچھ مخفی قدرت ہوتی تو کس دن کے لیے اٹھا رکھتے۔ قرآن اگر کلام بشر ہوتا تو کیا وہ زبان داں جو اپنے آگے تمام دنیا کو گونگا جانتے' وہ فصحاء بلغاء جن کے آگے فصاحت وبلاغت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی' جن کی لونڈیاں برجستہ قصائد پڑھا کرتیں۔ قرآن کے آگے کیوں گونگے ہو جاتے؟

قرآن اگر کلام بشر ہوتا تو اس میں ایسی گرفتگی' ایسا جذبہ' ایسی خوبی' ایسی خوش اسلوبی' یہ حسن' یہ ملاحت' یہ سلاست' یہ لطافت کہاں ہوتی۔ یہ اثر کب ہوتا کہ معاندوں (ہٹ دھرموں) کو جب کچھ نہ بن پڑتا تو کہتے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (حم سجدہ: ۴۱-۲۶)

اس قرآن کو نہ سنو' نہ کسی کو سننے دو کہ جو سنے گا اسی کا کلمہ پڑھے گا' ہم سے ٹوٹ کر اس کا ہو رہے گا' جب قرآن پڑھا جائے تو غل شور مچاؤ' غل بل غل بل کرو کہ تم غالب آؤ۔

کہ نہ لوگ قرآن سنیں گے نہ ایمان لائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ کلام بشر ہوتا تو وہ فصحاء وبلغاء اس کے مقابلے سے کیوں عاجز درماندہ رہتے۔ خود ہی ہر شخص علیحدہ علیحدہ مستقل قرآن اس کے مقابل بنا کر پیش کرتا۔ پھر جب کہ قرآن کی وہ تحدی دیکھتا جب تو جان توڑ کوشش سے مقابلہ کرتا۔

جب کافر اس تحدی پر بھی اس کی سی ایک سورت نہ بنا کر لا سکے.. جب معاند ان کے سننے سے رکے اور اوروں کو روکا اور اس کی آواز کان میں نہ پڑ جائے' غل شور مچانے' غل بل غل بل کرنے لگے تو روز روشن سے زیادہ روشن و آشکارا ہوا کہ قرآن ایسی بے مثل کتاب ہے جس کا مثل کسی سے ممکن نہیں۔ جو ایسی چیز ہو جس کا مثل ممکن نہ ہو' وہ خدا ہی کی ہوتی ہے تو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و تاباں کہ قرآن کلام اللہ ہے' ہرگز کلام بشر نہیں۔

پھر قرآن ان کے اٹل احکام "لَمْ يَزَلْ" اوامر و نواہی محکم قواعد و قوانین اپنے مخالفوں کو بھی مجبور کر کے کہلوا لیتے ہیں کہ بے شک یہ خداوندی ہے ہرگز یہ بشری نہیں' اعلیٰ سے اعلیٰ عقلاء جمع ہو کر جو قوانین وضع کرتے ہیں کبھی فوراً کبھی کچھ دن بعد انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ان میں ترمیم کریں یا منسوخ کریں۔ نئے قوانین بنائیں مگر قرآنی قوانین------ ایسے قوانین نہیں جن میں کوئی تبدیلی' کوئی تغیر' ذرا بھی ترمیم یا کسی تھوڑی سی تنسیخ کی حاجت ہو' وہ آج سے تیرہ سو برس پہلے جیسے ضروری تھے۔ ڈیڑھ ہزار برس کے قریب زمانہ گزرتا ہے آج بھی ویسے ہی ضروری ہیں اور تاقیامت ان کی اسی طرح حاجت و ضرورت رہے گی۔

دنیا بھر میں قرآنی قوانین کا شہرہ ہے۔ قرآنی قوانین عالمگیر و ہمہ گیر قوانین ہیں۔ دنیا بھر کے سلاطین انہیں قوانین کی سرکار کے بھکاری ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ عناد سے تسلیم نہ کریں۔ یا کسی قرآنی قانون کی من مانی صورت بنالیں۔

marfat.com

قرآن خدا کا کلام ہونے کے ثبوت میں کسی کے کہنے کا محتاج نہیں کہ دنیا کے معتبر لوگ کہیں کہ یہ کلام خدا ہے تو اس کا کلام خدا ہونا ثابت ہو' وہ خود آپ اپنی دلیل ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید
(مشک وہ ہے جو خود مہکے اس کے لیے عطار کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ مشک ہے)

وَاللّٰہُ تَعَالٰی ھُوَالْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعَلَّمَہٗ جَلَّ مَجْدُہٗ اَتَمَّ وَاَحْکَمَ۔
(فتاویٰ مصطفویہ جلد اول' ص ۱۹ تا ۲۰' مطبوعہ مکتبہ رضا سیل پور پیلی بھیت)

marfat.com

از قلم: شیر بیشہ اہلسنت حضرت مولانا مفتی **شاہ محمد حشمت علی خاں** صاحب علیہ الرحمتہ والرضوان (پیلی بھیت)

حضور اکرم ﷺ کے آباء کرام موحد تھے
اور نجاست کفر سے پاک تھے

حضرت شیر بیشہ سنت کا باطل شکن فتویٰ

مسئلہ: آمدہ از محلہ زیدون متصل مسجد پٹھو شہر فتح پور مولانا حافظ عبد السلام قادری برکاتی رضوی فتح پوری------ دوشنبہ مبارکہ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہل سنت و مفتیان دین و ملت دامت افاداتہم ارشاد اتہم اس مسئلہ میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن و ناجی ہونے کے متعلق راجح و صحیح قول کیا ہے اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ میں جو کچھ لکھا ہے اور رشید احمد گنگوہی نے اس مسئلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی بنا پر ان کا حکم شرعی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ۔ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا وَعَلٰی ذَوِیْہِ وَصَحْبِہٖ اَبَدَ الدَّھُوْرِ وَ کَرَمَا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ تَعَالٰی بِلُطْفِہٖ وَ کَرَمِہٖ عَنْ اَنْ یَّضَعَ نُوْرَ حَبِیْبِہِ الْمُطَھَّرِ النُّوْرَانِیِّ فِی الْمَوْضِعِ النَّجِسِ الظُّلْمَانِیِّ وَتَنَزَّہَ بِفَضْلِہٖ وَرَحْمَتِہٖ عَنْ اَنْ یَّدْخُلَ اُصُوْلَ رَسُوْلِہِ الرَّءُوْفِ الرَّحِیْمِ الْعَطُوْفِ الْکَرِیْمِ فِی الْعَذَابِ النِّیْرَانِیِّ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَاَکْمَلُ السَّلَامِ عَلٰی حَبِیْبِہٖ خَیْرِ الْاَنَامِ الَّذِیْ شَمَّلَ دِیْنَہُ الْاِسْلَامَ اُصُوْلَہُ الْکِرَامَ وَ عَلٰی اٰبَائِہِ الْعِظَامِ وَ اُمَّھَاتِہٖ ذَوَاتِ الْعِزِّ وَالْاِحْتِرَامِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ ابْنِہِ الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ وَ اَحْزَابِہٖ وَ سِرَاجِ اُمَّتِہِ الْاِمَامِ

marfat.com

اَلْاَعْظَمِ الْعَالَمِ بِدِیْنِہٖ وَ کِتَابِہٖ وَعَلَیْنَا وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِنَا وَاَخَوَاتِنَا مِنْ اَھْلِ سُنَّتِہٖ وَجَمَاعَتِہِ الْمُتَادِّبِیْنَ بِتَعْظِیْمِہٖ وَاٰدَابِہٖ۔ اٰمِیْنَ۔

بے شک اس مسئلہ میں حق و صحیح و صدق و نجیح و صواب رجیح یہی ہے کہ سیدنا عبداللہ و سیدتنا آمنہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سیدنا آدم صفی اللہ و سیدتنا حواء ام البشر علیہ و علیہما الصلوۃ والسلام تک جن مقدس مردوں کے اصلاب طیبہ میں اور جن مبارک عورتوں کے ارحام طاہرہ میں حضور اقدس سید عالم روح مصور و نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کا نور اقدس منتقل ہوتا رہا، وہ سب کے سب بہ فضلہ و کرمہ سبحانہ و تعالیٰ مومن موحد صالح ناجی جنتی مفلح گزرے۔ ان میں کوئی مشرک و کافر نہ ہوا۔ یہی مضمون متعدد آیات قرآنیہ اور بکثرت احادیث نبویہ و اقوال علماء سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضور پرنور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولانا الشاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رسالہ مقدسہ مسمی بنام تاریخی شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام میں واضح و روشن اور متعدد آیات الہیہ و احادیث نبویہ علی صاحبہا و آلہ الصلوۃ والتحیہ سے ثابت و مبرہن فرمایا اور بے شک اسی میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے دلوں کا چین ہے۔ اسی سے مصطفیٰ پیارے صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کے بندگان بارگاہ کے قلوب ٹھنڈک پاتے ہیں اور دشمنان بے دین ملحدین کے دل و جگر جل کر کباب ہو جاتے ہیں اور بے شک اس مسئلہ میں ملا علی قاری رحمہ الباری سے سخت فاحش غلطی ہوئی جس کا اتباع ہرگز جائز نہیں اور بے شک اس مسئلہ میں رشید احمد گنگوہی نے جو فتاویٰ گنگوہیہ حصہ سوم مطبوعہ افضل المطابع مراد آباد کے صفحہ ۱۴۷ پر لکھا کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان میں اختلاف ہے۔ حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے اور براہ جسارت و قاحت اس پر حاشیہ جڑا کہ "فقہ اکبر میں ملا علی قاری مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں مرقوم ہے"۔ یہ حضور پرنور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افتراء محض اور بہتان خالص ہے۔

اولاً : ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی کوئی کتاب "فقہ اکبر" نام کی نہیں۔ ایک فقہ اکبر حضور سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، دوسری فقہ اکبر حضرت سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ ہرگز! ہرگز! ہرگز! حضور سیدنا امام اعظم یا حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہیں یہ نہ فرمایا کہ معاذ اللہ! معاذ اللہ! ابوین طیبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے۔ فَیَا اُذُنَابَ الْگَنْگَوْھِیِّ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ تو اے گنگوہی کے دم چھلو! اگر تم سچے ہو تو اپنی برہان آگے لاؤ۔

ثانیاً : اگر گنگوہی کے دم چھلے گنگوہی کی تائید میں یہ عبارت پیش کریں "وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کفر پر مرے ہیں تو فقہ اکبر شریف کے اکثر نسخوں میں تو یہ فقرہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ فقیر کے پاس مصر کے دو مطبعوں کے چھپے ہوئے دو نسخے فقہ اکبر شریف کے موجود ہیں۔ دونوں میں سے کسی نسخے میں اس فقرہ کا قطعاً پتہ نہیں، بلکہ فقیر کے کتب خانہ میں نسخہ شرح فقہ اکبر للملا علی القاری مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بہ مصر موجود ہے۔ اس میں بھی نہ یہ فقرہ ہے نہ اس کی شرح کے الفاظ۔

ثالثاً : فقہ اکبر شریف کے جن نسخوں میں یہ عبارت ہے وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ انہیں نسخوں میں اسی عبارت کے متصل یہ عبارت بھی ہے وَمَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ یعنی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

marfat.com

نے ایمان پر انتقال فرمایا۔ اس پر خود ملا علی قاری کو تنبہ ہوا اور فرمایا لَا یُحْتَاجُ اِلٰی ذِکْرِہٖ لِعُلُوِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَا الشَّانِ یعنی اس فقرہ کو ذکر کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی' اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس معاملہ میں بہت بلند و بالا شان رکھتے ہیں۔

اقول اور بات بھی یہی ہے کہ ایسی بات اس کے متعلق کہی جاتی ہے جس کے خاتمہ میں شبہ ہو شرع مطہرہ سے یقینی طور پر ضح و روشن نہ ہو کہ کفر پر ہوا یا ایمان پر۔ وہیں کہا جاتا ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ فلاں دلیل شرعی اس امر پر قائم ہے اور ر ایک نبی کا خاتمہ ایمان کے اس اعلیٰ مرتبہ پر ہونا جو ہرگز کسی غیر نبی کے لیے متصور نہیں ضروریات دین سے ہے' جس کا منکر' نہ کفر' بلکہ اس میں شک رکھنے والا' نہ شک رکھنے والا' بلکہ جو اس میں شک رکھنے والے کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے' وہ بھی قطعاً یقیناً کافر و مرتد ہے' اور عیاذاً باللہ تعالیٰ بے توبہ مرا تو مستحق نار ابد ہے۔ پھر حضور اقدس سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم کے متعلق یہ مضمون ایسے کمزور لہجہ میں بیان کرنا ہرگز شان امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصور نہیں۔ لاجرم! خود ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے الحاقی ہونے کا اشعار فرمایا حَیْثُ قَالَ لَیْسَ ھٰذِہِ النُّسْخَۃُ فِیْ اَصْلِ شَارِحٍ لَصَدْرِ لِھٰذَا الْمَیْدَانِ لِکَوْنِہٖ ظَاھِرًا فِیْ مَعْرِضِ الْبَیَانِ اس لیے کہ انہوں نے فرمایا اور یہ عبارت شارح کے اصل نسخہ فقہ اکبر شریف میں نہیں ہے جو اس میدان کے شہسوار ہیں کیونکہ یہ مضمون مقام بیان میں خود ہی ظاہر ہے۔

یہ ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے پہلا جواب جس کی طرف حضرت علامہ سید طحطاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے حاشی مبارکہ علی الدر المختار میں ان کلمات سے اشارہ فرمایا وَیَدُلُّ عَلٰی ذَالِکَ اَنَّ النُّسَخَ الْمُعْتَبَرَۃَ لَیْسَ فِیْھَا شَیْءٌ مِّنْ ذَالِکَ یعنی یہ عبارت ہرگز امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ فقہ اکبر شریف کے جو معتمد نسخے ہیں ان میں اس عبارت میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضور پر نور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ مولانا الشاہ عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب مستطاب المعتمد المستند بناء نجاہ الابد (۱۳۲۰ھ) کے صفحہ ۱۵۲ پر اسی مبحث میں فرماتے ہیں:

وَلِھٰذِہِ الْعِبَارَۃُ قَرِیْنَۃٌ اُخْرٰی تُوْجَدُ مِثْلُھَا فِیْ بَعْضِ النُّسَخِ دُوْنَ الْاُخْرٰی وَھِیَ قَوْلُہٗ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَالْعَلَّامَۃُ الْقَارِیُّ نَفْسُہٗ قَدِ ارْتَابَ فِیْ صِحَّۃِ نُسْخَتِھَا اِلَی الْکِتَابِ حَیْثُ قَالَ لَعَلَّ مَرَامَ الْاِمَامِ عَلٰی تَقْدِیْرِ صِحَّۃٍ وَوَرَدَ ھٰذَا الْکَلَامَ الخ فَانْقَطَعَ بِھٰذِہٖ مَعَ اِشْتِرَاکِھِمَا فِیْ خُلُوِّ النُّسَخِ الْمُعْتَمِدَۃِ مِنْھُمَا مِمَّا یُفْضِیْ اِلَی الْعَجَبِ۔

یعنی اور اسی عبارت کے ساتھ ایک دوسری عبارت ہے جو اسی کی طرح بعض نسخوں میں پائی جاتی ہے اور دوسرے نسخوں میں نہیں ہے اور وہ یہ عبارت ہے: "وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَی الْاِیْمَانِ" یعنی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ایمان پر انتقال فرمایا۔ اور خود علامہ علی قاری کو اس بارے میں شک ہوگیا کہ فقہ اکبر شریف کی طرف اس عبارت کی نسبت صحیح ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر فقہ اکبر شریف میں اس عبارت کا ہونا صحیح فرض کرلیا جائے تو شاید امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ ہوگا کہ فقہ اکبر شریف کا متن عقیدۂ ضروریہ دینیہ کے بیان سے خالی نہ رہے۔ تو تعجب کی بات ہے کہ ملا علی قاری نے یہ یقین کرلیا کہ وہ عبارت

marfat.com

"وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ" ضرور فقہ اکبر شریف کی ہے۔ حالانکہ دونوں عبارتیں اس بات میں باہم ایک دوسرے کی شریک ہیں کہ فقہ اکبر شریف کے معتمد علیہ نسخے ان دونوں عبارتوں سے خالی ہیں۔

رابعاً : اسی فقرہ کے بعد یہ فقرہ ہے:

وَاَبُوْطَالِبٍ عَمُّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَاتَ کَافِرًا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ ابو طالب کافر مرے۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حضور پرنور سید الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب وہی ہوتا جو گنگوہی نے لکھا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ اس طرح کیوں فرماتے کہ وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَاَبُوْطَالِبٍ عَمُّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَاتَ کَافِرًا۔

اتنا حشو شان امام اعظم کے خلاف اور حیثیت متن سے بعید ہے' کلام یوں بھی ہو سکتا تھا کہ وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْطَالِبٍ عَمُّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَاتُوْا کَافِرِیْنَ۔

بلکہ اس پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اصل عبارت یوں تھی کہ

وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ وَمَاتَا عَلَی الْاِیْمَانِ وَاَبُوْطَالِبٍ عَمُّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَبُوْعَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مَاتَ کَافِرًا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے والدین کا انتقال کفر پر نہیں ہوا بلکہ وہ دونوں دنیا سے ایمان پر گئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے چچا اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے باپ ابو طالب دنیا سے کافر گئے۔

جملہ اولیٰ میں ما نافیہ قلم ناسخ سے رہ گیا تو عبارت یوں ہو گئی "وَوَالِدَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ وَمَاتَا عَلَی الْاِیْمَانِ"۔

اب ناقلین کو مشکل پڑ گئی۔ دونوں جگہ ماتا کی ضمیر تثنیہ کا مرجع اگر والدین کریمین کو رکھتے تو تناقض لازم آتا' لہٰذا بعض نے تو اس جملہ میں سقط دیکھ کر یعنی نقل میں سے اس پوری عبارت کو بالکل ہی اڑا دیا وَلَنِعْمَ مَا فَعَلُوْا حَیْثُ لَاضَلُّوْا وَلَا اَضَلُّوْا۔ اور بعض نے کلام کو تناقض سے بچانے کے لیے یہ متعین کیا کہ دوسری جگہ ماتا بصیغہ تثنیہ صحیح نہیں بلکہ مات بصیغہ واحد ہے جس میں ناسخ کی غلطی سے الف بڑھ گیا اور پھر مات کا مرجع بنانے کے لیے اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بڑھایا۔ اب عبارت وہ ہو گئی جو ملا علی قاری نے نقل کی مگر حقیقتاً خود ناقلین سے ناسخ اول کی غلطی متعین کرنے میں غلطی ہوئی اور اس کی زلت قلمی اور ان کی خطائے علمی سے اس عبارت کی یہ گت بن گئی۔ یہ ہے عبارت مذکورہ کا فقہ اکبر کی طرف سے دوسرا جواب جس کا رسالہ "ھِدَایَۃُ النَّبِیِّ اِلٰی اِسْلَامِ اٰبَاءِ النَّبِیِّ" میں بحوالہ علامہ

marfat.com

بزرنجی افادہ فرمایا۔

"یعنی خدا کی قسم انہوں نے خوب کیا کہ نہ تو خود گمراہ ہوئے نہ کسی اور کو گمراہ کیا کہ بالفرض اگر فقہ اکبر میں یہ جملہ پایا جائے تو ماتا کے قبل ما لکھنے سے سہوا رہ گیا یعنی مَامَاتَا عَلَى الْكُفْرِ۔

خامسا : رسالہ مبارکہ مسمی بنام تاریخی "مَنْعُ السَّفْهِ الْاَكْبَرِ عَنْ قَلْبِ الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ" میں ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ فقرہ علامہ بخاری کے حواشی سے ہے۔ یہ حاشیہ بعض نسخے کے متن میں مندرج ہو گیا جس کے سبب بعض شراح کو اشتباہ ہو گیا۔

یہ ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے عبارت مذکورہ کا تیسرا جواب جس کا افادہ حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی "تعلیقات علی الدر المختار" میں ان کلمات سے فرمایا:

قَالَ ابْنُ حَجَرِ الْمَكِّيِّ فِيْ فَتَاوَاهُ وَالْمَوْجُوْدُ فِيْهَا لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ الْبُخَارِيِّ لَالِاَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانَ بْنِ ثَابِتِ الْكُوْفِيِّ۔

یعنی امام ابن حجر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ یہ فقرہ جو اس نسخہ فقہ اکبر میں ہے ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہیں ہے۔

سادساً : بلکہ اگر بالفرض یہ فقرہ حضور سراج الامتہ کاشف الغمہ مالک الازمہ امام الائمہ سیدنا الامام الاعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت بھی ہو تو بھی ہرگز اس کے یہ معنی نہیں کہ ابوین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کافر و ناری ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اکابر محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس فقرہ کی بخوبی تحقیق و توجیہ فرمائی ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"آنچہ کہ در فقہ اکبر است کہ ابوین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم "مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ" با اثبات نجات ایشاں تناقض نہ دارد۔ آرے اگر توحید و براءت از شرک از ایشاں ثابت شود مناقض آں خواہد بود۔ نہایت کار ایں ست کہ مردم ہمیں است کہ نجات ثابت می کنند۔ تفصیل ایں اجمال آں کہ در اثبات نجات والدین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم علماء را سہ مسلک است۔ اول آں کہ باوجود کفر و شرک کہ داشتند معذب نہ خواہند بود بعلت آں کہ در زمان فترت بودند و پیش از بعثت پیغمبر بہ مقتضائے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ تعذیب مستحق نیست۔ وَقَدْ سَبَقَ مَا فِيْ هٰذَا الْمَسْلَكِ مِنَ الْمُنَافَاتِ۔ برایں مسلک ہم عبارت فقہ اکبر صحیح است زیرا کہ مدلول رد ہمیں قدر است کہ ماتا علی الکفر تعرض بہ تعذیب دریں عبارت واقع است۔ مسلک دوم آں کہ ایشاں را برائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم زندہ ساختند آنہا ایمان آوردند ایں مسلک نیز با عبارت فقہ اکبر منازعت ردو لہٰذا شمس الائمہ کردری کہ از اجلہ علمائے حنفیہ است میگوید يَجُوْزُ لَعْنُ مَنْ مَّاتَ عَلَى الْكُفْرِ اِلَّا وَالِدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لِثُبُوْتٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيَاهُمَا لَهٗ فَاٰمَنَا بِهٖ انتہی۔ مسلک سوم آنکہ ایں ہا بہ عقل خود یا باستماع از ملت ابراہیمی قبیح شرک را دریافتہ ترک آں گرفتہ بودند و اصنام را تعظیم نہ میکردند و كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ بعثت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم را شنیدہ منتظر قدوم ایشاں بودند۔ بیشتر مختار سیوطی در رسالہ خود ہمیں مسلک است۔ پس دریں صورت ہم نجات ایشاں ثابت می شود و ہم ایمان ایشاں۔ زیرا کہ دراں وقت ہمیں قدر ایمان اجمالی می تواں شد بریں مسلک ہم عبارت فقہ اکبر از دست نمی رود۔ زیرا کہ

marfat.com

شاید عدم ایمان تفصیلی را تعبیر بہ کفر کردہ باشند۔ اَمَّا اَبِیْ وَاَبُوْکَ فِی النَّارِ وَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ بِالشَّفَاعَۃِ فِیْھَا۔
ازیں ہر سہ مسلک آباء کلی و منافرت نام دارد۔ فَالْاَوْلٰی فِیْ ھٰذِہِ الْمَسَائِلِ السُّکُوْتُ اِلٰی اٰخِرِہٖ۔ ملخصاً۔
یعنی وہ جو فقہ اکبر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین ماجدین کا انتقال کفر پر ہوا وہ ان کی نجات ثابت کرنے کے لیے مخالف نہیں ہے۔ ہاں! اگر ابوین کریمین سے توحید اور براءت از شرک ثابت ہو تو اس کا منافی ہو گا۔ جو علماء ابوین مطہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات کے قائل ہیں ان کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ ابوین طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات ثابت کرتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین طیبین کی نجات ثابت کرنے میں علماء کے تین مسلک ہیں۔

اول : یہ کہ باوجود اس کفر و شرک کے جس میں وہ حضرات مبتلا تھے ان پر کچھ عذاب نہ ہو گا' اس لیے کہ وہ زمانہ فترت میں تھے اور پیغمبر کے مبعوث ہونے سے پیشتر تعذیب ثابت نہیں ہوتی کہ فرماتا ہے:

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں یہاں تک کہ کسی رسول کو مبعوث فرمائیں۔

اور اس مسلک میں جو منافات ہے اس کا بیان اوپر گزرا۔ اس مسلک پر بھی عبارت فقہ اکبر صحیح ہے' اس لیے کہ اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ کفر پر انتقال ہوا۔ عذاب کا کچھ ذکر اس عبارت میں نہیں۔

دوم : یہ کہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کے انتقال کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے واسطے زندہ فرمایا گیا' وہ ایمان لائے۔ یہ مسلک بھی فقہ اکبر کی عبارت کے مخالف نہیں۔ اور اسی لیے علامہ شمس الدین کردری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اجلہ علمائے حنفیہ سے ہیں' فرماتے ہیں کہ جو شخص کفر پر مرگیا اس پر لعنت کرنا جائز ہے' سوا والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے کیوں کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ عزوجل نے ان دونوں حضرات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لائے۔

سوم : یہ کہ ان حضرات نے اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر یا ملت ابراہیمی سے شرک کی برائی معلوم کر کے شرک سے بیزاری اختیار فرمائی تھی اور وہ بتوں کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور درجہ بدرجہ اپنے بزرگوں سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئیاں سن سن کر حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ان کے رسولوں میں زیادہ تر پسندیدہ مسلک یہی ہے۔ تو اس صورت میں ان کی نجات بھی ثابت ہوتی ہے اور ان کا ایمان بھی ثابت ہوتا ہے' اس لیے کہ اس زمانے میں اسی قدر اجمالی ایمان حاصل ہو سکتا تھا۔

اس مسلک پر بھی عبارت فقہ اکبر ہاتھ سے نہیں جاتی' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایمان تفصیلی حاصل نہ ہونے کو کفر سے تعبیر کیا ہو۔ کفر سے ایمان تفصیلی کا حاصل نہ ہونا مراد لیا ہو لیکن اَبِیْ وَاَبُوْکَ فِی النَّارِ وَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ بِالشَّفَاعَۃِ فِیْھَا۔ ان تینوں مسلکوں سے مخالفت کلی اور پوری منافرت رکھتا ہے۔ تو ان مسئلوں میں چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

اقول : یہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا اپنے فہم پر کلام ہے' ورنہ ان دونوں حدیثوں کو ایمان و نجات ابوین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہرگز ممانعت نہیں۔ حدیث اول میں ابی سے مراد ابو طالب ہیں۔ اور حدیث دوم کا مطلب یہ کہ اے محبوب تمہیں ان کے لیے شفاعت فرمانے کی کچھ ضرورت نہیں' ان کو تمہارے صدقے میں محض اپنی رحمت سے ہی بخش دیں گے۔

marfat.com

اس مضمون کی تفصیل جلیل حضور پرنور مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولانا الشاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ فاضل بریلوی قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مقدسہ "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" میں ملاحظہ ہو۔

تو حضور اقدس' مالک رقاب الامم' دیان العرب والعجم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اپنی والدۂ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق اذن شفاعت نہ ملنے سے ان کا ناری و مشرک ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا' بلکہ حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا اپنے رب کریم جل جلالہ سے اپنی والدۂ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے اذن شفاعت طلب فرمانا ہی ان کے مومن و ناجی ہونے کو ثابت کرتا ہے' اس لیے کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہ اجمعین پوری بصیرت کے ساتھ قطعاً یقیناً اس بات کو جانتے تھے کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہ بخشے گا اور مشرک کے لیے خود اپنے محبوب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی طلب مغفرت کو بھی ہرگز قبول نہیں فرمائے گا اور اسی لیے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آزر کے لیے بخشش طلب فرمانے سے منع فرمادیا۔ بلکہ خود اپنے محبوب کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والتسلیم کو بھی مشرکوں' کافروں' منافقوں کے لیے مغفرت مانگنے سے منع فرمادیا تو اس کے بعد پھر حضور اقدس مالک کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کسی مشرک' کسی کافر' کسی منافق کے لیے مغفرت ہرگز نہیں طلب فرماسکتے تو جب یہ بات صحت کے ساتھ پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس ممانعت الہیہ کے بعد حضور سید المرسلین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی والدۂ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے مغفرت طلب کرنے کا اذن اپنے رب قدیر و قدوس جل جلالہ سے مانگا تو ان کا شرک کی پلیدی اور کفر کی گندگی سے پاک و صاف ہونا ثابت ہوگیا۔ وللہ الحمد۔ وَهٰذَا مَا حَقَّقَهُ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ الشَّيْخُ عَبْدُاللّٰهِ السَّبْنَوِى الرُّوْمِىُ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِىْ كِتَابِهِ الْمُسْتَطَابِ مَطَالِعُ النُّوْرِ السَّنِىِّ الْمَبْنِىِّ عَنْ طَهَارَةِ نَسَبِ النَّبِىِّ الْعَرَبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

ثم اقول اور یہ بھی شاہ صاحب کا اپنا خیال ہے کہ عبارت فقہ اکبر شریف میں ایمان تفصیلی حاصل نہ ہونے کو کفر کہا گیا ہے ورنہ حقیقتاً اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی یہ قول ہے تو ہرگز یہ ابوین مکرمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان تفصیلی کے بھی منافی نہیں اگر مَاتَا كَافِرِيْنَ فرمایا ہوتا کہ وہ دونوں کافر مرے جیسا کہ ابوطالب کے حق میں مَاتَ كَافِرًا فرمایا ہے کہ وہ کافر مرے تو بے شک تناقض لازم آتا۔ خلاصہ یہ کہ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے مَاتَ عَلٰى عَهْدِ الْكُفْرِ یعنی وہ دونوں حضرات اس زمانے میں دنیا سے تشریف لے گئے جبکہ کفر پھیلا ہوا تھا۔ یہ ہے فقہ اکبر شریف کی طرف سے عبارت مذکورہ کا چوتھا جواب جس کو حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تعلیقات پرانوار علی الدر المختار میں یوں ارشاد فرمایا: وَعَلٰى تَسْلِيْمِ اَنَّ الْاِمَامَ قَالَ ذَالِكَ فَمَعْنَاهُ مَاتَا فِىْ زَمَنِ الْكُفْرِ وَهٰذَا لَا يَقْتَضِىْ اِتِّصَافُهُمَا بِهٖ۔ یعنی اگر ہم بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیں کہ حضور پرنور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ماتا علی الکفر فرمایا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان دونوں حضرات نے اس زمانے میں انتقال فرمایا کہ کفر پھیلا ہوا تھا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ دونوں حضرات خود بھی معاذ اللہ کافر تھے۔

ثم اقول اور یہ بھی شاہ صاحب مرحوم کا اپنا مسلک ہے کہ اس مسئلہ میں سکوت بہتر ہے۔ ان کے نزدیک دلائل میں تعارض ہو نفی ایمان پر جو امور بظاہر دلالت کرتے ہیں ان سے جوابات ذہن شریف میں نہیں آئے' لاجرم سکوت اختیار فرمایا۔

marfat.com

مگر ہم ہرگز سکوت گوارا نہیں کرتے۔ ہمارے آقایان نعمت حضرات علماء اہلسنت دامت برکاتہم القدسیہ وعمت نے اس مسئلہ کو مہر نیمروز و ماہ نیم ماہ کر کے دکھادیا۔ دلائل خلاف کے کافی و شافی جوابات دے دیئے' لہٰذا ہم صراحتاً یہی مانتے ہیں' یہی کہتے ہیں کہ ابوین طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آدم علیہ الصلوۃ والسلام و حواء رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک یہ نور پاک جن مبارک مردوں کے اصلاب طیبہ اور جن مقدس عورتوں کے ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا' وہ سب بفضل اللہ تعالیٰ و برحمتہ حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم مومن موحد صالح ناجی جنتی مفلح گزرے' فَرَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جَمِیْعًا وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہِ الْکِرَامِ وَاُمَّہَاتِہِ الْکِرَامِ وَاٰبَآءِہِ الْکِرَامِ وَآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

ولہٰذا حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حواشی درمختار میں فرماتے ہیں:

فِیْہِ اِسَآءَۃُ اَدَبٍ وَّالَّذِیْ یَبْتَغِیْ اِعْتِقَادُہٗ حَفِظَھُمَا مِنَ الْکُفْرِ۔

یعنی ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ کافر کہنے میں توہین ہے اور جس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو کفر سے محفوظ رکھا۔

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَمَا فِی الْفِقْہِ الْاَکْبَرِ مِنْ اَنَّ وَالِدَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ فَمَدْسُوْسٌ عَلَی الْاِمَامِ۔

یعنی اور وہ جو فقہ اکبر میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے والدین کفر پر مرے تو وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا کر کے ان کی عبارت میں ملادیا گیا ہے۔

بالجملہ! فقیر کی اس تقریر پر غور کرنے کے بعد ثابت ہو جائے گا کہ گنگوہی اور اس کے اذناب پلید کو اس بات کا ثبوت دینا تو محال ہے کہ معاذ اللہ "حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر میں ہوا ہے"۔ کیونکہ عبارت "ماتا علی الکفر" فقہ اکبر شریف میں الحاقی ہے۔ ہرگز امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامتہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا نہ فرمایا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارت فقہ اکبر شریف کی ہے تو اسی میں سے مانافیہ متروک ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ فقہ اکبر شریف میں یہ عبارت اسی طرح ہے تو اس کے معنی ہرگز وہ نہیں جو گنگوہی نے لیے۔ ہاں! ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری کی شرح میں اگر وہ عبارت انہیں کی ثابت ہو تو بے شک اس مسئلہ میں بھی ان سے غلطی ہوئی اور انہوں نے تشدد سے کام لیا جو یقیناً غلط ہے مگر کوئی معصوم نہیں اِلَّا الْاَنْبِیَآءَ وَالْمَلٰٓئِکَۃَ عَلٰی سَیِّدِہِمْ وَعَلَیْہِمْ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَلِکُلِّ عَالِمٍ ھَفْوَۃٌ وَلِکُلِّ صَارِمٍ نَبْوَۃٌ۔ کسی عالم کا وہ قول جو دلائل شرعیہ کے مخالف ہو ہرگز قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں مجرد قول ملا علی قاری علیہ الرحمہ ہم پر ہرگز حجت نہیں۔ انہوں نے جو کچھ اس مسئلہ میں کہا ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کا شافی و کافی رد کیا اور اپنے مدعا کو دلائل کثیرۂ قویہ و براہین متکاثرۂ جلیہ سے موید کیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ جَلَّ جَلَالُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔

تصدیقات

۱۔ اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ وَصَوَابٌ وَحَضْرَتُ الْفَاضِلُ الْمُجِیْبُ مُصِیْبٌ وَمَثَابَ اَبُوالظَّفَرِ

marfat.com

مُحِبّ الرّضَا مُحَمَّد مَحْبُوب عَلِیْ خَانْ قَادَرِیْ بَرَکَاتِیْ رضوِیْ مُجَدِدِیْ لَکھْنَوِیْ غُفِرَلَہٗ وَلِاَبَوَیْہِ وَاَخَوَیْہِ وَاَھْلِہٖ وَمُحِبّیْہِ۔ اٰمِیْنَ۔

۲۔ اَلْجَوَابُ حَقٌّ وَالْحَقُّ اَحَقُّ بِالْقَبُوْلِ۔ بندۂ عاجز محمد عبدالغفور عفی عنہ خطیب جامع مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد۔

۳۔ الجواب حق وصحیح وصواب ومولانا واستاذنا المجیب دام ظلھم العالی مصیب ومثاب واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وسلم۔ فقیر ابوالطاہر محمد طیب صدیقی قادری غفرلہ محلہ محمد واصل نمبر ۳۱۶ پیلی بھیت شریف۔

(ماخوذ از رسالہ اہلسنت کی آواز حصہ نہم)

marfat.com

حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری ازہری (بریلی شریف)

آزر چچا تھا نہ کہ باپ؟

والدین کریمین کے موحد ہونے کا ثبوت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء کرام سب موحد تھے ان میں کوئی کافر نہ تھا۔ دیگر انبیاء کرام کے والدین کریمین بھی ماشاء اللہ مومن تھے اور نجاست کفر سے پاک تھے۔ کچھ دریدہ دہن گستاخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو آزر بتا کر کفر کی بنیاد بناتے ہیں' حالانکہ یہ بات تمام کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ مسالک الحنفاء میں متعدد مقامات پر اس کی توضیح موجود ہے۔

لَیْسَ اٰزَرَ اَبَا اِبْرَاھِیْمَ۔ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔

اسی میں ابن صریح سے بہ سند صحیح روایت ہے کہ ابن صریح نے فرمایا:

لَیْسَ اٰزَرَ بِاَبِیْہِ اِنَّمَا ھُوَ اِبْرَاھِیْمُ بْنُ یَشْرَحَ اَوْ تَارَخَ بْنُ شَارِخَ بْنِ نَاحُوْرَ بْنِ فَالِخَ۔ یعنی مسدی سے کہا گیا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ہے' انہوں نے فرمایا: بلکہ ان کے والد کا نام تارخ ہے۔

اسی میں مسدی سے بہ سند صحیح بطریق ابن ابی حاتم مروی ہوا: اِنَّہٗ قِیْلَ لَہٗ اِسْمُ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ اٰزَرَ فَقَالَ بَلِ اسْمُہٗ تَارِخٌ۔

اور اسی مسلک کی توضیحات باعتبار نعت یوں ہے کہ لفظ کا اطلاق چچا پر شائع و ذائع ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآءِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت تھا جب کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد تم کسے پوجو گے؟ وہ بولے ہم آپ کے خدا اور آپ کے آباء کرام ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کے خدا کو پوجیں گے۔

marfat.com

آیت کریمہ میں اسماعیل علیہ السلام کو اب (باپ) فرمایا' حالانکہ وہ چچا ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے ایک حدیث سے ثابت فرمایا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہی تھا جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائے مغفرت فرمائی تھی' پھر جب آپ کو اس کا حال روشن ہوا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے چنانچہ اسی مسالک الحنفاء میں ہے:

وَيُرَشِّحُهَا مَا اَخْرَجَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ جُوْدٍ قَالَ لَمَّا اَرَادُوْا اَنْ يَّلْقُوْا اِبْرَاهِيْمَ فِي النَّارِ جَعَلُوْا يَجْمَعُوْنَ الْحَطَبَ حَتّٰى اِنْ كَانَتِ الْعَجُوْزُ لَيَجْمَعُ الْحَطَبَ فَلَمَّا اَنْ اَرَادُوْا اَنْ يَّلْقُوْهُ فِي النَّارِ قَالَ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَلَمَّا اَلْقَوْهُ قَالَ اللّٰهُ يَانَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ عَمُّ اِبْرَاهِيْمَ مِنْ اَجْلِيْ دَفَعَ عَنْهُ فَاَرْسَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنَ النَّارِ فَوَقَعَتْ عَلٰى قَدَمِهٖ فِيْ حِرْقَتِهٖ فَقَدْ صَرَّحَ فِيْ هٰذَا الْاَثَرِ بِعَمِّ اِبْرَاهِيْمَ وَفِيْهِ فَائِدَةٌ اُخْرٰى وَهُوَ اَنَّهٗ هَلَكَ فِيْ اَيَّامِ الْقَاءِ اِبْرَاهِيْمَ فِي النَّارِ وَقَدْ اَخْبَرَ اللّٰهُ سُبْحَنَهٗ فِي الْقُرْاٰنِ بِاَنَّ اِبْرَاهِيْمَ تَرَكَ الْاِسْتِغْفَارَ لَهٗ لِمَا مُتَّ بَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ وَوَرَدَتِ الْاٰثَارُ بِاَنَّ ذَالِكَ تَبَيَّنَ لَهٗ لِمَا مَاتَ مُشْرِكًا وَاَنَّهٗ لَمْ يَسْتَغْفِرْ لَهٗ بَعْدَ ذَالِكَ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاسْتَغْفِرْ لِوَالِدَيْهِ وَذَالِكَ بَعْدَ هِلَالِ عَمِّهٖ بِمُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ فَيَسْتَنْبِطُ مِنْ هٰذَا اَنَّ الذِّكْرَ فِي الْقُرْاٰنِ بِالْكُفْرِ وَالتَّبَرِّيْ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ لَهٗ هُوَ عَمُّهٗ لَا اَبُوْهُ الْحَقِيْقِيُّ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى مَا هَدٰى۔

خلاصہ عبارت یہ کہ اس قول کی تائید اس حدیث (اثر) سے ہوتی ہے جو ابن المنذر نے بہ سند صحیح سلیمان ابن صرد سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: جب کافروں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو لکڑیاں جمع کرنے لگے یہاں تک کہ بوڑھی عورت بھی لکڑی اکٹھا کرتی تو جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنا چاہا آپ نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فرمایا' یعنی مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز پھر جب آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا تو آپ کا چچا بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے بچا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جو اس کے پیر پر پڑا تو اسے جلا ڈالا تو اس اثر میں ابراہیم علیہ السلام کے چچا کی صراحت آئی اور اس میں ایک دوسرا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا چچا اس زمانہ میں ہلاک ہوا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور قرآن عظیم نے بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعائے مغفرت ترک فرما دی تھی' جب انہیں اس کا دشمن خدا ہونا محقق ہوا اور روایتوں میں آیا ہے کہ اس کا یہ حال ان کو اس وقت کھلا جب وہ مشرک مرا اور انہوں نے اس کے لیے اس کے بعد دعائے مغفرت نہ کی اور اپنے چچا کی وفات کے طویل عرصہ کے بعد انہوں نے اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی۔

تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ قرآن میں جس کے کفر اور اس کے لیے دعائے مغفرت سے تبری کا ذکر آیا وہ ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا' ان کے پدر حقیقی نہ تھے۔ رہے مفردات کی عبارت تو وہ قیل سے شروع ہے اور قیل سے قول ضعیف کو تعبیر کرتے ہیں اور کبھی مجرد قول کی شکایت مقصود ہوتی ہے' مگر غالباً ضعف کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے تو باعتبار غالب امام راغب کے نزدیک بھی یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے اور علی الاقل احتمال ہے اور محتمل کو مستدل بنانا صحیح نہیں اور ابن کثیر کی عبارت جو یہاں تحریر ہوئی اس تفسیر ابن کثیر میں اس سے پہلے یوں تحریر فرمایا:

marfat.com

قَالَ الضَّحَّاكُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَا اِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ اِسْمُهٗ اٰزَرَ وَاِنَّمَا كَانَ اِسْمُهٗ تَارِخٌ رَوَاهُ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَقَالَ اَيْضًا حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو ابْنِ اَبِیْ عَاصِمِ النَّبِيْلَ حَدَّثَنَا اَبِیْ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَاصِمٍ شَبِيْبٍ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ) يَعْنِیْ بِاٰزَرَ الضَّمَّ وَاَبُوْ اِبْرَاهِيمَ اِسْمُهٗ تَارِخٌ وَاُمُّهٗ اِسْمُهُمَا شَانِیْ وَامْرَاَتُهٗ اِسْمُهُمَا مِعْمَارَةٌ وَاُمُّ اِسْمٰعِيلَ اِسْمُهَا هَاجِرٌ وَهِیَ اِمْرَاَةُ اِبْرَاهِيمَ وَهٰكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ عُلَمَاءِ النَّسَبِ اِنَّ اِسْمَهٗ تَارِخٌ۔

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آزر کی تفسیر میں ضحاک نے ابن عباس سے روایت کیا انہوں نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہ تھا' بلکہ تارخ تھا اور ضحاک ہی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس سے آزر کی تفسیر میں روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: آزر صنم کا نام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ اور ماں کا نام شانی اور بیوی کا نام سارہ اور آپ کی کنیزام اسماعیل کا نام ہاجر ہے اور اسی طرح بہت سے علماء نسب کا قول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ ہے تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اکثر علماء کے مقابل تنہا ابن جریر علیہ الرحمہ یا ابن کثیر کا قول کیونکر لائق تسلیم ہے اور اتقان کی عبارت کا جواب خود تصریحات امام سیوطی علیہ الرحمہ سے ہو گیا۔

پھر خود اسی اتقان میں ہے:

وَلِوَالِدَیْ اِسْمُ اَبِيْهِ تَارِخٌ وَقِيلَ اٰزَرُ وَقِيلَ يَازَرَ وَاِسْمُ اُمِّهٖ ثَانِیْ وَقِيلَ نَوْفَا قِيلَ لَيُوثَا۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا اور کہا گیا کہ آزر اور کہا گیا کہ یازر اور ماں کا نام ثانی اور کہا گیا کہ لیوثا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ امام سیوطی کے نزدیک راجح اور معزز یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا' اسی لیے اسے مقدم کیا اور آزر کو قیل جو مشعر ضعف سے تعبیر کیا' یہاں سے ظاہر کہ اتقان کی وہ عبارت جو اس تصریح کے خلاف ہے ناسخ کی طرف سے زلت قلم یا سہو و نسیان کا نتیجہ ہے۔

زید کے حوالوں کا جواب ہمارے اس فتوے سے ظاہر ہو گیا اور زید اگر دانستہ معاند نہیں نہ مرض قلب کا شکار تو اسے گمراہ کہنا صحیح نہیں' البتہ اتباع جمہور محققین کا ضرور تارک ہے اور خاطی ہے اور اس کے قول سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی طرف کفر کی نسبت لازم آتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے آباء کرام میں ہیں تو یہ بات حضور علیہ السلام کے لیے باعث اذیت ہے اور ان کی اذیت عذاب الیم کی موجب ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ الایہ۔

اسی لیے علماء نے انبیائے کرام میں سے کسی ایک کی نسبت یہ کہنے کی ممانعت فرمائی کہ وہ جہنم میں ہیں۔

اسی مسالک الحنفاء میں ہے:

قَالَ السُّهَيْلِیُّ فِی الرَّوْضِ الْاَنَفِ فِیْ بُعْدِ اِيْرَادِهٖ حَدِيْثُ مُسْلِمٍ وَلَيْسَ لَنَا نَحْنُ اَنْ نَّقُوْلَ ذٰلِكَ فِیْ اَبَوَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِهٖ لَاُلَوُّ ذُوا الْاَحْيَاءِ يُسَبِّبُ الْاَمْوَاتَ وَقَالَ تَعَالٰی (اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ) اَلْاٰيَةُ وَسُئِلَ الْقَاضِیْ اَبُوْبَكْرِ بْنُ الْعَرَبِیُّ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ عَنْ رَّجُلٍ قَالَ اِنَّ اٰبَاءَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّارِ فَاَجَابَ بِاَنَّ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ فَهُوَ مَلْعُوْنٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی (اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا

marfat.com

وَالْاٰخِرَةِ) قَالَ وَلَا اَذًی اَعْظَمُ مِنْ اَنْ یُّقَالَ عَنْ اَنَّ اٰبَائَہٗ فِی النَّارِ۔ الخ۔

لہٰذا اس بات سے احتراز ضروری ہے جو حضور علیہ السلام کے لیے اذیت کا سبب ہو۔ یہاں سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آباء کرام کا حال معلوم ہوا اور وہ یہ کہ وہ سب کے سب موحد تھے' ماشاء اللہ ان میں کوئی کافر نہ تھا اور دیگر انبیاء کرام کے والدین کے متعلق تصریح نظر سے نہ گزری اور ان کے مقام رفیع کے شایاں یہی ہے کہ ان کا نسب نجاست کفر سے پاک ہو' چنانچہ علامہ ابوالحسن ماوردی سے امام سیوطی ناقل۔

لَمَّا کَانَ اَنْبِیَآءُ اللّٰہِ صَفْوَۃَ عِبَارَۃٍ وَخَیَّرَ خَلْقَہٗ لَمَّا کَلَّفَھُمْ مِّنَ الْقِیَامِ بِحَقِّہٖ وَالْاِرْشَادُ اِسْتَخْلَفَہٗ اِسْتَخْفَلَھُمْ مِنْ اِکْرَامِ الْعَنَاصِرَ وَاحْتَبَاھُمْ بِمُحْکَمِ الْاَوَاخِرِ فَلَمْ یَکُنْ لِنَسَبِھِمْ مِّنْ قَدَحٍ وَلِمَنْصَبِھِمْ مِّنْ جَرَحٍ۔ الخ۔

اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ دیگر انبیاء کرام کا نسب بھی نجاست کفر سے پاک ہے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

marfat.com

حضرت مولانا مفتی خلیل خان صاحب قادری برکاتی علیہ الرحمہ والرضوان (حیدر آباد، پاکستان)

کذب باری ناممکن

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ یہ قدرت ہر موجود و معدوم کو شامل ہے۔ بشرط حدوث و امکان یعنی کوئی حادث و ممکن اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں اور جو چیز محال ہے اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اسے شامل ہو کہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہو سکے اور جب مقدور ہو گا (اور مقدور کہتے ہی اسے ہیں کہ چاہے تو قادر موجود ہو جائے) تو موجود ہو سکے گا۔ پھر محال نہ رہا اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ دوسرا خدا محال ہے، یعنی نہیں ہو سکتا تو یہ اگر زیر قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا تو محال نہ رہا اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے اور صریح کفر و ارتداد۔ یونہی فنائے باری محال ہے، اگر تحت قدرت ہو، تو ممکن ہو گی اور جس کی فنا ممکن ہو، وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا، اللہ تبارک وتقدس وتعالیٰ کو الوہیت ہی سے انکار ہے۔

یونہی منجملہ محالات، قدرت الٰہی پر قادر مانا جائے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو، اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی، پس بحمد اللہ تعالیٰ صاف ظاہر ہے کہ محال پر قدرت ماننا، جناب باری عز اسمہ کو سخت عیب لگانا اور محال عقلی و ممتنع ذاتی پر قدرت الٰہی ماننے کے پردے میں، اصل قدرت بلکہ نفس الوہیت ہی سے منکر ہو جانا ہے۔ ہمارے دینی ایمانی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں، تاکہ وہابیہ نجدیہ کے مغالطہ و تلبیس ۲ سے امان میں رہیں۔

یونہی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور اس کے سب صفات، صفات کمال ہیں اور وہ ہر اس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے۔ تو جس طرح کسی صفت کمال کا سلب، اس سے ممکن نہیں، یونہی معاذ اللہ کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا یعنی عیب و نقصان کا اس میں ہونا محال ہے بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اس کے لیے محال ہے۔ مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب، اس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا، بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے کہ جب محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب یکساں تو واجب کے سب محالات زیر قدرت۔ اب باری عزوجل عیاذاً باللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ ٹھہرا تو اس تعمیم قدرت کی بدولت الوہیت ہی پر ایمان گیا۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اسی کی جانب سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ سے اشارہ فرمایا ہے اور یہ سمجھنا کہ

marfat.com

محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہو جائے گی' باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان۔ نقصان تو اس محال کا ہے کہ تعلق قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔ للہ انصاف! وہابیہ کی جانب سے اہل سنت پر معاذ اللہ عجزباری عزوجل ماننے کے الزامات صحیح ہیں یا ان مفتریوں کا دین و ایمان ہی سرے سے غلط اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی و شیطان رجیم کی پسروی پیروی ہے اور جسے ان لوگوں نے ایمان کا نام دیا' وہ ایمان نہیں ایمان سے مہجوری و دوری ہے۔

اور اب وہابیہ کی جانب سے اس قول بدتر از بول کا پس منظر بھی دیکھ لیجئے۔ اہل اسلام دلیل لائے تھے کہ اللہ عزوجل نے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمایا کہ "وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے پچھلے"۔ اگر کوئی اور حضور کا مثیل و نظیر ہو تو حضور خاتم النبین نہ ہوں اور اللہ کی بات معاذ اللہ جھوٹ ہو۔

امام وہابیہ نے اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ خدا کا جھوٹ کیا محال۔ چنانچہ اسماعیل دہلوی کی یک روزی ص ۱۴۵ پر ہے "ہم نہیں مانتے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہو"۔ براہین قاطعہ میں کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع کی گئی اور جس کی لوح پر لکھا ہے "بامر حضرت چنین و چناں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی"۔ اور خاتمہ پر اس کی تقریظ بایں الفاظ ہے۔ احقر الناس رشید احمد گنگوہی ہے اس کتاب براہین قاطعہ کو' اول سے آخر تک بغور دیکھا۔ الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور اپنے مصنف کی وسعت نور علم اور فسحت ذکاء و فہم پر دلیل واضح حق تعالیٰ اس تالیف نفیس میں کرامت قبولیت عطا فرمائے اور مقبول مقبولین و معمول عاملین فرمادے"۔ جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف ان کی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے مندرجات پر وہابیہ دیوبندیہ کو آنکھ میچ کر' ایسا ہی ایمان لانا فرض ہے جیسا کہ ان کے نزدیک تقویۃ الایمان کا ہر گھر میں رکھنا فرض اور اس کا پڑھنا ثواب ہے۔ تو اس میں جو کچھ ہے وہ ان "مقبولین" میں مقبول اور ان عاملین کا معمول ہے اور اب دیکھئے کہ اسی کتاب کے بالکل ابتدائی صفحات پر یوں مذکور ہے کہ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ قدماء میں اختلاف ہے۔

مسلمانو! کذب یعنی جھوٹ عیب نقص ہے اور ہر عیب و نقص باری عزوجل کے حق میں محال اور شرع مطہر میں یہ مسئلہ اعلیٰ ضروریات دین میں داخل۔ قرآن و حدیث نے جس طرح باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی' وہ یکتا و بے ہمتا ہے۔ یونہی ہر عیب' ہر نقص' ہر نقصان سے اس کی تنزیہہ و تقدیس کا بیان فرمایا اور خود کلمہ طیبہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ اور اسمائے حسنیٰ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کے معنی ہی یہ ہیں کہ رب عزوجل جملہ عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے اور ہر عیب و نقصان سے بری و مبرا۔

مسلمانو! ہمارا سچا خدا بالذات' ہر عیب و منقصت سے پاک ہے۔ کذب وغیرہ کسی نقصان کو اس کے سراپردۂ عزت تک بار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے اور اس کے محال بالذات ہونے پر تمام ائمہ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں' اس کے رب کی عظمت' اور اس کے کلام کی تصدیق ہو' اگرچہ کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لیے یہی دو حرف کافی ہیں۔ اول یہ کہ کذب ایسا گندا ناپاک عیب ہے' جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزت والا بھی بچنا چاہتا ہے۔ اور ہر بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے۔ اگر وہ اللہ جل جلالہ کے لیے ممکن ہو تو وہ عیبی' ناقص' ملوث' گندی گھنونی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا۔ کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے۔ مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لیے اس کے رب کی امان ہے' ادنیٰ سمجھ والا یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا۔ پاکی ہے اسے جس کے سراپردۂ عزت و جلال کے گرد' کسی عیب و نقص کا گزر قطعاً محال بالذات ہے۔ جس کی عظمت و قدوسیت کو ہر لوث و آلودگی سے بالذات منافات ہے۔ نہ اس کا جہل ممکن ہے' نہ کذب ممکن ہے اور نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔

دوم: یہ کہ جب اس کا کذب ممکن ہوا تو اس کا صدق ضروری نہ رہا۔ اور جب اس کا صدق ضروری نہ رہا تو اس کی کون

marfat.com

سی بات پر اطمینان ہو سکے۔ ہر بات میں احتمال رہے کہ شاید جھوٹ کہہ دی ہو کہ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے جیسا کہ وہابیہ کا اعتقاد ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا۔ کیا اسے کسی کا ڈر ہے یا اس پر کوئی حاکم و افسر ہے جو اسے دبائے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا۔ ہاں! ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ میرا سب کلام سچا ہے۔ میں نے نہ جھوٹ بولا نہ بولوں۔ مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرے تو سرے سے اس وعدۂ و فرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان۔ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے تو کیا معلوم کہ پہلا جھوٹ یہی کیا ہو۔

مسلمانو! جب کذب الٰہی یعنی اللہ ہی کا جھوٹا ہونا ممکن ہوا تو پھر اس کی کونسی بات کا اعتبار رہا۔ غرض! معاذ اللہ! اس کا کذب ممکن مان کر، دین و شریعت اور اسلام و ملت، کسی کا اصلاً پتا لگا نہیں رہتا۔ جزا و سزا، جنت و نار، حساب و کتاب، و حشر و نشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ اب نہ قرآن رہا، نہ دین، نہ ایمان بچا، نہ یقین۔ وہابیہ و امام وہابیہ کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں، تمام دین و ایمان، و نبی و قرآن، سب پر پانی پھیر دیا۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُولُ الظّٰلِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شیطانوں کے وسوسوں سے بچائے، آمین۔

ایک حجت ایقانی

کتب حدیث و سیر کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بہت خوش نصیب، ذی عقل لبیب، صرف جمال جہاں آرائے حضور پرنور، سید عالم، سرور اکرم، مولائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے کہ لَيْسَ هٰذَا وَجْهُ الْكَذَّابِيْنَ۔ یہ مومنہ جھوٹ بولنے والا نہیں۔

اے شخص! یہ اس کے حبیب کا پیارا مومنہ تھا جس پر خوبی و بہار دو عالم نثار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور پاکی و قدوسی ہے اس کے وجہ کریم کے لیے۔ واللہ! اگر آج حجاب اٹھا دیں تو ابھی کھلتا ہے کہ وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی۔ مخالف اس دلیل کو دلیل خطابی کہے، کہے مگر میں اسے حجت ایقانی لقب دیتا اور مسلمانوں کی ہدایت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں۔ يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔

مسلمانو! آپ کو یاد ہو گا کہ اصل بات کا ہے پر چھڑی تھی۔ ذکر یہ تھا کہ حضور پرنور سید المرسلین، خاتم النبیین، اکرم الاولین والاخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل و ہمسر، حضور کی جملہ صفات کمالیہ میں شریک برابر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو خاتم النبیین فرماتا ہے اور ختم نبوت ناقابل شرکت ہے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثل و ہمسر اور شریک برابر کا امکان ماننا، کذب الٰہی کو مستلزم ہے اور کذب الٰہی محال عقلی۔ اس پر اس سفیہ نے پہلا جواب یہ دیا کہ کذب الٰہی محال نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہو جائے اور اس ہذیان کی خدمت گزاری آپ سن ہی چکے۔

دوسرا جواب یہ دیتا ہے کہ "ممکن ہے کہ یہ آیت لوگوں کو بھلا دی جائے۔ تو اب اگر حضور کی مثل دوسرا ہو سکا تو بندوں کا کسی آیت کو جھوٹا کہنا لازم نہ آئے گا"۔ حاصل یہ کہ امکان کذب ماننا، تکذیب قرآن کو اسی وقت مستلزم، اور کلام الٰہی کا جھوٹا ہونا، اسی وقت لازم، کہ آیات قرآن محفوظ بھی رہیں۔ حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالیٰ قرآن ہی کو فنا کر دے۔ پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ! دیکھو! صاف صاف کہا اور صاف صریح مان لیا کہ خدا کی بات قرآن کریم کی آیت واقع میں جھوٹی ہو جائے، واقعتاً جھوٹی پڑے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو اس میں ہے کہ بندے اسے جھوٹا جانیں اور یہ اسی تقدیر پر ہو گا کہ

marfat.com

آیات باقی رہیں' جن کے ذریعے ہم جان لیں کہ خدا کی فلاں بات جھوٹی ہوئی اور جب قرآن ہی محو ہو گیا اور بندوں کو پہلے ہی سے کوئی آیت بھلا دی گئی' پھر جھوٹی پڑی تو کسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی کہ جب یاد ہی نہیں تو کس کی تکذیب کریں۔ غرض! سارا ڈر بندوں کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے۔ واقع میں جھوٹا ہو جائے تو کیا پروا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مسلمانو! یہ کیسا گندا کفر ہے۔ اس کا صاف صریح مفاد یہی تو ہے کہ عیب کی آلائش' اور کذب سے آلودگی' خدا میں آ تو سکتی ہے مگر اس سے بچنے کے لیے مصلحتاً احتراز کرتا ہے۔ بندوں کے طعن سے ڈر کر جھوٹ سے بچتا ہے' حالانکہ بحمدہ تعالیٰ ہر مسلمان جانتا مانتا ہے کہ عیب گنجائش ہونا ہی' اس سبوح وقدوس کے لیے سخت بھاری عیب ہے مگر جہل خصوصاً جہل مرکب کا کیا علاج؟ ایسوں ہی کے لیے کہا گیا ہے کہ۔

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابد الدہر بماند

marfat.com

بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی

تحقیقی مقالہ

زمین و آسمان کی تخلیق

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

سوال: امام احمد رضا قدس سرہ کے الملفوظات حصہ اول کے شروع ہی میں یہ لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے چار دن میں آسمان پیدا کیا اور دو دن میں زمین یک شنبہ، دو شنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ میں آسمان اور پنج شنبہ اور جمعہ میں زمین"۔ یہ قرآن مجید کی سورہ حم سجدہ آیت نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے خلاف ہے۔ الملفوظ کے جتنے نسخے چھپے ہیں، سب میں یہی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہوگا؟ قرآن مجید کے خلاف اعتقاد رکھنا چھاپنا کیا حکم رکھتا ہے۔

جواب: کسی کا قول قرآن عظیم کی کسی آیت کے خلاف نظر آنا اور بات ہے اور فی الحقیقت قرآن عظیم کے خلاف ہونا اور بات ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ دائرہ میں یہی صورت حال ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول سائل کو قرآن عظیم کی ایک آیت کے بظاہر خلاف نظر آرہا ہے دراصل قرآن عظیم کے خلاف نہیں ہے۔

سائل نے قرآن عظیم کی آیت اور فاضل بریلوی کے قول میں اختلاف کے وجوہ پر روشنی نہیں ڈالی ہے، اس لیے اب ہم کو ہی دونوں کام کرنا ہی پڑ رہا ہے تو پہلے وجوہ اختلاف واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے مندرجہ بالا قول سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں

(۱) پہلے آسمان بنا پھر زمین۔

(۲) چار دن میں آسمان بنا اور دو دن میں زمین۔

(۳) دونوں کے تعین کہ اتوار سے بدھ تک آسمان اور جمعرات و جمعہ کو زمین۔

(۴) جمعہ کے دن بین العصر والمغرب حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔

اب ہم آیت محولہ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ وجوہ اختلاف ظاہر ہو سکیں۔

marfat.com

"تم فرماؤ کیا تم لوگ اس کا انکار رکھتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو' وہ ہے سارے جہاں کا رب' اور زمین میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں اس کے بسنے والوں کے لیے روزیاں مقرر کیں' یہ چار دن ہیں ٹھیک جواب پوچھنے والوں کے لیے' پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس نے آسمان و زمین سے فرمایا دونوں حاضر ہو' چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے تو پھر سات آسمان کر دیا دو دن میں۔

(۱) ان آیات بینات میں ہے کہ زمین بنائی پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا' تو دو دن سات بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے۔

(۲) آسمان کو دو دن میں زمین کو دو دن میں اور زمین کے اوپر اور اندر کی چیزیں چار دن میں۔

(۳) زمین اور آسمان دونوں کو حکم دیا کہ حاضر آؤ تو دونوں مطیع و منقاد ہو گئے۔

(۴) یہ بت زمین اور آسمان کے خالق کے ہمسر نہیں ہو سکتے۔

اعلیٰ حضرت کے قول اور آیات مبارکہ کے آخری دو نمبروں کا حال یہ ہے کہ جو بات اعلیٰ حضرت کے قول کے آخری دو نمبروں میں ہے' آیت میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ اور آیت کے دو آخری نمبروں میں جو مذکور ہے قول اعلیٰ حضرت میں اس کے بارے میں کوئی تشریح نہیں' اس لیے ان دونوں میں تعارض و اختلاف کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں! بقیہ دو نمبروں میں ضرور اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۱) کہ اعلیٰ حضرت کہتے ہیں کہ پہلے آسمان بنا۔ آیات سے معلوم ہوتا ہے پہلے زمین بنی' بے شک دونوں باتوں میں صاف تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت کہتے ہیں چار یوم میں آسمان بنا اور آیت بتاتی ہے دو دن میں آسمان بنا۔ لاریب کہ ان دونوں باتوں میں تدافع معلوم ہوتا ہے' لیکن ہماری بڑی بھول ہوگی اگر ہم اسی مقام پر جم کر رہ گئے۔ آیئے قرآن کریم کی گہرائی میں اتریں پہلے زمین بنی یا آسمان؟

تخلیق زمین و آسمان سے متعلق قرآن عظیم کے چار مقام پیش نظر ہیں:

(الف) آیات "حم السجدہ" جن کا ترجمہ اوپر گزرا۔

(ب) آیت سورہ بقرہ ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔ "وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین ہے۔ پھر آسمان کی طرف استواء (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے"۔ ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ زمین پہلے بنی بلکہ زمین کے اندر اور اوپر جو کچھ ہے وہ بھی آسمان سے پہلے بنا۔

(ج) "کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا۔ اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت اونچی کی' پھر اسے ٹھیک کیا اس کے بعد زمین پھیلائی' اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارہ اور پہاڑوں کو جمایا"۔ (سورۂ نازعات)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کو پہلے بنایا اس کے بعد زمین پیدا کی۔

(د) "بے شک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں بنایا"۔ (سورۂ یونس)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے آسمان زمین مجموعی طور پر چھ دن میں بنے' کتنے دن میں زمین اور کتنے میں آسمان؟ آیت مبارکہ مذکورہ میں اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

marfat.com

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو آیت (۱) و (۲) زمین اور اس کی معلقات کی تخلیق کو آسمان سے مقدم ثابت کرتی ہے--- اور آیت نمبر (۳) کا تقاضا ہے کہ آسمان پہلے بنا زمین بعد میں۔ اس مقام پر ہم دیکھتے ہیں کہ مفسرین بھی دو طبقہ میں بٹے ہوئے ہیں۔

ابن عباس' زمخشری اور اکثر مفسرین کا کہنا ہے زمین پہلے بنی اور یہی اس مرفوع حدیث کا مضمون ہے جس کو امام طبری' حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اس حدیث کی تصحیح بھی کی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ سورۂ والنازعات کی آیت مبارکہ "وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا" اور زمین آسمان کے بعد پھیلائی" کا کیا جواب ہو گا کہ یہ قول اس آیت قرآنی کے خلاف ہے تو ان حضرات علماء کرام نے جو آیات سورۂ حم سجدہ و بقرہ کے مطابق قول کرتے ہیں۔ آیت والنازعات کا یہ جواب دیا کہ آیت مذکورہ میں دحو کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پھیلانا اور سورۂ حم سجدہ میں خلق کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پیدا کرنا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ زمین آسمان سے پہلے تو پیدا کی گئی مگر پھیلائی گئی آسمان کی تخلیق کے بعد۔ یہ جواب ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے جو بخاری میں تعلیقا" مروی ہے۔ (کبیر جلد ثامن ص ۳۲۸)

مگر پھر اس پر یہ نکتہ سوال اٹھا کہ آیات حم سجدہ اور آیت سورۂ بقرہ کا تقاضا یہ ہے کہ زمین کی تخلیق اور اس کے دحو دونوں کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی' بلکہ زمین میں جو کچھ ہے اس کی پیدائش کے بعد بھی آسمان بنا' جیسا کہ آیات بقرہ میں "بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" اور آیات حم سجدہ میں "زمین بنائی گئی لنگرے ڈالے' برکت دی' روزیاں مقرر کیں۔ پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" سے ظاہر ہے کہ دونوں جگہ پھر کا لفظ جو تاخیر پر دلالت کرتا ہے زمین اور اس کے ان متعلقات کی تخلیق کے بعد فرمایا گیا' اس لیے آیت والنازعات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تاویل چسپاں نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس تاویل سے ہٹ کر چار تاویلیں اور کیں کہ آیت مبارکہ والنازعات میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰهَا اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور ان سب کے بعد یہ اعتراف کیا کہ وَکُلُّهَا اِنْ کَانَ تَکَلُّفًا لٰکِنْ اِضْطَرُّوْا اِلَیْهِ۔ (حاشیہ جلالین)

ہرچند کہ یہ ساری تاویلیں تکلفات ہیں' لیکن علماء یہ کرنے پر مجبور ہیں۔ قاضی بیضاوی کہتے ہیں: اِنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ' تاویل ظاہر کے خلاف ہے۔

اس کے برخلاف امام تفسیر مقاتل' قتادہ اور سدی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوا۔ اور یہی قول امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا۔ جیسا کہ آیات نازعات کا ظاہر یہی ہے اور ان لوگوں نے آیات سورۂ بقر اور حم سجدہ کی تاویل کی' اور ان کی تاویل نسبتاً لگتی ہوئی ہے' امام بیضاوی کہتے ہیں: ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ میں ثم کا لفظ تراخی زمانے کے لیے نہیں ہے' صرف تراخی بیان کے لیے ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن آیتوں میں ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ (پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا) جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آسمان کا قصد زمین کے بعد ہوا۔

وہاں ثم کے معنی (اس کے بعد) نہیں کبھی کبھی پہلے والی چیزوں کو جو نسبتاً کم اہم ہوں زمانہ میں مقدم ہونے کے باوجود اہم چیزوں کے بعد جو رتبہ میں مقدم ہو لفظ ثم کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ سو ایسا ہی یہاں بھی ہوتا ہے کہ درحقیقت آسمان کو پہلے بنایا لیکن بیان کرتے وقت یہ کہہ دیا' پھر آسمان کو بنایا۔

میں نے جلالین شریف ص ۳۹۷' بیضاوی شریف جلد خامس ص ۴۵' مدارک شریف جلد چہارم ص ۸۹' بخاری شریف جلد ۲ ص ۷۱۲' بیضاوی ص ۱۵۷ کا خلاصہ یہاں لکھ دیا۔ اہل علم اصل بحثوں کو مذکورہ بالا حوالوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن عظیم کی آیات سے زمین و آسمان دونوں کے ہی ایک دوسرے کے بعد ہونے کا مضمون ہویدا ہے یعنی آیات کسی ایک کی تقدیم پر قطعی الدلالتہ نہیں ہیں اور جب مفسرین کرام کے اسی کی روشنی میں دو مکتبہ فکر پیدا ہوگئے کہ کوئی زمین کی تخلیق مقدم کر رہا ہے اور کوئی آسمان کی' اور آج چودہ سو سال کی تاریخ میں فریقین میں سے کوئی گروہ دوسرے پر قرآن کی مخالفت کا الزام نہیں رکھ رہا ہے تو اگر مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آسمان کی تخلیق کے مقدم ہونے کی بات کردی تو ان پر قرآن کی مخالفت کا الزام کہاں تک مبنی برانصاف ہے؟ اس لیے گزارش ہے کہ سائل کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا کلام قرآن کی ایک آیت کے خلاف نظر آیا اور کوتاہی یہ ہوئی کہ اس نے والنازعات والی آیت دیکھی ہی نہیں۔

زمین چار دن میں بنی اور آسمان دو دن میں یا آسمان چار دن میں اور زمین دو دن میں؟

اس مسئلہ پر قرآن عظیم نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں دیا۔ آیات کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے--- آیت سورۂ یونس میں ہے۔

"آسمان و زمین چھ دن میں بنایا"۔ اس آیت میں آسمان و زمین کی مشترکہ مدت تخلیق بتائی گئی۔ دونوں کی علیحدہ علیحدہ مدت بیان نہیں کی گئی جس کی عقلاً مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) تین دن میں زمین آسمان۔

(۲) چار دن میں زمین دو دن میں آسمان۔

(۳) دو دن میں زمین چار دن میں آسمان۔

مزید عقلی صورتیں نکل سکتی ہیں مگر وہ ہماری بحث سے بے علاقہ ہیں' اس لیے انہیں ذکر کر کے نمبر بڑھانا بے فائدہ سمجھا۔

آیت حم سجدہ سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے چنانچہ اس میں ہے کہ "دو دن میں زمین' دو دن آسمان' اور چار دن میں ...ہ چیزیں جو زمین کے اندر یا اوپر ہیں" لیکن اس آیت میں بیان کیے ہوئے دنوں کی مجموعی تعداد آٹھ دن ہو جاتی ہے جبکہ سورۂ ...ونس میں مجموعی تعداد صرف چھ دن بتائی گئی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں تطبیق کی ایک ممکن صورت یہ بھی تھی کہ کہا جائے کہ چھ دن اور آٹھ دن میں کوئی منافات نہیں کہ ...یسے مقام پر عدد حصر کے لیے نہیں ہوتا یعنی یہ مطلب نہیں کہ اس سے زائد نہیں ہو سکتا۔ شیخ محقق اشعتہ اللمعات میں لکھتے ...ں: "در ذکر قلیل و کثیر منافات نیست از جہت وجود قلیل در ضمن کثیر"۔ کم عدد اور زائد عدد میں کوئی تعارض نہیں کہ کم زائد ...کے اندر ہی ہوتا ہے۔

آسمان سات ہیں یا تو قرآن نے سات بنائے قدیم ہیئت دان اور حکماء کہتے ہیں' قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

...اِنْ قِیْلَ اِنَّ اَصْحَابَ الْاِرْصَادِ اَثْبَتُوا التِّسْعَةَ ...لْتُ فِیْمَا ذَکَرُوْہُ مَشْکُوْکٌ وَاِنْ صَحَّ فَلَیْسَ ...ی الْاٰیَةِ نَفْیُ الزَّائِدِ۔

اگر کہا جائے کہ اہل ہیئت نو آسمان ثابت کرتے ہیں اور قرآن سات' تو میں کہوں گا کہ اولاً ان کی باتیں خود مشکوک ہیں اور صحیح ہوں تو قرآن میں سات کا بیان ہے سات سے زائد کی نفی نہیں ہے۔

الغرض! یہ تاویل ممکن تھی کہ جس آیت سے چھ دن ثابت اس کا مطلب یہ نہیں کہ آٹھ دن نہیں جب دو دن مزید آیت سجدہ سے ثابت ہوگئے تو یہی مانا جائے۔

marfat.com

لیکن ائمہ تفسیر میں کوئی بھی اس تاویل کا قائل نہیں' اس لیے یہ خارج از بحث ہے۔ اسی طرح تین دن میں آسمان اور تین دن میں زمین جیسا کہ اوپر عقلی شقوں میں پہلی شق ہے اس کا بھی قول کسی سے ثابت نہیں' اس لیے یہ بھی بحث سے خارج ہے۔

اب تطبیق کے لیے دو صورتیں رہ جاتی ہیں۔

(۱) زمین چار یوم میں اور آسمان دو یوم میں۔

(۲) آسمان چار یوم میں اور زمین دو یوم میں۔

اول اکثر مفسرین کا قول ہے چنانچہ صاحب مدارک کا قول ہے:

وَفِی الْحَدِیْثِ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ الْاَرْضَ یَوْمَ الْاَحَدِ وَالْاِثْنَیْنِ وَخَلَقَ الْجِبَالَ یَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَخَلَقَ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ الشَّجَرَۃَ وَالْمَآءَ وَالْعِمْرَانَ وَالْخَرَابَ فَتِلْکَ اَرْبَعَۃُ اَیَّامٍ وَخَلَقَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ اَسْمَآءَ وَخَلَقَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ النُّجُوْمَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالْمَلَائِکَۃَ وَخَلَقَ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ اٰخِرِ سَاعَۃٍ مِّنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ۔ (مدارک چہارم ص۸۹)

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتوار اور دوشنبہ کو زمین بنائی۔ منگل کو پہاڑ اور بدھ کو پانی آبادی ویرانے' یہ چار یوم ہوئے اور جمعرات کو آسمان اور جمعہ کو چاند سورج فرشتے' آدم علیہ السلام کو جمعہ کی آخری گھڑی میں بنایا۔

اور سورۂ حم سجدہ کی آیت مبارکہ میں چار دن کے لفظ کو دو دن مانیں گے' تاکہ سورۂ یونس سے مطابقت ہو جائے۔ مدارک میں ہے:

فِیْ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ فِیْ تَتِمَّۃِ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ وَلَا بُدَّ مِنْ ھٰذَا التَّقْدِیْرِ۔ لِاَنَّہٗ لَوْ جَرٰی عَلَی الظَّاھِرِ لَکَانَتْ ثَمَانِیَۃُ اَیَّامٍ۔ (مدارک چہارم ص۸۱)

زمین پر جو کچھ ہے چار دن میں بنایا۔ یعنی یہ چار پہلے والے دو دن ملا کر ہوئے (تاکہ مجموعی شمار چھ دن ہی رہے) اس تاویل کی ضرورت اس لیے پڑی کہ آیت کا ظاہر مراد لیا جائے تو کل آٹھ دن ہو جاتے ہیں۔

اور اس تاویل کا جواب کلام عرب سے اس طرح پیش کیا۔

کَقَوْلِکَ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَۃِ اِلٰی بُغْدَادَ فِیْ عَشْرِ اَیَّامٍ وَاِلَی الْکُوْفَۃِ فِیْ خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا۔ (بیضاوی خامس ص۴۵)

جیسا کہ کہتے ہیں کہ بصرہ سے بغداد تک دس دن میں گیا اور کوفہ تک پندرہ دن میں' اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ کوفہ تک جانے کے لیے الگ سے پندرہ دن لگے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ بغداد کوفہ کل ملا کر پندرہ دن ہوئے۔

اسی قول کی ایک دوسری تعبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بخاری میں مروی ہے اور خازن نے اسی کو عبداللہ بن سلام' کعب احبار' ضحاک' مجاہد کا قول بتایا اور طبری کا مختار کہا۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ التُّرْبَۃَ الَّتِیْ ھِیَ الْاَرْضُ بِلَا دُحُوٍّ وَلَا بَسْطٍ فِیْ یَوْمِ الْاَحَدِ وَالْاِثْنَیْنِ ثُمَّ

اللہ تعالیٰ نے مٹی جس کو زمین کہتے ہیں بغیر پھیلائے اور بچھائے دو دن اتوار اور دو شنبہ کو پیدا کیا' پھر آسمان کو دو دن

marfat.com

اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ الثُّلثَاءِ وَالْاَرْبَعَاءِ ثُمَّ وَحَا لِاَرْضِ وَبَسَطَهَا وَاَخْرَجَ مَائَهَا وَمَرْعَاهَا وَجَمِیْعَ مَا فِیْهَا فِیْ یَوْمَیْنِ وَهَا الْخَمِیْسَ وَالْجُمُعَةَ۔

منگل بدھ میں بنایا' پھر زمین پھیلایا اس میں پانی نکالا۔ چراگاہیں بنائیں اور اس میں جو کچھ ہے جمعرات اور جمعہ کو بنایا۔

الغرض! اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اتوار سے بدھ تک زمین اور اس کے متعلقات بنے اور جمعرات اور جمعہ کو آسمان اور اس کے متعلقات اس طرح آسمان و زمین کل چھ یوم میں بنے۔ سورہ حم میں جو زمین کے لیے دو دن اور متعلقات کے لیے چار دن مذکور ہے اس کا مطلب الگ سے چار یوم نہیں ہے' بلکہ وہ اور یہ ملا کر چار یوم ہے۔

دوسری صورت کے بارے میں امام خازن فرماتے ہیں:

قِیْلَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ ثُمَّ اللَّوْحَ فَکَتَبَ فِیْهِ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ ثُمَّ خَلَقَ الظُّلْمَةَ وَالنُّوْرَ ثُمَّ خَلَقَ الْعَرْشَ ثُمَّ خَلَقَ السَّمَآءَ مِنْ دُرَّةٍ بَیْضَآءَ ثُمَّ خَلَقَ التُّوْبَةَ ثُمَّ خَلَقَ جَمِیْعَ مَا فِیْهَا خَلَقَ اٰدَمَ فِیْ اٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَتَکَامَلَ جَمِیْعَ الْخَلْقِ سِتَّةَ اَیَّامٍ۔ (خازن دوم ص ۱۰۰-۹۹)

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم پیدا کیا' پھر اس نے ما کان وما یکون لکھا پھر روشنی اور تاریکی پیدا فرمائی پھر عرش بنایا' پھر آسمان بنایا سپید موتی سے۔ پھر زمین پیدا کی' پھر اس میں جو کچھ ہے وہ بنایا۔ پھر آدم علیہ السلام کو جمعہ کی آخری ساعت میں بنایا تو پوری مخلوق چھ دن میں ہو گئی۔

اس قول میں ہر ہر دن کی مخلوقات کا الگ الگ بیان تو نہیں ہے لیکن یہ تصریح ہے کہ یہ سب چھ دن میں بنا اور یہ بھی واضح ہے کہ آخری دن جمعہ تھا' پس اس حساب سے پہلا دن اتوار ہوا۔ پھر اس قول کی عبارت پر غور کیجئے تو آسمان اور اس کے متعلقات کے لیے چار جگہ خلق کا لفظ آیا ہے کہ یہ پیدا کیا وہ پیدا کیا۔ جس کو آسانی سے چار دن پر تقسیم کیا جا سکتا ہے اور زمین و متعلقات کے لیے دو جگہ خلق کا لفظ جس کا صریح مطلب یہی ہوا کہ زمین کے لیے دو دن صرف ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لیے الگ سے کسی دن کی ضرورت نہیں کہ یہ دوسرے دن جمعہ کی آخری ساعت میں پیدا کیے گئے۔ یہ بات فریقین کے نزدیک متفق الیہ ہے' کیونکہ جو لوگ آخری دو دن آسمان کے لیے بتاتے ہیں' وہ بھی دوسرے دن جمعہ کی آخری ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بتاتے ہیں۔ اب صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ قول اسی گروہ کا ہے جو ابتدائی چار یوم میں آسمان اور آخری دو دن میں زمین کی تخلیق کے قائل ہیں۔

اور اس قول والوں کے لیے آیات حم سجدہ کی تاویل نہایت آسان ہے۔ ہم آیات حم سجدہ کو جوں کا توں قبول کرتے ہیں۔

marfat.com

یادگار منانا شرعاً کیسا ہے؟

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں۔ دنیا نے مان لیا کہ جو قوم اپنے محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ اور کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے' نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑنے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا' بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے' اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔

تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر کچھ ایسے بھی دن ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیات عطا فرما دیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ جس کے اذن و عطا نے اس کو سنوار دیا ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں اس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" والے آقا کی وسعت و امان میں پلتا ہی رہتا ہے۔ مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر و نشر ہے۔

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب

چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے' لہٰذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں شہر بہرائچ کے ایک فرقہ وارانہ اجتماع میں مدرسہ دیوبند کے مہتمم نے عید میلاد النبی منانے والوں پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت تاریخ اس کی پیدائش تاریخ میں نہیں' کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بروں کی ہوتی ہی رہتی ہے۔ یہ عید میلاد النبی ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے جب نبی کریم (علیہ الصلوۃ والتسلیم) نے اظہار نبوت فرمایا اور کار نبوت شروع فرما دیا تھا۔

بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام

marfat.com

کو ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر بہرائچ گیا' وہاں تعلیم یافتہ و متدین صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا اور جواب کے طالب ہوئے۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ عید میلادالنبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئی تھیں کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے اور جہاں جینتی اور مرتیو منانے کی عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی۔ قوموں نے یوم میلاد و یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل

قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ ان کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے مہتمم مذکور پر پڑ گیا ہو تا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے' اس کی جرات نہ کر سکتے۔

قرآن کریم میں مقبولان درگاہ برحق کے لیے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ

سَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا۔

ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدان حشر میں اٹھیں گے۔

اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے' میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔

کوئی بتائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا بوکس ہی سہی' قرآن کو بادل ناخواستہ اپنے دنیا ہی کے لیے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبہ عناد کی بنا پر کرے جو اللہ والوں سے اس میں در اینما چلی آ رہی ہو' بالکل ظاہر ہے کہ خادمان حق کی ہر گھڑی جب سے زمانے کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلہ زماں رہے گا ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے آیا اور درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔ ہمارے آقا رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔

ہر پچھلی ساعت سے اگلی ساعت آپ کی بہتر ہے۔

بایں ہمہ دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت جل و علا اس اولوالعزم رسول نے تین دن کے انتخاب فرمایا یوم پیدائش' یوم وصال و یوم حشر و نشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔

ایام اللہ کی یادگار مناؤ۔

یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ کا دن ہے۔ غرض آیات قرآنیہ نے تعین تاریخ کو معاذ اللہ بدعت ضالہ کہنے والوں پر جا بجا طمانچے مارے ہیں اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں' بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد آ جاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا' پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جنیتی مرتیو منانا کہتے ہیں اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لیے ہے جو انبیاء علیہم السلام میں عبارۃ النص ہے' یعنی دونوں کے لیے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

marfat.com

بات میں بات نکلتی ہے۔ یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے لیے تین وقتوں کے لیے تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے۔ یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگان دین کرتے ہیں لیکن تیسرا یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا اور اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں اور انشاء اللہ تعالیٰ منائیں گے۔ تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! تین دن ہیں' ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہو گے۔ یہی دیکھنے میں بھی آ رہا ہے جو ان دونوں یادگاروں کے منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں' آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں کہ قرآن جس کو "اَلْکُفَّارُ وَمِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ" فرمایا گیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں دین حق پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یادیں مٹائی نہ جائیں

یادیں منائی جائیں اور انہیں برقرار رکھا جائے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی حَبِیْبِہِ الَّذِی اصْطَفٰی قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ ○

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلّٰی

ہم اہلسنّت وجماعت سال کے مختلف مہینوں کے مخصوص اوقات میں اپنے اسلاف واکابر کی یادیں مناتے ہیں۔
میں ڈھکی چھپی باتوں کے کہنے کا قائل وعادی نہیں' ایسے اشارات وکنایات ذہنوں کو بوجھل تو بنادیں مگر عقدہ کشائی نہ کر سکیں ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

میکدے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوت کوہ و بیاباں ہیں وہ اسرار ہیں فاش

میں بہت ہی واضح الفاظ میں اس کا اظہار کیے دیتا ہوں کہ ہم اہلسنّت وجماعت کبھی محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں۔ بارہ ربیع الاول شریف کو جلوس عید میلاد النبی نکالتے ہیں۔ گیارہ ربیع الثانی شریف کو پیران پیر دستگیر حضور سیدی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلا کر ان کی یاد مناتے ہیں۔ چھٹی رجب شریف کو سلطان ہند خواجہ خواجگان سیدی سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد مناتے ہیں۔ دسویں محرم الحرام شریف کو نواسہ رسول سیدنا امام عالی مقام سرکار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ' اور چودھویں شعبان کو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک نادیدہ عاشق حضرت سیدنا اویس قرنی اور پچیس صفر کو امام اہلسنّت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یادیں مناتے ہیں اور دسویں

marfat.com

ذوالحجہ کو حضرت سیدنا ابراہیم خلیل' اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح کی یادیں مناتے ہیں۔ صَلَوٰۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا۔

غرضیکہ سال و مہینے اچھے خاصے یادوں میں گھرے ہوئے ہیں' لہٰذا آج ہم کو اور آپ کو مل جل کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم لوگ وفور عقیدت اور افراط محبت میں من مانی یادیں مناتے ہیں۔ یہ اختراع محض ہے یا کوئی مفروضہ و من گھڑت تصور ہے؟ یا واقعتاً اسلام اپنے ماننے والوں کو اس کی اجازت دیتا ہے کہ مٹائی نہ جائیں' بلکہ یادیں منائی جائیں اور انہیں برقرار رکھا جائے۔

یوم ولادت

میں یقین و اعتماد کی بلند ترین چوٹی سے ببانگ دہل اس کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر اسلامی سچائی اور دیانتداری کے ساتھ عمیق و گہری نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اسلام کھلے بندوں اس کی اجازت دیتا ہے کہ یادیں مٹائی نہ جائیں' بلکہ منائی جائیں۔

اگر کسی کی آنکھ پر تعصب و تنگ نظری کی عصبیت و تنگ خیالی کی عینک لگی ہو تو اب وہ اسے اتار دے اور انتہائی اعتدال پسندی اور سنجیدہ مزاجی سے آنے والی گفتگو پر دھیان دے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو عہد رسالت کی ایک بات یاد دلاتا چلوں۔ زمانہ آقائے کائنات کا ہے جسے خیر القرون (بہترین زمانہ) کہا جاتا ہے۔ مہینہ غیر رمضان کا ہے اور دن دو شنبہ کا۔ سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم روزہ سے تھے۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں کا ایک اسلامی مزاج اور اسلامی فطرت یہ ہے کہ اگر کوئی توانا' تندرست' ہٹا کٹا کڑیل جوان' رمضان کے مہینے میں روزے سے نہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تمہارا روزہ کیوں نہیں؟ اور ایسے ہی اگر کوئی درویش صفت غیر رمضان میں تشریف لائیں' آپ نے اس محترم و معزز مہمان کے کھانے کا نظم کیا' ساری نعمتیں دسترخوان پر چن دیں۔ اب آپ نے عرض کیا تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ مہمان نے جواب دیا میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ آپ نے حیرت زدہ ہو کر دریافت فرمایا' کیا کوئی فروگذاشت یا کوتاہی ہو گئی ہے؟

آنے والے مہمان نے جواب دیا' ایسا نہیں ہے بلکہ میں روزہ سے ہوں۔ یقیناً ایسے موقع پر آپ سوال کریں گے' یہ آج آپ کا روزہ کیسا ہے؟

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ اسلامی مزاج ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا قابل تعجب اور غیر رمضان میں روزہ رکھنا باعث حیرت ہے۔

چنانچہ جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ آقائے دو جہاں روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روزہ سے ہیں تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آج سرکار کا روزہ کیسا ہے؟

جواباً سرکار نے ارشاد فرمایا:

یَوْمَ وُلِدْتُ۔

آج کے دن میں پیدا کیا گیا ہوں۔

یعنی آج میرا یوم ولادت اور پیدائش کا دن ہے۔ اس سے پتہ چلا اور حقیقت منکشف ہو گئی کہ سرکار ابد قرار نے "یوم" کی قید لگا کہ متنبہ فرما دیا کہ میں نے اپنے "یوم ولادت" کو مرنے نہیں دیا' بلکہ روزہ رکھ کر اسے زندہ رکھا۔

معلوم ہوا کہ بڑے اچھے اور تاریخی دنوں کو فراموش نہیں کیا جاتا' بلکہ اسے کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا جاتا ہے۔

marfat.com

ایک سوال: ہاں! اب کوئی دشمن رسول یہ سوال کر سکتا ہے کہ میں نے اس حد تک تسلیم کیا کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا بلکہ اسے برقرار رکھا جاتا ہے' تو پھر ایسا کیجئے کہ جس طرح رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھا--- بارہ ربیع الاول کو آپ لوگ بھی روزہ رکھا کیجئے' یہ گیٹ اور شامیانہ کیسا؟ رنگ برنگ کی جھنڈیاں کیسی؟ پلاؤ اور بریانی کیوں؟ آرائش و زیبائش کیسی؟ محفل میلاد اور سلام و قیام کی دھوم دھام کا کیا معنی؟ جشن چراغاں اور تقسیم تبرک کا اہتمام کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں! اگر یاد ہی منانا ہے تو خاموشی سے آپ لوگ بھی روزہ رکھ لیا کیجئے۔

بہت خوب! معلوم ہوا پڑھنے نہیں گئے تھے بلکہ "بھاڑ" جونکنے گئے تھے۔ جی جناب والا! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اس طرح کے بعض واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جس سے فعل کی تخصیص مقصود نہیں ہوتی کہ بس یہی کیا جائے بلکہ اسی سے اصول و ضابطے' آئین و دستور جنم لیتے ہیں بلکہ وہی فعل مقیس علیہ بنتا ہے اور دوسری چیزوں کو اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

دستور محبت

مثلاً آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعت گو شاعر خصوصی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا معمول یہ تھا کہ خواہ وہ خود کہیں بھی رہتے مگر آنکھ ان کی ادھر ہوتی اور روئے زیبا مصطفیٰ کا' زبان ان کی ہوتی اور خطبہ رسول اللہ کا۔ غرضیکہ سرکار کی ایک ایک ادا کو شعر و سخن کے سانچے میں ڈھالنا اور اسی بہانے آتش محبت پر شبنم کا چھڑکاؤ کرنا ان کا دستور محبت تھا۔ دل ویراں کو محبوب کی یادوں سے آباد رکھنا' یہ ان کی زندگی کا بہت ہی حسین مشغلہ تھا۔

انہیں جانا' انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

شاعر کی فطرت ہے' جب وہ نظم' غزل' نعت و قصیدہ وغیرہ کے دو چار شعر بھی کہہ لیتا ہے تو کسی ایسے باذوق و سلیم الطبع کو ڈھونڈتا ہے جس کو اپنا کلام سنا کر اس سے داد حاصل کر سکے۔ کبھی کبھی تو یہ ذوق شاعر کو وارفتگی کی اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ جب وہ کسی کو نہیں پاتا تو دیوار و در ہی کو سنانے لگتا ہے۔

عشق کی معراج

روزانہ تو حضرت حسان دوسروں کو تلاش کرتے تھے لیکن آج ان کا نصیب ہمدوش ثریا ہو کر منتہائے کمال کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔

آج کوئی اور نہیں' خود آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حسان! میرے متعلق جو تم نے کہا ہے' کچھ مجھے بھی تو سناؤ"۔

اسے کوئی نہیں جانتا کہ یہ سنتے ہی "حضرت حسان" پر کیا کیفیت گزر گئی۔ مجھے کہہ لینے دیجئے' گویا آج عاشق کی نہیں خود عشق کی معراج ہے۔ حسین نہیں' خود حسن سننا چاہتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک نکتہ ملاحظہ فرمائیں۔

نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواز

حضرت حسان کو یہ حکم دے کر اپنا نعتیہ کلام مجھے سناؤ۔ گویا سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے نعت لکھنے' نعت سنانے

marfat.com

اور نعت سننے کا جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی نعت شریف لکھی بھی جاسکتی ہے سنائی بھی جاسکتی ہے اور سنی بھی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر کے فراعنہ' بدبخت اور بدنصیب نعت شریف کا نام سن کر "منہ بسورتے" اور "ناک بھوں چڑھاتے ہیں" اور ان کے مکروہ چہرے پر ایسی بدنما گہری لکیریں پڑ جاتی ہیں جس سے چہرے کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ گویا میرے سرکار کا یہ ارشاد ہمایوں ان کے بدزیب چہرے پر غیبی طمانچہ اور ان کی برہنہ پشت پر' تازیانہ عبرت ہے۔ یہ ان کا ایسا بدبختانہ کردار ہے کہ انسانیت ہمیشہ نفرین و ملامت کرتی رہے گی۔

ہاں! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سرکار نے فرمایا "حسان" مجھے میری نعت سناؤ۔ حسان حکم پاتے ہی سراپا ادب ہو کر کھڑے ہو گئے' ابھی نوک زبان پر کوئی حرف نہ آیا تھا' اب کچھ عرض کرنا ہی چاہتے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "حسان! رک جاؤ"۔

یہ سنتے ہی لرزہ براندام ہو گئے۔ خاموشی اور سناٹے کی فضا بندھ گئی۔ اب سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا' جاؤ وہ منبر لاؤ۔ حکم پاتے ہی وہ صحابی آگے بڑھے' کیوں نہ جاتے؟ وہ صحابی تھے..... اور منبر حاضر لائے۔ اب میرے سرکار نے حضرت حسان کو دوبارہ حکم دیا کہ حسان! اس منبر پر آجاؤ اور میری نعت پڑھو:

میں دنیا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ کلام فرش خاک پر نہ پڑھا جا سکتا تھا؟ منبر ہی کیوں منگایا گیا؟

اس واقعہ کو پیش کر کے مضمون کو طول دینا مقصود نہیں ہے' بلکہ ایک خاص نکتہ آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ یعنی منبر کو سرکار اہتمام کی دلیل بنا دینا چاہتے ہیں یعنی یہ کسی اور کا ذکر نہیں میرا ذکر ہے' لہٰذا میرے ذکر میں اہتمام کرنا چاہیے۔ معلوم ہوا بولا تو منبر ہی پر جا رہا ہے مگر اب اس سے مراد منبر ہی نہیں ہے بلکہ جب میرا ذکر کیا جائے تو اس میں اہتمام کیا جائے' گویا منبر کی دلالت' اہتمام پر ہو رہی ہے۔ یعنی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء بالکل سادہ طریقے سے نہ کیا جائے' بلکہ اس میں اہتمام ہونا چاہیے۔

اہتمام

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ منبر منگا کر' اہتمام کی دلیل دینی مقصود ہے اور "اہتمام" ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں تخت' کرسی' منبر' چادر' فرش اور فروش' شامیانہ' گیٹ لائٹ' جھنڈیاں' اگر بتی' عطر' تبرک اور لنگر' یہ سب کے سب اسی میں شامل ہیں' گویا اہتمام کے پیٹ میں یہ سب موجود ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی گہرائیوں اور بطون کو دیکھنے و سمجھنے کے لیے نور ایمان اور نگاہ مومن درکار ہے "پیاز" کا ایک ہی چھلکا نہیں ہوتا چھلکے پر چھلکا ہوتا ہے' بس ایسے ہی بہت سے مسائل کے بطون ہوتے ہیں جس میں تہ پہ تہ ہوتی ہے۔ خزینہ میں خزانہ اور گنجینے میں گنجینا ہوتا ہے۔

اہتمام' بظاہر ایک ہلکا پھلکا سا لفظ معلوم ہوتا ہے' لیکن اس کے پھیلاؤ اور وسعتوں میں بے پناہ گہرائیاں ہیں۔ چنانچہ محفل میلاد شریف میں آرائش و زیبائش سے متعلق جس قدر بھی پھیلاؤ دیکھا جاتا ہے۔ وہ سب کے سب اسی لفظ "اہتمام" کی کوکھ سے جنم لیے ہیں۔ انہیں نہ تو کہیں اور جگہ ڈھونڈا گیا نہ اور کہیں سے لایا گیا۔

لہٰذا سرکار کے روزہ رکھنے کا مقصد امت کو روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے' بلکہ سرکار دو شنبہ مبارکہ کو روزہ رکھ کر اس دن کی اہمیت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں گویا آج کے روز کوئی بھی ایسا جائز و شرعی کام کیا جائے کہ جسے لوگ دیکھ کر یہ دریافت کرتے ہوں کہ کل ایسا نہیں تھا' آج ایسا کیوں ہے؟

چنانچہ عید میلادالنبی کا جلوس اور جلسہ عید میلادالنبی کے گیٹ' اسٹیج' شامیانے اور ڈیکوریشن وغیرہ۔ یہ اسی سوال کی

marfat.com

علامت اور نشانی ہے۔ انہیں سبھوں کو دیکھ کر نہ جاننے والے جاننے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آج یہ کیسا اہتمام ہو رہا ہے؟ اب ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ آج ہی تو پیغمبر اسلام کی پیدائش کا دن ہے۔ اب تم ہی بتاؤ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو دوسری قوموں کو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ مسلمان کسی مردہ قوم کا نام ہے یا کسی زندہ قوم کا۔ اور اس سلسلہ میں ارشاد باری بھی ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اور اپنے رب کی نعمت کا اعلان و چرچا کرو۔

سرکار سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کون سی دوسری نعمت ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا رب کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپایا نہیں جاتا' بلکہ اس کا اعلان اور چرچا کیا جاتا ہے۔ یہ جلوس عید میلادالنبی اور جلسہ عید میلادالنبی یہ دونوں اسی تحدیث نعمت اور اعلان و اظہار کے حسین مناظر و مظاہر ہیں۔ جو خوش عقیدہ مسلمان کے جوش محبت اور وفور عقیدت کی ایک تابناک و روشن دلیل ہے۔ یہ ہمارا ایک جمہوری حق ہے۔ نہ تو اب سے پہلے کسی نے اس پر قدغن لگایا اور نہ ہی کس نے پہرہ بٹھایا۔ ہم اس رسم سعید کو مناتے چلے آرہے ہیں اور اپنی حیات مستعار کے آخری لمحے تک' اگر خود نہ منا سکیں گے تو کم از کم دل زندہ میں یہ آرزو ضرور مچلتی رہے گی کہ جشن چراغاں کی دھوم دھام' عشق پروردہ آنکھیں دیکھتی رہیں۔

گو ہاتھ میں طاقت نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ سرکار کے روزہ رکھنے کا مقصد ہرگز ہرگز روزہ ہی رکھوانا نہیں ہے' بلکہ کسی بھی شرعی و جائز فعل سے اس دن کی حرمت و عزت کو برقرار رکھ کر اس کا اعلان و چرچا بھی مقصود ہے' تاکہ اس دن کی یاد باقی رہ جائے۔

حضرات! جب حضرت حسان کا ذکر آ ہی گیا ہے تو بر سبیل تذکرہ ان کے کمال عشق اور بے لوث محبت کی دل جیتنے والی ادا ملاحظہ فرمائیے:

حضرت حسان ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

مَا اِن مَّدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِن مَّدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

اے لوگو! تم کہیں یہ دھوکا نہ کھانا کہ میری شاعری و شعر و سخن نے رسول کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و منصب اونچا کر دکھایا۔ معاذ اللہ حاشا و کلا! ایسا نہیں میری شاعری سے ان کا مقام بلند نہیں ہوا' بلکہ میری شاعری میں سرکار کا نام آجانے کی وجہ سے میرا کلام اونچا ہو گیا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

قربان جائیے! یہ تھا صحابہ کرام کا زندہ جاوید عشق۔ عشق اور راہ محبت میں ایسی معتدل و محتاط روش جو کہیں اور ڈھونڈے نہ مل سکے۔ کہاں ہیں؟ آج کے نام نہاد دعویداران عشق و محبت' اور کہاں ہیں شرک و بدعت کے کھوکھلے نعروں کے سہارے' سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالنے والے جو خود اپنے رسول کو زبان اردو پڑھانے کے مدعی ہیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

عنوان پہ چل رہا ہے! یادوں کو مٹایا نہیں جاتا' بلکہ یادوں کو برقرار رکھا جاتا ہے' چنانچہ اس سلسلے میں تاریخ کی ایک اور سبق آموز کڑی ملاحظہ فرمائیے۔

marfat.com

برسی منانا

غزوہ احد تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی اہم معرکہ ہے۔ مجھے اس کی تفصیل نہیں بتانی ہے' بلکہ اس کا پس منظر پیش کرنا ہے۔ فتح و کامرانی کے بعد جب شہدائے احد کی نعشوں کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ اس کے ٹھیک ایک سال پورا ہونے کے بعد آقائے دو جہاں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے ہیں۔

اولاً تو ایک سوال یہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر تشریف لانا ہی تھا تو ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ سال پورا ہونے کے دو ایک روز پہلے یا دو ایک روز بعد تشریف لاتے مگر ایسا نہیں ہے۔ ٹھیک اس روز جس دن سال پورا ہو رہا ہے گویا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اپنی قوم کہ یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ قبروں پر آنا بھی جائز ہے اور برسی منانا بھی درست ہے۔

یعنی اس تشریف آوری کا مقصد ہے کہ اگر یہاں نہ آیا جائے تو اعلائے کلمتہ الحق کی خاطر شہدائے احد کے ایثار و خلوص' جانبازی و جواں مردی' حق گوئی و ایثار پسندی گویا تن' من' دھن لٹا دینے کے جو روشن نقوش ہیں اندیشہ ہے کہ کہیں وہ مٹ نہ جائیں اور تاریخ کے ایسے زریں نقوش جس سے امت مسلمہ کو سبق حاصل ہوا اور اندھیرے میں اجالے کا کام دیں۔ انہیں مٹایا نہیں جاتا' بلکہ اگلی نسلوں کو زندہ رکھنے کی خاطر انہیں زندہ رکھا جاتا ہے اور آج ہمیں آپ سے یہی عرض کرنا ہے کہ یادوں کو مٹایا نہیں جاتا' بلکہ انہیں شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں پر خوش اسلوبی سے منایا جاتا ہے۔

سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لا کر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ شہدائے اسلام جو اپنی اپنی قبروں میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ للہیت و راست بازی اور ایثار و قربانی کی ایک بہت ہی اہم تاریخ وابستہ ہے۔ لہٰذا انہیں کسی نہ کسی بہانے یاد کیا جائے۔ انہیں ہرگز ہرگز نہ بھلایا جائے۔ یاد رہے کہ تاریخ ساز شخصیتوں کا مجاہدانہ کردار محض ایک مورخ کے نوک قلم ہی تک نہ محدود رہے کہ محض کتابوں کی سطروں میں انہیں پڑھا جائے' بلکہ ان کے آستانوں تک اور گنج شہیداں میں پہنچ کر خون کی ایک ایک چھینٹ اور لہو کی ایک ایک بوند سے ان کی داستان عظمت پوچھئے! جہاں کے دیوار و در اور ذرے ذرے کہہ رہے ہوں گے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

خدانخواستہ! شرک و بدعت کے ہتھکنڈوں کے تحت اگر آستانہ جات پر آمد و رفت بند کر دی گئی تو کم تعلیم یافتہ' عدیم الفرصت اور مصروف بکار حضرات جنہیں تاریخی مطالعہ کی فرصت نہیں' جو آستانہ جات کی قدیم علامات و نشانات ہی سے ان کی تاریخ پڑھنا جانتے ہیں۔ آخر ان لوگوں میں مذہب اسلام کے لیے اخلاص و ایثار کی اسپرٹ کہاں سے پیدا ہو سکے گی؟ ضرورت ہے کہ ان کے مزارات پر آتے رہنے کی۔ گویا۔

تازہ خواہش داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

خواہ ان واقعات و قصص کو تاریخی کتابوں میں پڑھئے یا آستانوں پر پہنچ کر وہاں کے دیوار و در اور بے زبان و خاموش ذروں سے پوچھئے۔ بہرحال! اسلام کی اہم شخصیتوں اور اسلام کے اہم واقعات کو بھلایا نہیں جاتا۔ بلکہ ان کی یادیں منا کر انہیں کلیجے سے لگایا جاتا ہے۔ یہی ہمارا مدعا ہے۔

البتہ! بات واضح رہے کہ مراسم کی ادائیگی اور یادوں کے منانے میں اسلام نے جو خطوط کھینچے ہوں۔ ان سے متجاوز ہونے کی

marfat.com

جسارت اور سعی بے جا نہ کی جائے' ورنہ کہیں نہ کہیں افراط یا تفریط کا الزام آ جائے گا اور اسلام کسی بھی حال میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ آستانہ جات کی مختلف علامات و نشانیوں میں ماضی کی ایک مستقل تاریخ پنہاں ہے۔ اسے لفظی گورکھ دھندوں سے تعبیر نہ کیا جائے بلکہ اگر دیدہ اعتبار ہو اور شعور و آگہی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا ہو تو آستانوں کی تاریخی عمارات اور اس کی نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر مشاہدے کی روشنی میں اپنے اس معاملے کی توثیق کرتے جایئے جسے آپ نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے۔ جب بات آ ہی گئی ہے تو آیئے چل پھر کر یقین و اعتماد کی یہ دولت حاصل کی جائے۔

اجمیر کے نوادرات

دیکھئے' یہ اجمیر شریف میں درگاہ روڈ ہے۔ نیچی نگاہیں اٹھایئے۔ یہ سامنے درگاہ معلّٰی ہے جس کا یہ بلند دروازہ! آپ کو معلوم ہے یہ بلند دروازہ نظام حیدر آباد دکن کے غلامی کی نشانی ہے۔ یہاں راجاؤں اور نوابوں سے گزارش نہیں کی جاتی کہ آپ دروازہ بنوادیں یا آپ بارہ دری بنوائیں یا آپ گیٹ و لنگر خانہ بنوادیں بلکہ اپنے اپنے وقت کا سلطان و شہنشاہ خود درخواست گزارتا ہے کہ ہمیں گیٹ بنانے یا ہمیں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔ اچھا ذرا اور آگے بڑھئے' یہ دیکھیے یہ جلال الدین اکبر کی چڑھائی ہوئی دیگ ہے جس میں بیک وقت سو من کا تبرک تیار ہوتا ہے۔ یہ وہ دوسری دیگ ہے جس میں اسی من دلیا پکائی جا سکتی ہے۔

یہ داہنے بازو پر آسمان بولتا گیٹ دیکھئے' یہ اکبری گیٹ ہے اور آگے بڑھئے یہ شاہجہانی مسجد ہے گویا جنت کا کوئی ٹکڑا خاک پر رکھ دیا گیا ہے۔ یہ جھالرہ ہے۔ یہ عالمگیری مسجد ہے۔ یہ اولیاء مسجد ہے۔ یہ ڈھائی دن کا جھونپڑا ہے۔ یہ وہ پتھر ہے کہ جب دشمنوں نے اوپر سے پھینکا تھا تو غریب نواز کے گھوڑے نے اپنے پاؤں پر روک دیا تھا۔ دیکھو! ابھی تک اس پر گھوڑے کی ٹاپ کے نشانات ہیں۔ یہ وہ پتھر ہے جسے غریب نواز نے اپنے چابک سے روک دیا تھا۔ دیکھو! ابھی تک اس پر چابک کا نشان ہے۔ ہاں! ہاں! یہ وہی انا ساگر ہے دشمنوں نے جس کا پانی سلطان ہند پر بند کر دیا تھا اور غریب نواز نے اس کا سارا پانی اپنے معتقد کے ذریعہ چھاگل میں بھروالیا تھا۔ دیکھو وہ مدار ٹیکری ہے۔ وہ تاراگڑھ ہے۔ وہ غریب نواز کا چلہ ہے۔ غرضیکہ پورا اجمیر تاریخی نشانیوں سے گھرا ہوا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ جن واقعات کو تاریخ کے صفحات پر پڑھا جا سکتا ہے۔ خود انہیں ماتھے کی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھا جا سکتا؟۔

آنی نہ بڑھا پائی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر آستانہ جات یا دیگر تاریخی مقامات کے آثار و علائم مٹا دیئے جائیں تو مستقبل میں کسی بھی وقت ان واقعات کو جھٹلایا جا سکتا ہے اور ان کی تکذیب کی جا سکتی ہے' ایسے تاریخی دستاویز تو طلسم ہوشربا یا الف لیلیٰ کی مفروضہ داستان اور من گھڑت کہانیاں تصور کی جائیں گی۔

دیکھیے یہ کچھوچھہ مقدسہ ہے۔ یہاں اللہ کا وہ محبوب بندہ آرام فرما ہے جس نے سمنان کی سلطنت اور تخت و تاج اور شاہی کروفر کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر درویشی اختیار کی اور آج کروڑوں انسانوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

marfat.com

دیکھئے یہ آستانے کے مشرقی جانب ایک تھوڑا سا راستہ چھوڑ کر ہر طرف پانی سے گھرا ہوا ہے جسے "نیر" کہا جاتا ہے اور پورے پانی پر "سوار" کی ہری گھاس مخمل کی طرح بچھی ہوئی ہے جو بطور شفاء استعمال کی جاتی ہے' غرضیکہ اس کے ساتھ ایک مستقل تاریخ وابستہ ہے۔

یہ بہرائچ شریف ہے جہاں سیدی سالار مسعود غازی آرام فرما ہیں۔ قدم قدم پر ماضی کی نشانیاں دیکھتے جاؤ اور عہد رفتہ کی یادوں سے اپنے اسلاف کی پاکیزہ ارواح کو بلندی درجات کی دعائیں دیتے جاؤ۔ یہ وہ آستانہ ہے جہاں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم لاکھوں کی تعداد میں حاضر ہوتے ہیں' بلکہ میلہ میں کئی لاکھ غیر مسلموں ہی کی ہماہمی رہتی ہے۔ جب سخن گسترانہ بات آہی گئی ہے تو دل یہ چاہتا ہے کہ صرف چند منٹ کے لیے اپنے معینہ عنوان سے ہٹ کر آج کے ایک ابھرے ہوئے مسئلہ کی وضاحت کردی جائے' چونکہ بعض لوگوں نے آج قبر پر حاضری کو ہماری تضحیک اور اپنے مشن کی تشہیر کا ہتھکنڈا بنا رکھا ہے' لہٰذا معذرت کے ساتھ میں آپ سے عرض کروں گا کہ اس عنوان سے متعلق چند گوشے سماعت فرمائیے جب وہ "فرقہ ثانیہ" قبر ہی کے پیچھے پڑا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں کہ آج اسے سیدھے قبرستان ہی تک پہنچا دیا جائے جہاں سے پھر وہ واپس نہ آسکے۔

قبور پر حاضری

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر پر جانا شرک و بدعت ہے۔ اب اس سلسلے میں آپ کو ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب خصائص کبریٰ' حضرت جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ

ایک بار آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی راہ سے گزر رہے تھے' قریب ہی میں والدہ ماجدہ کی قبر تھی۔ سرکار نے ارادہ فرمایا کہ والدہ ماجدہ کی پر حاضر دی جائے۔ جیسے ہی دل میں خیال گزرا حضرت جبرئیل امین حاضر دربار ہوئے' عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ چلنا چاہیں تو تشریف لے چلیں۔ چنانچہ والدہ کریمہ کی قبر پاک پر تشریف لائے۔ تشریف لانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جیسے ہی اٹھانا چاہا جبرئیل پھر حاضر ہوئے۔ عرض' کیا یا رسول اللہ! ہاتھ نہ اٹھائیے۔

اس سے ایک گمراہ اور بھی گمراہی کے دلدل میں پھنس گیا اور اس نے معاذ اللہ یہ کہنا شروع کیا کہ آپ کی والدہ قابل بخشائش ہی نہیں' اس لیے ہاتھ اٹھانے سے روک دیا۔ گویا اس بدبخت نے اپنی ماں پر مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ماں کو قیاس کیا جیسا کہ اصول ہے "اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ" حالانکہ یہ بات نہ تھی۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا محبت و عقیدت سے بھرا ہوا جواب عطا فرمایا۔

فرماتے ہیں: اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا اگر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھانے دیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ دشمنان مصطفیٰ طعنہ دیتے کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئیں جب نبی نے اپنا دست کرم اٹھایا مگر قدرت کو یہ کب گوارا ہو کہ کوئی دریدہ دہن گستاخ و بے ادب نبی کا دل دکھائے اور ان کی دل آزاری کرے۔

بات یہ نہ تھی بلکہ اصل بات وہ ہے جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آج سرکار نے ہاتھ اٹھایا تو اندیشہ تھا کہ کل کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کردیں کہ نبی کی والدہ اس وقت بخشی گئی جب نبی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

مقصد یہ ہے کہ یا رسول اللہ! اب آپ اس کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ آپ کا نور جن جن اصلاب و ارحام سے گزرتا گیا' سب کو نور بناتا گیا۔

marfat.com

ایک واقعہ

ایک بار ایک صحابی نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ دسترخوان صاف کرڈالو۔ چنانچہ خادمہ اسے لے کر آگ کے تنور تک پہنچی اور ایک گوشہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر باقی سب کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا۔ اور چند لمحے بعد اس میں سے ایک کپڑے کو نکالا تو وہ دھلا دھلایا بالکل صاف شفاف نکلا۔ آقا نے خادمہ سے کہا میں نے تم کو دھونے کے لیے کہا تھا اور تو نے اس کو شعلے میں ڈال دیا۔ آگ کا کام جلانا ہے۔ خادمہ نے عرض کیا۔ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ پانی کا کام دھونا اور آگ کا کام جلانا ہے۔ مگر میں نے ایک روز ایسا دیکھا تھا کہ میرے سرکار نے اسی دسترخوان سے اپنی انگلیاں صاف فرمائی تھی تو میرا ایمان اور عقیدہ بول رہا تھا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلی پڑ گئی' اس پر آگ اثر نہیں کر سکتی' چنانچہ آج اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا اور شبہات بھی رفع ہو گئے یعنی دسترخوان تو نہ جلا' البتہ وہ شبہات جل کر خاکستر ہو گئے۔

تو اب مجھے بھی کہہ لینے دیجئے کہ جس چیز پر آقائے دو جہاں کی انگلیاں پڑ جائیں اس پر آگ اثر نہیں کر سکتی تو بھلا جس شکم مادر میں نو مہینے مسلسل نور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی جلوہ ریزی و ضیاپاشی کی ہو اس پر آگ کیونکر اثر کر سکتی ہے۔ "فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

قبر پر حاضری

اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پر دیکھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہدائے احد کی قبر پر دیکھا۔ اچھا تو آپ لوگ یہ بتائیے کہ نبی اس دنیا میں مبعوث کیوں کیا جاتا ہے؟ شرک پھیلانے کے لیے یا مٹانے کے لیے؟

جواب : شرک مٹانے کے لیے۔

لہٰذا آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو نبی جو شرک مٹانے کے لیے آیا تھا وہ بھلا قبروں پر کیسے جا سکتا تھا۔

اگر قبروں پر جانا شرک ہوتا تو منصب رسالت و نبوت کے خلاف ہے کہ قبر پر نبی کو دیکھا جائے۔ معلوم ہوا کہ قبر والوں کو بھلایا نہیں جاتا بلکہ ان کو یاد رکھا جاتا ہے جو لوگ قبروں کے مخالف ہیں مریں گے تو بہرحال! مگر ان کی قبروں پر آدمیوں کے بجائے کچھ اور نظر آئیں گے۔ جب بات آ ہی گئی ہے تو دو ایک واقعات اور سماعت فرمالیں۔

آفتاب نبوت کے غروب ہونے کے بعد لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر دیکھا پھر جب حضرت صدیق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرکار کے آغوش میں سپرد لحد کیا گیا۔ اب حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دونوں قبروں پر دیکھا گیا۔

اب عہد فاروقی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ کو تینوں قبروں پر حاضری دیتے دیکھا۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہو جانے کے بعد اب حضرت عائشہ صدیقہ نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: سب سے پہلے میرے شوہر کی قبر تھی۔ ان سے پردہ کیسا؟ اس کے بعد میرے

marfat.com

والد کی قبر تھی' ان سے بھی پردہ کیسا؟ البتہ! فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے غیر محرم سے میں نے پردہ کیا۔

صاحب مزار دیکھتے' سنتے اور مدد کرتے ہیں

ایک نکتہ: اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ 'اگر دیکھ نہیں رہے تو ان سے پردہ کیسا؟ بس سمجھ میں آیا جب سرکار کے غلام اپنی قبروں میں زندہ رہ سکتے ہیں تو پھر نبی کی حیات پر مناظرہ و مباحثہ کیسا؟

معلوم ہوا کہ دنیا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی قبر پر دیکھا اور حضرت صدیقہ کو بھی۔ سلسلہ رفاعیہ کے مورث اعلیٰ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے قبر رسول پر حاضری دی۔ صحابہ کرام نے حاضری دی۔ گویا ہم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر پر دیکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو قبر رسول پر دیکھا۔ ایسے ہی حضرت سیدنا امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب کسی مسئلہ میں مشکل درپیش آئی تو آپ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے اور الجھے ہوئے مسئلہ میں صاحب مزار سے استمداد و استعانت چاہتے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے کہ جو مسئلہ گھر میں حل نہ ہوتا وہ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر پر ان کے روحانی فیوض و برکات سے آن کی آن میں حل ہو جاتا۔ گویا ہم نے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر دیکھا اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قبر پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد و استعانت بھی جائز ہے اور یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو گئی کہ صاحب مزار دیکھتے ہیں' سنتے ہیں' سمجھتے ہیں اور مدد بھی فرماتے ہیں۔

کیا ہو گیا آج کے غیر مقلدین کو' کہ آمین بالجہر اور رفع یدین جیسے مسائل میں تو حضرت سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور جب قبر پر جانے کی باری آتی ہے تو گنبد خضریٰ کو صنم اکبر کہا جاتا ہے۔ بہرحال! ہم نے مالک ہندوستان خواجہ خواجگان' سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار پر دیکھا۔ ہندوستان کے اکابر اولیاء اللہ نے اجمیر شریف حاضری دی۔ سلاطین مغلیہ میں اکبر و جہانگیر' شاہجہاں اور حضرت عالمگیر نے حاضری دے کر اکتساب فیض کیا۔

اگر قبروں پر جانے والے یہ سب کے سب مشرک قرار پائیں تو اب اس روئے زمین پر مسلمان کہاں ڈھونڈا جائے؟

ضمانت

بہرحال ہم نے قبر پر جانے والوں کی ایک دستاویز تیار کر دی اگر آپ لوگ اس کی اجازت دیں تو اب اس دستاویز پر ایک آخری مہر لگا دی جائے' تاکہ قانونی کارروائی بالکل پختہ ہو جائے۔

آپ میں سے بہت سے لوگ حاجی ہوں گے آپ میں سے کوئی صاحب یہ بتائیں کہ کیا حج کی مقبولیت کی دلیل لے کر آپ آئے ہوئے ہیں؟ کوئی نہیں۔ کیا معلوم ہوا؟ تین ساڑھے تین مہینے ادائیگی حج کے لیے مکہ مکرمہ میں رہے لیکن قبولیت نہ مل سکی۔ مگر میرے آقا جسے رب نے رحمت تمام بنا کر بھیجا ان کا کرم' ان کی شفاعت و عنایت دیکھو۔ وہ فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔

marfat.com

اب تم لوگ بتاؤ کہ قبر پر بلایا جارہا ہے یا قبر پر سے بھگایا جارہا ہے اور صرف بلایا ہی نہیں جارہا ہے' بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں قبر کی حاضری اس قدر محبوب و پسندیدہ ہے کہ شفاعت کی لالچ دے کر بلایا جارہا ہے' جس طرح بچہ کبھی والدین کے قریب نہیں آتا۔ بلانے سے اور گریز کرتا ہے تو اسے بسکٹ اور ٹافی کا لالچ دے کر بلایا جاتا ہے۔ کچھ اس طرح کا نقشہ یہاں بھی ہے۔ اگر ویسے آنا نہیں چاہتے تو شفاعت کی لالچ میں آؤ۔ میں تم کو یہ ضمانت دے کر رخصت کروں گا کہ کل میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ اللہ اکبر!

یہ ہے قبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری کا صلہ۔ اگر تم مجھے نہ ڈھونڈ سکو گے تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ حاجی ایک زخمی دل کے ساتھ واپس ہو رہا تھا' سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بشارت دے کر اس کے زخموں پہ نمک نہیں چھڑکا' بلکہ مرہم رکھ دیا۔ اس کے باوجود بھی عقل کا اندھا کہتا ہے کہ قبروں پر نہیں جانا چاہیے۔ میری ترتیب دی ہوئی دستاویز کی یہ ایک ایسی مہر ہے جس نے اباطیل کی تابوت میں ایک آخری کیل ٹھونک دی ہے۔

عنوان کی ایک ذیلی گفتگو میں آپ پر اور واضح ہو گیا کہ قبروں پر جانا بھی درست ہے اور ان سے استمداد و استعانت بھی جائز ہے۔ اس مضمون کی مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

یادگاریں

اب آیئے اپنے اصل موضوع سے وابستہ ہو جایئے یعنی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا ہے' بلکہ اسے برقرار رکھا جاتا ہے جس کی متعدد مثالیں آپ کو فریضہ حج میں مل جائیں گی مثلاً ادائیگی حج میں حاجی "سعی بین الصفا والمروہ" کرتا ہے۔ صفا و مروہ یہ دو پہاڑیاں ہیں جس پر دوڑ کر آدمی سات پھیرے لگاتا ہے۔ صفا سے مروہ پر اور مروہ سے صفا پر۔

اب اگر کوئی اس سے یہ پوچھے کہ حاجی صاحب! حج اگر پہاڑیوں پر دوڑنے کا نام ہے تو ہندوستان میں پہاڑ اور پہاڑیوں کی کیا کمی تھی؟ کوہ ہمالہ کھڑا ہے اس پر دوڑ لیتے۔

تو حاجی بڑی سنجیدگی سے جواب دے گا کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ وہ پہاڑی ہے جس پر حضرت سیدہ ہاجرہ دوڑ لگا چکی ہیں۔ سائل پھر سوال کرتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کیوں دوڑی تھیں؟ حاجی صاحب جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ گئے تھے۔ حضرت اسماعیل کی زبان شدت پیاس سے باہر نکل آئی۔ نہ کہیں کنواں تھا' نہ چشمہ۔ نہ ندی تھی نہ نالا۔ نہ تالاب تھا نہ دریا۔ حضرت ہاجرہ سے شہزادے کا یہ حال دیکھا نہ گیا' تو حضرت ہاجرہ نے پانی کی لالچ میں دوڑ لگائی' شاید کہیں پانی کی چند بوند مل جائے یا کسی چشمے یا کنواں کا سراغ لگ جائے۔

سائل پھر سوال کرتا ہے کہ حاجی صاحب حضرت سیدہ ہاجرہ کا دوڑنا تو سمجھ میں آگیا کہ وہ پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں مگر آپ کو پانی کی کیا کمی؟ آج تو مکہ جل تھل ہو گیا ہے۔ آپ کیوں پریشان ہیں؟

حاجی صاحب کا جواب یہی ہو گا کہ میں پانی کی تلاش میں نہیں دوڑ رہا ہوں بلکہ دوڑ لگا کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دوڑ لگانے کی یاد تازہ کر رہا ہوں۔ یہ وہی پہاڑی ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک محبوب بندی دوڑ چکی ہیں۔ اگر ہم نہ دوڑیں گے تو ہاجرہ کی یہ ادا مٹ جائے گی اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور پیاروں کی ادائیں مٹائی نہ جائیں' بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے اور یہی یاد ان کی تاریخ کو دہراتی رہے گی۔

معلوم ہوا کہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یاد کو مٹایا نہیں گیا' بلکہ زندہ رکھا گیا اور حد تو یہ ہے کہ حج جیسے فریضہ کے ارکان

marfat.com

میں شامل کرلیا گیا۔ اب اس کے منکرین کو اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیے؟

اور آگے بڑھئے' ارکان حج میں یہ بھی ہے کہ حاجی کو طواف کعبہ بھی کرنا ہے مطاف کعبہ میں سات پھیرے لگانے ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ دے کر پھر وہیں آنا ہے' پھر وہیں سے چل کر وہیں آئے گا۔

اس طرح اس کو سات چکر لگانا ہے لیکن ان کے ساتھ پھیروں میں تین بار "رمل" کرنا ہے یعنی وہ سینہ تان کر اکڑ کر چلے گا چونکہ آقائے کائنات جب صحابہ کرام کو لے کر طواف کعبہ کی غرض سے تشریف لائے تھے تو صحابہ اپنی علالت کے باعث بہت کمزور اور نحیف نظر آرہے تھے اس پر کفار مکہ نے بطور طعن کہا کہ ایسے کمزور و نڈھال لوگ کیا طواف کعبہ کریں گے۔ صحابہ کرام نے یہ بات سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچائی کہ کفار مکہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ اس پر آقائے دو عالم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جب طواف کرو تو اس میں "رمل" کرو تاکہ ان پر تمہاری ہیبت کا سکہ جم جائے۔

چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی "رمل" فرمایا اور صحابہ کرام نے بھی۔ اب آج حاجی سے پوچھا جائے کہ تم "رمل" کیوں کرتے ہو تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ سرکار و صحابہ کی "رمل" کی وجہ تو وہ تھی جسے ذکر کیا گیا لیکن ہمارے "رمل" کی وجہ یہ ہے کہ سرکار کی ادا باقی رہ جائے۔

صدیاں بیت گئیں لیکن اس ادا کو مٹنے نہیں دیا گیا۔ اس کے شواہد ملتے جارہے ہیں کہ یادیں مٹائی نہ جائیں' بلکہ ان کو زندہ رکھا جائے۔ انہیں کیا زندہ رکھنا ہے' بلکہ خود اس میں ہی زندگی کا راز پنہاں ہے۔ گویا تم اگر جینے کی طرح جینا چاہتے ہو تو ان یادوں کو مٹاؤ نہیں' بلکہ ان کو زندہ رکھو۔

یادگاریں مٹاؤ نہیں قائم رکھو

عہد رسالت کی ایک اور بات آپ کو یاد دلائیں۔ ایک بار آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں بچوں کی ایک ٹولی گزری جو اذان کی نقل کر رہے تھے۔ کوئی "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" کہہ رہا ہے کوئی "اَللّٰہُ اَکْبَر" کہہ رہا ہے۔ بچے تو بچے ایک صاحبزادہ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی تھے۔ ان کی آواز بہت پیاری تھی۔

آقائے دو عالم نے اشارہ کرکے ابو درداء کے صاحبزادہ کو بلایا۔ ان کی پیشانی کے اگلے بالوں پر دست شفقت پھیرا' دعائیں دیں اور رخصت کر دیا۔ شہزادے نے گھر جا کر اس کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا کہ آج ہم ساتھیوں کے ساتھ اذان کی نقل کرتے گزرے تھے کہ اسی اثناء میں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب گزرے۔ میرے آقا کی نگاہ انتخاب کا کیا کہنا بس مجھ کو اپنے قریب بلایا۔ میری پیشانی کے اگلے بالوں پر اپنا دست کرم رکھا اور دعائیں دے کر رخصت فرمایا--- وہ صحابیہ ماں سن کر جھوم گئیں اور فرمایا: بیٹے! زندگی میں خواہ کتنی ہی بار بال منڈواؤ یا ترشواؤ مگر خبردار! خبردار! ان بالوں کو نہ مونڈوانا جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پڑ گئے ہیں۔

ان کو بطور تبرک اور یادگار چھوڑ دو' تاکہ اس بات کی نشانی رہے کہ یہ وہ بال ہیں جس پر آقائے دو جہاں نے دست شفقت پھیرا ہے۔ اس کے توسل سے خدا سے دعائیں مانگی جائیں۔

غور فرمائیے! اس عہد کا عقیدہ تھا کہ یادگاروں کو مٹایا نہ جائے' بلکہ اس کو باقی رکھا جائے۔ واضح رہے کہ جن بالوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیاں پڑ جائیں تو ان بالوں کو نہیں مٹایا جا سکتا تو جس دن آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس خاک دان گیتی کو نوازا جو آپ کا یوم ولادت ہے بھلا عقیدت کیش اور خوش عقیدہ

marfat.com

مسلمان اس دن کو مٹنا کیسے برداشت کرلے گا۔

وہ اسلامی نقطۂ فکر کو خوب اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ اسلام کا یہ دیا ہوا ذہن و مزاج ہے کہ تاریخی دنوں کو مٹایا نہیں جاتا' بلکہ انہیں زندہ رکھا جاتا ہے۔ اسی میں ہماری قومی زندگی کا راز مضمر ہے اور کوئی بھی زندہ و بیدار مغز قوم اپنی سنہری تاریخ کا چہرہ مسخ ہوتے برداشت نہ کرے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آج اگر کوئی مسلمان اپنے اسلاف کی یادیں مناتا ہے تو یہ کوئی مفروضہ یا اختراع محض نہیں' بلکہ یادوں کا منانا یہ ایک ایسی زندہ جاوید حقیقت ہے جسے اسلام نے ہمیشہ کے لیے اپنے کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔

اختتام گفتگو پر ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے۔

بندہ نواز

اکابر سلسلہ چشتیہ میں آپ نے سلطان چراغ الدین دہلوی اور حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام نامی سنا ہوگا۔ حضرت سلطان نصیر الدین چراغ دہلوی' دہلی میں آرام فرما ہیں اور بندہ نواز قطب دکن کی حیثیت سے گلبرگہ شریف میں روحانی فیوض و برکات لٹا رہے ہیں۔ جہاں پر صبح و شام آنے جانے والے زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے انہیں گیسو دراز کیوں کہا جاتا ہے؟

ایک بار بندہ نواز بیٹھے تھے اور اسی طرف سے آپ کے پیر و مرشد حضرت سلطان چراغ دہلوی گھوڑے کی سواری سے گزرے۔ حضرت بندہ نواز دیکھتے ہی مرشد برحق کی جانب لپکے اور بڑھے اور آکر زانوئے مبارک کا بوسہ دیا۔ پیر نے فرمایا اور جھک کر۔ چنانچہ دوبارہ جھک کر تلوے کو چوما۔ فرمایا اور جھک کر' پھر گھوڑے کی رکاب کا بوسہ دیا۔ فرمایا اور جھک کر' پھر گھوڑے کی سم یعنی ٹاپ کو چوما۔ ہر بار کے جھکنے میں پیر نے نہ جانے کتنے مراتب طے کرا دیئے اور کتنے درجات کی بلندی عطا فرمائی۔ چنانچہ چوتھی بار سم کو بوسہ دینے کے لیے بندہ نواز جھکے تو رکاب میں بال الجھ گیا حتیٰ کہ سم کو بوسہ دینے کے لیے جھکتے چلے گئے اور بال بڑھتا چلا گیا' چونکہ مرشد کی اطاعت میں یہ بال بڑھے تھے' لہٰذا بطور یادگار اتنے بالوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا' اسی لیے ان کو گیسو دراز کہا جاتا ہے۔

ان تمام واقعات سے پتہ چلا کہ بزرگوں' اسلاف اور تاریخ ساز ہستیوں کی یادوں کو مٹایا نہیں جاتا' بلکہ انہیں برقرار رکھا جاتا ہے اور یہی ہمارا مضمون ہے۔

اب آیئے! ایک پتے کی بات بتا دیں۔ ایک یاد ان لوگوں کی بھی ہے اور وہ ہے "رمی جمار"۔ ارکان حج میں ایک رکن یہ بھی ہے کہ شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے۔ رمی کے معنی پھینکنے کے ہیں۔ جمار کے معنی "کنکری" اس لیے اس کو رمی جمار کہتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیطان سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کو بہکانے جا رہا تھا۔ جب خدا کے حکم سے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ! اپنے نور نگاہ حضرت سیدنا اسماعیل کو ذبح کرنے کی غرض سے لے چلے تھے تو شیطان بھی پیچھے لگ گیا تھا۔ اس نے حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے طرح طرح کے سوالات کیے۔ حضرت اسماعیل نے اس کے جوابات مرحمت فرمائے۔ آخر شیطان نے ترکش کا آخری تیر پھینکا اور کہا کہ تمہارا باپ تمہیں ذبح کرنے کی غرض سے لیے جا رہا ہے۔ اس نے سمجھا تھا کہ جان تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے۔ یہ سنتے ہی اسماعیل کا قدم ڈگمگا جائے گا مگر نبی زادے نے برجستہ جواب دیا۔ موت برحق ہے مگر اس وقت کتنی پیاری ہوگی موت کہ بیٹا باپ کے ہاتھوں ذبح کیا جائے۔ بیٹا دم توڑ رہا ہو اور باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ شیطان اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور مایوس ہو گیا اور سوچا یہاں کوئی جادو کام نہیں کر سکے گا۔

marfat.com

چنانچہ اسلام نے حاجیوں پر لازم کر قرار دیا کہ وہ یہاں آکر رمی جمار کریں یعنی شیطان کو کنکری ماریں وہاں شیطان کا پتلا نہیں ہے۔ یہ رکن صرف اس لیے ادا کیا جاتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ اور حضرت ذبیح اللہ کی یاد باقی رہ جائے۔ مگر حیرت ہے کہ آج تک ہمارے حریف نے اس کے خلاف سعودیہ عربیہ سے کوئی احتجاج نہیں کیا کہ صدیوں سے ہمارے لکڑ دادپر پتھراؤ ہو رہا ہے' اب تو ان پر رحم کیا جائے۔ سر پر کوئی بال نہیں رہ گیا ہو گا جب آپ کے عہد میں بھی ایسا نہ ہو سکے گا تو پھر کبھی نہیں ہو گا۔ وہ تو آپ کے بھی مائی باپ ہیں۔

اس کا فلسفہ آپ جانتے ہیں کہ ان کے کان پر کیوں جوں تک نہیں رینگتی۔ محض اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اہلسنت کی تو بہت سی یادیں ہیں۔ جب دیکھو غوث کی یاد ہے' خواجہ کی یاد ہے' امام حسین کی یاد ہے' حضرت اویس قرنی کی یاد ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالی عنہم کی یاد ہے مگر ہماری تو بس ایک یہی یاد ہے' اگر یہ بھی مٹ گئی تو پھر کہیں کے نہ رہیں گے۔

معلوم ہوا جو جیسا ہوتا ہے اس کی یاد بھی ویسے ہی منائی جاتی ہیں۔ غوث و خواجہ محبوب خدا ہیں۔ لہٰذا ان کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ لوگ ان کے نام کا تبرک کھاتے ہیں۔ بریانی' زردہ' دلیا' کھچڑا' حلوہ وغیرہ مگر شیطان دشمن خدا ہے تو اس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے تاکہ اسی سے سمجھ میں آجائے کہ کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔

ایک نکتہ!

ضمنی طور پر حضرت اسماعیل کا ذکر آگیا تھا کہ شیطان نے بہکانا چاہا مگر ان کے قدم میں لغزش و ڈگمگاہٹ نہ آئی۔ وہ جادۂ استقامت پر علیٰ حالہ باقی رہے۔ آپ غور فرمائیں کہ حضرت اسماعیل میں یہ شجاعت و دلیری یہ توانائی و بہادری کہاں سے آئی؟ مجھے کہہ لینے دیجئے۔ حضرت اسماعیل اس نور کے امین ہیں جو کبھی ابراہیم خلیل اللہ کے صلب میں تھا۔ جس نے ابراہیم خلیل اللہ کو نار نمرود سے بچایا تھا۔ وہ انگارے ان پر انگارے نہ رہ گئے' بلکہ پھول سے بھی زیادہ نرم و نازک اور برف سے کہیں زیادہ ٹھنڈے ثابت ہوئے۔ یہ سب نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدولت ہے' لیکن اب حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام اس نور کے امین بن گئے تھے۔

حضرت اسماعیل اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر میں ذبح کر دیا گیا تو یہ تنہا میرا ذبح نہ ہو گا بلکہ آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے' سمندر خشک ہو جائے گا۔ پہاڑ روئی کا گالا اور آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اس لیے کہ میں تو اس نور کا امین ہوں کہ یہ کائنات جس کے لیے بنائی گئی ہے اور جس کے صدقے میں بنائی گئی ہے۔ ابھی تو اس کا ظہور ہوا ہی نہیں' لہٰذا وہ ذبح میرا تنہا نہ ہو گا' بلکہ کائنات تہ و بالا ہو جائے گی اور قیامت سے پہلے ایک قیامت آجائے گی۔

لہٰذا ان کے لیے طمانیت و سکون اسی نور پاک کا بخشا ہوا ہے جسے قدرت نے انہیں ودیعت کر دیا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

ان متعدد مثالوں میں آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ ان کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اب مجھے ایک بات بتائیے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح کہا جاتا ہے تو کیا سچ مچ وہ ذبح کر دیئے گئے تھے۔ اسلامی گھرانے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ رب تبارک و تعالیٰ نے ایک جانور بھیج دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی چھری چل رہی تھی' آنکھوں پر پٹی بندھی تھی وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ خدا بندوں کی نیت پر مطلع

marfat.com

ہے۔ ہم کام دیکھ لیں تو حکم لگائیں۔ مگر خدا بندوں کی نیت ان سے بھی زیادہ جانتا ہے جتنا خود بندہ نہیں جانتا۔ چنانچہ رب نے اس قربانی کو منظور کرلیا کہ باپ بیٹے یعنی خلیل و ذبیح دونوں کے دونوں اپنے ارادے میں سچے اور پکے ہیں۔

بھائیو! مگر یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے بلکہ جانور ذبح ہوا چونکہ وہ جانور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض ذبح ہوا تھا' لہٰذا اس کے ذبح کی نسبت خود حضرت اسماعیل کی طرف کردی گئی۔ اس طرح کا استعمال تو ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا ہے۔ مثلاً ایک باپ اپنے بیٹے کی موت پر کہتا ہے 'ارے میں خود مرگیا۔ وہ واقعتاً مر نہیں گیا' بطور مجاز بول رہا ہے۔

اب اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ حضرت عیدالاضحیٰ اور عید قربان کیا ہے تو اب اس کا مشترکہ جواب ہوگا کہ اس مقدس و پاکیزہ تہوار میں ہم لوگ اپنے اللہ کے برگزیدہ و مقبول نبی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ و حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی یاد مناتے ہیں' تاکہ اللہ کی راہ میں نہ صرف مال خرچ کرنے کا ہی جذبہ ہو بلکہ جان تک دینے کا حوصلہ زندہ و سلامت رہے۔

اگر یہ یادیں ہماری اسلامی زندگی سے نکال دی جائیں تو ہماری زندگی مفلوج و معطل ہوکے رہ جائے۔ اسی لیے تو اسلام یادوں کو مٹانا نہیں چاہتا بلکہ اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ ذہن کی کشادگی' روح کی بالیدگی' اعمال میں تقویٰ' نگاہ کی بلندی' بازوؤں میں قوت' احساس کی برتری' فکر کی توانائی' حوصلے کی بلندی' غرور سے نفرت' تواضع سے محبت' دنیا سے بے رغبتی' دین سے وابستگی۔ غرضیکہ یہ ساری دولتیں انہیں یادوں کے کشکول میں اکٹھی ہیں' یادیں مناتے جاؤ اور تہی دامنی دور ہوتی جائے۔ کچھ خواجہ کے در سے لو۔ کچھ شہنشاہ بغداد سے' کچھ کلیر سے تو کچھ کربلا سے' کچھ مارہرہ سے تو کچھ بریلی سے۔ بہرحال! جب تک ان کی یادیں مناتے رہو گے زندگی سنورتی اور نکھرتی رہے گی اور جب ان سے روگردانی کرو گے تو یا کولہو کے بیل بن جاؤ گے یا کچھ اور۔ دھوبی کا گدھا نہ گھر کا' نہ گھاٹ کا۔

ہاں! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر پوچھا جائے کہ عیدالاضحیٰ' عید قربان کیا ہے؟ تو آپ یہی جواب دیں گے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ و حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کی یاد ہے۔ اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے مگر اسلام نے ان کی اس قربانی کو اتنی اہمیت دی کہ مستقلاً ایک تہوار بنادیا' تاکہ سال بہ سال ہم ان کی یادیں مناتے رہیں جس سے رگوں میں نئی حرارت اور نئی زندگی کے آثار نمودار ہوں۔

لہٰذا اب مجھے کہنے دیجئے کہ حضرت اسماعیل ذبح نہیں ہوئے مگر پھر بھی اسلام ان کی یاد مناتا ہے یا للعجب! کہ کربلا میں جانور نہیں ذبح کئے گئے' بلکہ نواسہ رسول' جگر گوشہ بتول' علی اصغر' علی اکبر' قاسم و عون و محمد کی لاشیں کربلا میں تڑپیں تو کیا اب بھی آپ مجھے نہ کہنے دیں گے کہ جو حضرت ابراہیم کے شہزادے کی یاد منا سکتا ہے وہ نواسہ رسول کی یاد منانے پر کیوں پہرہ بٹھا سکتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم کے شہزادے کی یاد منائی جاسکتی ہے تو بدرجہ اولیٰ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسوں کی بھی یاد منائی جاسکتی ہے۔ وہ کیسے شقی القلب' فکر و کج فہم ہیں جو یاد حسین و یوم حسین پر بندش لگانا چاہتے ہیں۔ اے عقل کے دشمنو! اگر ان مراسم میں عوام کے افکار و خیالات اور اعمال و کردار میں کچھ خامیاں آگئی ہوں تو ان کا ازالہ کرو۔ ان کے مٹانے کی کوشش کرو لیکن اصل تاریخ کربلا پر تو دھول مت جھونکو۔ ان پر ایسی تیشہ کاری نہ کرو کہ واقعات کی اصل صورتیں مسخ ہو جائیں۔

اب تمہاری جرات بے تاب اپنے حدود سے اس قدر تجاوز کر گئی ہے کہ یزید کو برحق اور حسین کو ناحق کہنے لگے اور یزید کو رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہنے لگے۔ ٹھیک ہے اگر تمہاری نظر میں یزید برحق تھا تو قیامت کے بعد وہیں رہنا جہاں یزید کا ٹھکانہ ہو۔ میرا

marfat.com

عنوان ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ (قرآن)

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ مکمل دستاویز کی آخری مہر ہے جس سے مجال انکار نہیں۔ گھر خدا کا ہے اور نقش قدم خلیل کا۔ اگر یادوں کا منانا جرم ہوتا تو قرآن نہ کہتا کہ مقام ابراہیم کو اپنی سجدہ گاہ بناؤ' بلکہ یہ کہا جاتا کہ اللہ کے گھر سے اسے الگ کیا جائے۔ لیکن کوئی اور نہیں خدا خود فرماتا ہے کہ کہیں اور نہیں میرے ہی گھر میں میرے محبوب کا نقش قدم رہنے دو' تاکہ معمار اول کی حیثیت سے ان کی یاد ہمیشہ کے لیے قائم و دائم رہے۔

عمر تمام رفت بیاتا قضا کنیم
عمریکہ بے حضور صراحی و جام رفت

marfat.com

از : شہنشاہ قلم حضرت علامہ **ارشد القادری صاحب** (بانی جامعہ نظام الدین دہلی)

ختم نبوت

باطل سوز و ایمان افروز تحریر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ○ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

اپنے گرد و پیش پر اگر آپ گہری نگاہ ڈالیں تو ہر پیکر وجود کی تین حالتیں آپ کو ملیں گی۔ ابتداء' ارتقاء اور اختتام۔ کیا انسان کیا حیوان کیا نباتات' کیا جمادات' ہر شے انہی تین حالتوں میں محصور نظر آئے گی۔

انسان پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے مرجاتا ہے۔ کلی مسکراتی ہے پھول بنتی ہے مرجھا جاتی ہے۔ چاند پہلے ہلال کی شکل میں طلوع ہوتا ہے' پھر بڑھتے بڑھتے مہ کامل بنتا ہے' اس کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ غرض کائنات کی جس شے کو دیکھئے ابتدا' ارتقاء اور اختتام کے مرحلوں سے گزرتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ دنیا ہی اپنی بے شمار نیرنگیوں کے ساتھ اختتام کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب صورت یہ ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ نبوت جو ایک بار آگئی اب اس کا سلسلہ کسی ذات پر ختم نہیں ہوگا۔

پھر آخر اتنا تو سبھی مانتے ہیں کہ ابتداء" کرہ ارض پر کچھ نہ تھا' خواہ نہ ہونے کے اسباب کچھ بھی ہوں' تو جب ابتداء" ایک چیز کسی وجہ سے نہیں تھی تو اب اس وجہ کے دوبارہ پیدا ہونے اور آبادی کے معدوم ہو جانے کے خلاف کون سی دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں اب کوئی امر مانع نہیں کہ جس طرح اول آبادی نہیں تھی آخر میں بھی نہ ہو اور ایسا ہونے کے قبل جو نبوت ہوگی وہ یقیناً آخری نبوت ہوگی۔

اسی مفہوم کو سرکار ارض و سما' صاحب لولاک لما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ظاہر فرمایا ہے کہ "اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ" میری ان دو انگلیوں کے درمیان جس طرح کوئی فصل نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ میری نبوت بالکل آخری نبوت ہے۔

یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر بحث کے درمیان نکل آئی ورنہ سلسلہ کلام یہ چل رہا تھا کہ جس طرح ہر چیز اپنے نقطہ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سلسلہ نبوت بھی اگر اپنے نقطہ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جائے تو کون سی چیز مانع ہے؟ اب رہا سوال

marfat.com

اس کے نقطہ ارتقاء پر پہنچنے کا تو اس باب میں دو ہی صورت ممکن ہے یا یہ کہ نبوت نقطہ ارتقاء پر پہنچ گئی یا نہیں پہنچی۔ اگر پہنچ گئی تو سمجھ لیجئے کہ اختتام واقع ہو گیا کیونکہ قانون فطرت کے مطابق ارتقاء کی آخری منزل اختتام ہی ہے--- اور اگر نہیں پہنچی تو نئی نبوت کا انتظار کرنے والے انتظار کریں لیکن پہلے اتنا بتا دیں کہ کسی بھی متفقہ نبوت سے لے کر آج تک جس پر مسلم عقیدے کے مطابق چودہ سو سال' عیسائی عقیدے کے مطابق دو ہزار برس اور یہودی عقیدے کے مطابق اسی کے قریب یا اس سے زیادہ کی جو مدت گزر چکی ہے تو اس مدت میں کوئی نیا نبی کیوں نہیں آیا؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں کہ بھیجنے والے ہی نے دروازہ بند کر دیا۔

متفقہ نبوت سے میری مراد ایسا نبی ہے جو اپنے ملک و قوم کے علاوہ اپنی پیغمبرانہ عظمت کی تصدیق دیگر اہل مذاہب کے افراد سے بھی کرا چکا ہو۔ جیسے ہمارے آقا رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ جہاں مسلمانوں کے سبھی فرقے آپ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں' وہاں دوسری اقوام کے لوگ بھی آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی عظمت و اعجاز کے قائل ہیں جیسا کہ اقوام و ملل کی تاریخ جاننے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات قابل غور ہے کہ نبوت کس پر ختم ہوئی یا ہو گی۔ اس کے جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ جو نبوت کا مدعی ہے وہی بتائے گا کہ وہ آخری نبی ہے یا اور کوئی نبی اس کے بعد آ رہا ہے' جیسا کہ انبیائے ماسبق کی تاریخ میں ہمیں ملتا ہے کہ ہر نبی نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس امر کی نشاندہی فرمائی کہ ایک نبی ہمارے بعد آ رہا ہے' چونکہ نبوت کا تعلق ایمانیات سے ہے اس لیے اس اہم اور بنیادی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔

پس صفت انبیاء میں اگر کوئی نبی یہ کہتا ہوا مل جائے کہ وہ آخری نبی ہے تو سمجھ لیجئے کہ نبوت کا سلسلہ اس پر تمام ہو گیا۔ اس کے اس اعلان میں اب کسی تاویل یا حجت کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ کسی کے قول میں تاویل کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب وہ اصل فطرت اور مسلمات عقل کے خلاف ہو لیکن اگر وہ بات خود تقاضائے قانون قدرت کے مطابق ہے تو اس میں زحمت تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس لیے وہ بات ٹھیک اسی طور پر سمجھی جائے گی جس پر وہ اپنے الفاظ و عبارت سے ظاہر ہے۔ اب آیئے ان احادیث کی ہم آپ کو سیر کرائیں جن میں نہایت صراحت کے ساتھ سرور کونین نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امر کا اعلان فرمایا ہے کہ وہ آخری نبی ہیں' ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

پہلی حدیث: حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ لِیْ اَسْمَآءً اَنَا مُحَمَّدٌ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔

(مسلم شریف جلد ۲' کتاب الفضائل ص ۲۶۱)

میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد ہوں' میں احمد ہوں' میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہو گا۔ میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام عاقب بھی بتایا اور عاقب کی خود تفسیر فرمائی کہ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ اب یہ حدیث اس مفہوم میں صریح ہو گئی کہ حضور آخری نبی ہیں۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

دوسری حدیث: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَحْمَدُ وَالْمُقَفِّیْ وَالْحَاشِرُ وَنَبِیُّ التَّوْبَۃِ وَنَبِیُّ الرَّحْمَۃِ۔

(مسلم شریف جلد دوم کتاب الفضائل' ص۲۶۱)

میں محمد ہوں اور احمد ہوں' آخری نبی ہوں' میں حاشر ہوں' میں نبی توبہ اور نبی رحمت ہوں۔

فائدہ: اس حدیث میں حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام "المقفی" بھی بتایا ہے جس کا معنی ہیں آخر میں آنے والا۔ جب کہ امام نووی نے شرح مسلم شریف میں' علامہ مناوی نے شرح کبیر میں' ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں "مقفی" کے معنی آخر انبیاء لکھا ہے۔

تیسری حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَھُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ○ (مشکوۃ المصابیح کتاب الفتن' ص۵۱۲)

مجھے دیگر انبیاء و رسل پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت و برتری دی گئی۔ پہلی چیز تو مجھے یہ کلمات جامعہ کی صفت عطا ہوئی۔ دوسری چیز یہ کہ رعب و دبدبہ کے ذریعہ میری نصرت کی گئی۔ تیسری چیز یہ کہ اموال غنیمت میرے لیے حلال کیے گئے۔ چوتھی چیز یہ کہ روئے زمین میرے لیے مسجد اور طاہر و مطہر بنائی گئی۔ پانچویں چیز یہ کہ مجھے تمام جہان کے لیے رسول بنایا گیا اور چھٹی چیز یہ ہے کہ میری ذات پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

چوتھی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنُ بُنْیَانُہٗ وَتُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ۔

(مشکوہ شریف ج۲' ص۵۲ باب فضائل سید المرسلین)

میری مثال اور دیگر انبیاء کی مثال اس ایوان کی طرح ہے جس کی تعمیر بہت اچھی کی گئی لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ لوگ اس عمارت کی خوبی دیکھ کر تعجب کرتے ہیں سوا اس عیب کے کہ عمارت میں اس ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں نے آکر اس اینٹ کی خالی جگہ کو پر کر دیا۔ وہ ایوان بھی میرے ذریعہ اتمام کو پہنچا اور رسولوں کی آمد کا سلسلہ بھی میرے اوپر اتمام کیا گیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں نبیوں کا خاتم ہوں۔

پانچویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفاعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ شفاعت کا سوال لے کر سارے انبیاء کے پاس جائیں گے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں داخل ہوں گے تو وہ ارشاد فرمائیں گے کہ آج شفاعت کا تاج محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ

marfat.com

تعالیٰ علیہ وسلم کے فرق انور پر چمک رہا ہے تم لوگ انہی کے پاس جاؤ۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔

یَامُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ۔ اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

چھٹی حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسِھُمُ الْاَنْبِیَآءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (مسلم شریف کتاب الامارہ، ص ۱۲۶)

بنی اسرائیل کے انبیاء سیاست مدن کے بھی فرائض انجام دیتے تھے جب ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو دوسرے نبی ان کے بعد آجاتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ساتویں حدیث: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَّلَا فَخْرَ۔ (مشکوۃ کتاب الفتن، ص ۵۱۴)

میں پیشوا ہوں رسولوں کا اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور میں انبیاء کا خاتم ہوں اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ (مشکوۃ شریف ص ۵۱۳)

اسی وقت سے میرا نام خاتم الانبیاء کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مرقوم ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزل میں تھے۔

نویں حدیث: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور جان نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ۔ (سنن ابن ماجہ، باب فتنہ الدجال، ص ۲۰۷)

میں جملہ صف انبیاء میں آخری نبی ہوں اور تم جملہ امتوں میں آخری امت ہو۔

دسویں حدیث: حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضور جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (مسلم شریف ج ۲، ص ۲۷۸)

تم میرے لیے اسی درجہ میں ہو جس درجہ میں حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

گیارہویں حدیث: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سید العارفین حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰهِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (مشکوۃ کتاب الفتن، ص ۴۱۵)

میری امت میں تیس جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یہ حدیث پاک چند اہم ترین نکتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق امت میں ایسے افراد ضرور پیدا ہوں گے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے' بلکہ یہ اگر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جھوٹے مدعیان کو دیکھ کر ہمیں اپنے نبی صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ سارے مدعیان نبوت جھوٹے اور کذاب ہوں گے۔ ان کا دعویٰ صداقت پر نہیں بلکہ دجل اور فریب پر مبنی ہوگا' اس خبر کے بعد اب کسی مدعی نبوت کے بارے میں اس کے دعوے کی سچائی کو پرکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کیونکہ امت کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی نئے مدعی نبوت کا جھوٹ فاش کرنے کے لیے یہ دلیل بہت کافی ہے کہ حضور رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں' خاتم الانبیاء ہیں' ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔

اب اس دلیل کے بعد نہ کسی بحث و حجت کی گنجائش ہے اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نئے مدعی نبوت کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کیا دلائل ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس کی طرح ہو گئی کہ سارے انبیاء و مرسلین میں سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تنہا ذات ہے جس نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ میں سارے انبیاء کا خاتم ہوں۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' اس اعلان کے بعد اب نہ کسی نئے نبی کا ہمیں انتظار ہے اور نہ کسی نئے مدعی نبوت کی آواز پر ہمیں کان دھرنے کی ضرورت ہے۔ اب اس بحث کا ایک آخری گوشہ اور باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی طے ہو جائے تو یہ بحث اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ مکمل ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کا اعلان تو ہم نے سن لیا کہ وہ آخری نبی ہے وہ انبیاء کا خاتم ہو کر آیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی اعلان بھیجنے والے کی طرف سے بھی ہے یا نہیں؟ بھیجنے والے کی طرف سے بھی اس طرح کا کوئی اعلان ہمیں مل جاتا ہے تو اب ختم نبوت کے عقیدے پر دونوں طرف مہر لگ جاتی ہے۔ اب اپنے قلوب کا دروازہ کھول کر بھیجنے والے کا اعلان سنئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ۔

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں' بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

احادیث میں لفظ "خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ" کی تفسیر خود نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بایں الفاظ منقول ہے: "اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ" میں انبیاء کا خاتم ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر احادیث میں آخر الانبیاء کے لفظ سے بھی خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کی تفسیر کی گئی ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام سے لے کر سارے اکابرین امت اور سلف صالحین تک سب نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ کے معنی آخر الانبیاء ہے۔

انہی نصوص اور اجماع امت کی بنیاد پر ختم نبوت کا یہ عقیدہ ایک ہزار ۴ سو برس سے کروڑوں' اربوں انسانوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ مزید براں اس عقیدہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ یہ بھی ہے کہ مذہب کی بے شمار شاخوں میں طرح طرح کے اختلافات

marfat.com

کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پھر چودہ سو برس سے اربہا ارب انسانوں کے سوچنے کا ایک ہی انداز حسن اتفاق کا نتیجہ ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھا جائے کہ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہوگی۔

بات اپنے سارے گوشوں کے ساتھ اگرچہ تمام ہوگئی مگر طمانیت قلب کے لیے ذرا اس پر بھی غور کرتے چلئے کہ آیا نبی خاتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ نبوت جاری رہنے کا کوئی قرینہ و امکان بھی ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق ہم علم و یقین کی آخری چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ مدت ہوئی امکان کا دروازہ مقفل ہو چکا ہے اور قرینے کا فقدان تو ایسا ہے کہ دونوں جہاں میں چراغ لے کر ڈھونڈیئے تو کہیں نہیں ملے گا۔

پھر امکان ہوتا تو وہ صادق و امین پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس نے نزول مسیح کی خبر دی ہے وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ میں آخری نبی ہوں' میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور میری جرات رندانہ معاف کی جائے تو دو قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ یہ ارشادات اس نبی کے ہیں جس کی زبان پر تقدیر کے نوشتے ڈھلتے ہیں۔ اس لیے بالفرض اس سے پہلے امکان تھا بھی تو اب نہیں ہے کیونکہ دنیا میں ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے پر رسول کا کذب ممکن نہیں ہے اور قرینے کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو اس کے ملنے کی بہترین جگہ کتاب الٰہی تھی جبکہ تیس پارے کی ضخیم کتاب میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جہاں یہ قرینہ موجود ہو کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آنے والا ہے بلکہ اس کے برعکس قرینہ نہیں صراحت موجود ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم پیغمبراں ہیں۔ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝"

مرزا غلام احمد قادیانی کا محاسبہ

یہاں تک تو عقیدہ ختم نبوت کے مختلف گوشوں پر بحث تھی جو عقل و نقل اور تاریخ کی روشنی میں مکمل ہوگئی' اب ہم ذیل میں منکرین ختم نبوت کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں کا بھی ایک تنقیدی جائزہ لینا چاہتے ہیں' تاکہ جو لوگ جہل و کفر کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں وہ ہدایت و ایمان کے اجالے میں آجائیں۔ مرزا جی کی تکذیب کے لیے جہاں قرآن و حدیث اور اجماع امت کی بوجھل شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں جن کے کچھ نمونے پچھلے صفحات میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں' وہاں مرزا جی کے دعوؤں کی تفصیل ہی انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے' الگ سے ان کی دروغ بیانی کا ثبوت فراہم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اپنے بارے میں انہوں نے جو عجیب و غریب دعوئے کیے ہیں۔ اب ان کی مضحکہ خیز تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

۱- میں نبی ہوں۔ ۲- خدا ہی نے میرا نام نبی و رسول رکھا ہے۔ ۳- میں ظلی نبی ہوں۔ ۴- میں بروزی نبی ہوں۔ ۵- میں مسیح موعود ہوں۔ ۶- میں مہدی ہوں۔ ۷- میں مجدد ہوں۔ ۸- میں محمد کی بعثت ثانیہ ہوں' یعنی میرے پیکر میں خود محمد نے ظہور کیا ہے۔ ۹- میں مسیح کی بشارت اور اسمہ احمد کا صداق ہوں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ۔ (قادیانی رسائل و کتب سے ماخوذ)

یہ ہیں وہ کل دعوے جو مرزا جی نے اپنے متعلق کیے ہیں۔ یہ تمام دعوے آپس میں اس طرح متصادم ہیں کہ انہیں ایک

marfat.com

محل میں جمع کرنا ممکن نہیں ہے' لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک ہی منہ سے نکلے ہوئے یہ دعوئے ہیں اس لیے ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی۔

مرزاجی کے دعوؤں کا تنقیدی جائزہ

کسی بھی اجنبی آدمی کو مرزاجی کے ان دعوؤں پر نظرڈالنے کے بعد جس حیرانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے:

۱- بفرض محال اگر وہ خدا کی طرف سے انہی معنوں میں نبی اور رسول ہیں جن معنوں میں پچھلے تمام انبیاء ورسل تھے' تو پھر یہ ظلی اور بروزی نبی کا پیوند کیا ہے؟ جبکہ انبیاء ماسبق میں ہر نبی حقیقی اور اصلی نبی تھا۔ کسی نے اپنے آپ کو ظلی یا بروزی نبی کی حیثیت سے نہیں پیش کیا۔

۲- اور اگر ظلی و بروزی نبی ان معنوں میں نبی ہے جن معنوں میں قرآن نبی کا لفظ استعمال کرتا ہے تو پھر قرآنی نبی کی طرح اپنے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیوں ہے؟ اور پھر ایک ایسی اصطلاح جو تاریخ انبیاء میں نہیں ملتی کس مصلحت سے تراشی گئی ہے؟

۳- پھر اپنے دعوے کے مطابق مرزاجی اگر مسیح موعود ہیں تو ظلی و بروزی نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ مسیح موعود مستقل نبی ہیں ظلی و بروزی نہیں ہیں' نیز مسیح موعود صرف مسیح ہی نہیں ہیں' بلکہ مسیح ابن مریم ہیں' لہٰذا یہ سوال مزید برآں ہے کہ غلام ابن چاندبی بی مسیح مریم کیونکر ہوگئے؟

۴- اور اگر وہ مہدی ہیں تو مسیح موعود نہیں ہوسکتے کیونکہ ان دونوں اسموں کا مسمی ایک نہیں ہے' الگ الگ ہے۔ یعنی مہدی اور مسیح موعود دو الگ الگ شخصیتیں اور احادیث کی روایات کے مطابق دونوں کا ظہور بھی الگ الگ ہوگا' نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغمبر ہیں جبکہ حضرت امام مہدی پیغمبر نہیں ہیں' بلکہ وہ امت محمدیہ کا ایک فرد ہیں۔ اس لیے دو الگ الگ شخصیتوں کا مصداق شخص واحد کو قرار دینا کھلا ہوا دجل اور سفید جھوٹ ہے۔

۵- اور اگر مرزاجی مجدد ہیں تو نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ حدیث کی صراحت کے مطابق مجدد نبی نہیں ہوتا بلکہ افراد امت میں سے اس کی حیثیت صرف ایک دینی مصلح کی ہوتی ہے۔ لہٰذا مجدد ہونے کا دعویٰ اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو لازماً نبی و رسول ہونے کے دعوے کی تکذیب ہوگی اور بفرض محال اگر نبی و رسول ہونے کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے تو مجدد ہونے کے دعوے کو جھٹلانا ہوگا' کیونکہ دونوں دعوے ایک ساتھ ہرگز جمع نہیں ہوسکتے۔

۶- اور اپنے دعوے کے مطابق اگر مرزاجی محمد کی بعثت ثانیہ ہیں تو پھر معاذ اللہ وہ محمد ہی ہیں کیونکہ قیامت کے دن اولاد آدم کی جو بعثت ثانیہ ہوگی تو وہاں ہر شخص اپنے اصل وجود کے ساتھ آئے گا' ظل کے ساتھ نہیں' لہٰذا ایسی صورت میں یا تو ظلی اور بروزی ہونے کا دعویٰ غلط ہے یا پھر محمد کی بعثت ثانیہ ہونے کی بات جھوٹی ہے۔

۷- اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ وہ مسیح کی بشارت اور اسمہ احمد کے مصداق بھی ہیں تو اس دعوے کا تضاد بھی کسی تبصرے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اگر وہی حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور اسمہ احمد کے مصداق ہیں تو پھر اپنے آپ کو "غلام احمد" قرار دینا غلط ہے کیونکہ یہ دعویٰ کرکے تو معاذ اللہ وہ خود احمد و محمد ہونے کے مدعی ہیں۔ اور اگر وہ "غلام احمد" کو صحیح مانا جائے تو اسمہ احمد کے مصداق ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرزاجی کے ان دعوؤں کو اگر عقل و مذہب کے ترازو میں تولا جائے تو ہر دعویٰ دوسرے دعوے کی تکذیب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کا کوئی دعویٰ بھی ایسا نہیں ہے جسے صحیح تسلیم کرلینے کے بعد دوسرا دعویٰ دامن نہ تھامتا ہو کہ

marfat.com

میرا انکار کرو۔

ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا ہی کام ہے کہ مرزا جی حقیقت میں کیا ہیں۔ نبی ہونے کی بات تو ایک خواب پریشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابھی تو یہی سوال زیر بحث ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی بھی تھے یا نہیں؟ کیونکہ عقل و فکر کی سلامتی کے ساتھ کوئی شخص بھی اس طرح کے متضاد دعوے ہرگز نہیں کر سکتا۔ گفتگو کا یہ انداز بانو "چنیا بیگم" سے جی بہلانے والوں کا ہے یا پاگل خانے کے دیوانوں کا' یا پھر کسی ایسے سنسنی خیز شاطر کا جس کی آنکھ سے شرم و حیا کا پانی اتر گیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا جی کے ان دعوؤں پر خود ان کے ماننے والے بھی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایک طبقہ ان کے دعوائے نبوت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ دوسرا گروہ انہیں صرف مجدد مانتا ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ماننے والے ہی دعوے پر متفق نہیں تو دوسروں کے ماننے نہ ماننے کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے۔

اخیر میں ان لوگوں سے جو مرزا جی کو "امتی نبی" مانتے ہیں چند سوال کر کے یہ بحث ختم کرتا ہوں کہ ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں خاتم پیغمبراں سرور کون و مکان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت کے فیضان سے امت محمدیہ میں کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو اس کا نام اور پتہ بتایئے؟ اسی کے ساتھ اس سوال کا بھی جواب دیجئے کہ صحیح حدیثوں میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس دجالین و کذابین کی جو خبر دی گئی ہے تو اس کا مصداق مرزا غلام احمد قادیانی کیوں نہیں ہیں؟ نیز یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ احادیث کی روشنی میں مسیح موعود بطن مادر سے پیدا ہوں گے یا آسمان سے ان کا نزول ہوگا اور نزول بھی ہوگا تو قادیان میں یا جامع دمشق کے مینارے پر۔

واضح رہے کہ ان سوالات سے میرا مدعا کسی بحث و مناظرہ کا دروازہ کھولنا نہیں ہے کیونکہ بحث کا سوال تو وہاں اٹھتا ہے جہاں درمیان میں عقل و استدلال کا ہاتھ ہو۔ ہوا پر پل باندھنے والوں سے کون دیوانہ ہے جو بحث کرے گا۔ بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جو لوگ غلط فہمی کی راہ سے یا اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید میں ایک فرضی افسانے یا ایک دیوانے کی بڑ پر مذہب کی طرح یقین کیے بیٹھے ہیں' انہیں حقیقت کے عرفان کی طرف بلایا جائے اور وہ ان سوالات کی روشنی میں سچائی کی تلاش کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

قادیانی مذہب اور حکومت برطانیہ

تاریخی اعتبار سے یہ حقیقت اتنی واضح ہو چکی ہے کہ اب اس میں دو رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیانی مذہب کی ولادت حکومت برطانیہ کی گود میں ہوئی اور اسی کی سرپرستی میں وہ پروان چڑھا۔ انگریزوں نے اپنے قابو کا نبی دو مقصد کے لیے مبعوث کیا تھا۔

پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ختم نبوت کا جو عقیدہ قرآن سے ثابت ہے اسے ایک نیا نبی بھیج کر جھٹلا دیا جائے اور ساری دنیا میں اس بات کی تشہیر کی جائے کہ قرآن کی کہی ہوئی بات غلط ہو گئی۔ اس لیے وہ خدا کی کتاب نہیں ہے کیونکہ خدا کی بات غلط نہیں ہو سکتی اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ نبی کی زبان و قلم سے جو بات نکلتی ہے' دنیا اسے وحی الٰہی سمجھ کر بے چون و چرا قبول کر لیتی ہے۔ اس لیے ایک ایسا نبی مبعوث کیا جائے جو حکومت برطانیہ کا قصیدہ پڑھے' مسلمانوں کو ذہنی طور پر حکومت برطانیہ کا غلام بنا کر رکھے اور مسلمانوں کے اندر سے جہاد کی اسپرٹ ختم کرائے' تاکہ انگریزی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جہاد اور بغاوت کا اندیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ ان ساری باتوں کے ثبوت کے لیے ہمیں کہیں باہر سے کوئی شہادت فراہم کرنے کی ضرورت

نہیں ہے' خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے قلم سے ان ساری باتوں کا ثبوت فراہم کردیا ہے۔ پاسداری کے جذبے سے اوپر اٹھ کر مرزا جی کی یہ تحریریں پڑھیے--- اپنے آقائے نعمت سرکار برطانیہ کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے مرزا جی لکھتے ہیں:

"میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں' نہ مدینہ میں' نہ روم' میں نہ شام' میں' نہ ایران میں' نہ کابل میں' مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں"۔

(اشتہار مرزا جی مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲' ص ۶۹)

مرزا جی کا ایک اور اشتہار پڑھیے--- اپنے منعم کی بے التفاتی کا شکوہ کتنی دردناک حیرت کے ساتھ نمایاں ہے۔

"بارہا بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالف جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ میری خدمات کی قدر کریں گی"۔ (تبلیغ رسالت ج ۱۰' ص ۲۸)

ساٹھ سالہ جوبلی کے موقع پر مرزا جی نے ملکہ وکٹوریہ کو ایک نامہ عقیدت ارسال کیا تھا' اس کا جواب موصول نہ ہونے پر جذبہ شوق کی بے چینی ملاحظہ فرمائیے:

"اس عاجز کو وہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوش اطاعت جو حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جن میں اس اخلاص کا اندازہ بیان کر سکوں۔

اس سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت (۶۰) سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرہ ہند اقبالہا کے نام سے تالیف کر کے اور اس کا نام "تحفہ قیصریہ" رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درد ذیشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب میں مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہو گا..... مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی مجھے ممنون نہیں کیا گیا۔ (ستارۂ قیصریہ ص ۲' مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا جی کی مذکورہ بالا تحریروں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ قادیانی مذہب کے ساتھ انگریزوں کا سرپرستانہ تعلق کیسا تھا اور نیاز مندی کے کس والہانہ جذبے کے ساتھ انہوں نے اپنی مصنوعی اور باطل نبوت کے فروغ کے لیے انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کی اب چشم حیرت کو کھول کر عقیدہ ختم نبوت کے خلاف انگریزوں کی درپردہ سازش کی ایک دل ہلا دینے والے کہانی اور پڑھیے جس کا عنوان ہے:

دیوبند اور قادیان

قادیان سے ایک مصنوعی پیغمبر کو کھڑا کرنے اور اس کی دعوت کو فروغ دینے کے لیے جہاں انگریزوں نے اپنے سرکاری وسائل کو استعمال کیا وہاں علمی اور فکری طور پر نئی نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے دیوبندی اکابر کے علمی اور مذہبی اثرات سے بھی کام لیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی جدید نبوت کی راہ میں ختم نبوت کا قرآنی عقیدہ ہمیشہ حائل رہا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں' ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں پیدا ہو سکتا۔

اب نئی نبوت کی راہ میں قرآن کی طرف سے جو رکاوٹ کھڑی تھی اسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو قرآن کی اس

marfat.com

آیت ہی کو بدل دیا جائے جس میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے صراحت کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ موجود ہے جس کے معنی آخری نبی کے ہیں یا پھر خاتم النبیین کا لفظ جوں کا توں باقی رہنے دیا جائے' صرف اس کا مفہوم بدل دیا جائے۔

پہلا راستہ ممکن نہیں تھا کہ روئے زمین پر قرآن کے کروڑوں نسخے اور لاکھوں حفاظ موجود تھے' لفظ کی تحریف چھپائے نہیں چھپ سکتی تھی۔ اس لیے معنوی تحریف کا راستہ اختیار کیا گیا اور طے پایا کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی "آخری نبی" جو عہد سے لے کر آج تک ساری امت میں شائع اور ذرائع ہے' اسے بدل دیا جائے اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی تلاش کیا جائے جو کسی نئے نبی کے آنے میں رکاوٹ نہ بنے' چنانچہ راستے کا یہ پتھر ہٹانے کے لیے دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ میں اپنی طرف سے ان کے خلاف کوئی الزام نہیں عائد کر رہا ہوں بلکہ خود ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب "افادات قاسمیہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سالہا سال سے چھپ رہی ہے لیکن دیوبند سے اب تک اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس سے سمجھا جاتا کہ قادیانیوں کی طرف سے نانوتوی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔

اب قادیانی مصنف ابو العطا جالندھری کی اس عبارت کی ایک ایک سطر خوب غور سے پڑھئے اور ذہن و فکر کے تہہ خانے میں اتر کر چھپی ہوئی سازشوں کا سراغ لگائیے---

> "یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی مسیح موعود بھی تھا اور اسے امتی نبوت کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لیے راہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور اپنے بیانات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دل کش تشریح فرمائی۔
>
> بلاشبہ آپ کی کتاب "تحذیر الناس" اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے"۔

(افادات قاسمیہ (۱) ربوہ پاکستان)

دیکھ رہے ہیں آپ ساحران فرنگ کا یہ تماشا! کتنی خوبصورتی کے ساتھ ایک شرمناک سازش کو الہام کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ گویا یہ سارا اہتمام خدائے قدیر کی طرف سے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے پہلے نانوتوی صاحب "تحذیر الناس" نام کی ایک کتاب لکھیں اور اس میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کا انکار کر کے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ ہموار کریں۔ نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" یعنی خاتم النبیین کے لفظ کا انکار بھی نہ ہو اور نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ بھی ہموار ہو جائے' تاکہ انگریزوں کا حق نمک بھی ادا ہو جائے اور مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھ سکیں کہ ہم لوگ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں لیکن خدائے پاک جزائے خیر دے ان علماء حق کو جنہوں نے تحذیر الناس کے فریب کا پردہ چاک کر کے عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف ایک گہری سازش کو ہمیشہ کے لیے بے نقاب کر دیا۔

قارئین کرام! اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تحذیر الناس نامی کتاب میں کیا لکھا ہے' قادیانی مصنفین اس کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہیں؟ اور اس کاتب کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ کس طرح ہموار کیا ہے؟ تو ہر طرح کی

marfat.com

عصبیت سے بالاتر ہو کر سنجیدگی کے ساتھ آنے والی بحث کا مطالعہ کریں۔ سازشوں کی یہ داستان بڑی لمبی اور پر فریب ہے۔

قصہ تحذیر الناس کی پر فریب سازش کا

بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں آپ یہ پورا قصہ قادیانی مصنفین کی زبانی سنئے۔ تمہید کے طور پر ایک قادیانی مصنف اس قصے کا آغاز کرتا ہے۔

"بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی (یعنی قادیانی) ختم نبوت کے قائل نہیں ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانیں۔

قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (احزاب: ۴'۵) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس بات کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبیین نہیں تھے۔

جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں' نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ ہی ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور شان اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے"۔ (پیغام احمدیت ص ۱۰)

اس عبارت میں خط کشیدہ سطروں کو ایک بار پھر غور سے پڑھئے کہ بحث کا یہی حصہ سازشوں کی بنیاد ہے۔ یہیں سے لفظ خاتم النبیین کے اس معنی کے انکار کا راستہ کھلتا ہے' جو نئے نبی کی راہ میں حائل ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قادیانیوں کا یہ دعویٰ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کے اس معنی کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور اسی انکار پر انہیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کا وہ کون سا معنی ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اس معنی کا انکار کس نے کیا ہے؟ اتنی تفصیل کے بعد اب ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر "تحذیر الناس" کے مصنف مولانا قاسم نانوتوی کی کارگزاریوں کے متعلق ایک قادیانی مصنف کا یہ بیان پڑھئے اور عقیدہ ختم نبوت کے انکار کے سلسلے میں اصل مجرم کا سراغ لگائیے۔

"تمام مسلمان فرقوں پر اس کا اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ قرآن پاک کی نص "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" میں آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے' نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لفظ خاتم النبیین بطور مدح و فضیلت ذکر ہوا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے کیا معنی ہیں' یقیناً اس کے

marfat.com

معنی ایسے ہی ہونے چاہئیں جن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت اور مدح ثابت ہو۔

اسی بناپر حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دے دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں--- عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم النبیین ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" فرمایا۔ اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس، ص ۳)

(رسالہ خاتم النبیین کے بہترین معنی ص ۴، شائع کردہ قادیان)

آسان لفظوں میں نانوتوی صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی قرار دینا یہ ناسمجھ عوام کا خیال ہے جو کسی طرح بھی قابل التفات نہیں ہے۔ اہل فہم طبقہ اس لفظ کے معنی آخری نبی کے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ زمانے کے اعتبار سے کسی کا پہلے ہونا یا آخر میں ہونا کچھ خاص مدح اور فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ اس لفظ کے معنی آخری نبی قرار دینے میں چونکہ حضور کی کوئی خاص فضیلت نہیں نکلتی اس لیے یہ معنی اگر مراد لیا جائے تو مقام مدح میں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کا ذکر کرنا لغو ہو جائے گا۔

غور فرمایئے! ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کتاب و سنت کی روشنی میں ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبین کو آخری نبی نہ مانا جائے تو نئے نبی کی آمد کا راستہ کس دلیل سے بند کیا جا سکتا ہے۔

ساری امت میں نانوتوی صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے انکار کیا ہے، تاکہ قادیان سے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔

نانوتوی صاحب کے حامیوں کا منہ بند کرنے کے لیے اس مسئلے میں انہی کے گھر کی ایک مضبوط شہادت پیش کرتا ہوں۔ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی اپنی کتاب "ایرانی انقلاب" میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ عقیدہ کہ نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے، ان آیات قرآنی اور حدیث متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم النبین اور آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے"۔ (ایرانی انقلاب ص ۸۱)

یہ عبارت چیخ رہی ہے کہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا وہ آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کا انکار کرتا ہے اور دوسرے لفظوں میں وہ نئے نبی کی آمد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔

یہی وہ گراں قدر خدمت ہے جس کے صلے میں قادیانی جماعت کی طرف سے مولانا قاسم نانوتوی کے حضور میں خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ ایک قادیانی مصنف لکھتا ہے:

"جماعت احمدیہ "خاتم النبیین" کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے"۔ (افادیت قادیانیہ، ص ۱۶)

ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مخالف کے مسلک پر قائم رہنے کا عہد ہرگز نہیں کر سکتا۔ پیچھے چلنے کا پرخلوص جذبہ اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جسے اپنا ہم سفر اور مقتدا سمجھا جائے۔

ایک ہی تصویر کے دو رخ

پچھلے اوراق میں خاتم النبیین کے معنی کے سلسلے میں قادیانی مصنفین کی عبارتیں آپ کی نظر سے گزر چکیں اور مولانا قاسم نانوتوی کی وہ تحریر بھی آپ نے پڑھ لی جسے اپنی حمایت و تائید میں قادیانی مصنف نے "تحذیر الناس" سے نقل کیا ہے۔ اب ان نتائج پر غور فرمائیے جو ان عبارتوں کے تجزیہ کے بعد سامنے آتے ہیں' تاکہ یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دیوبند اور قادیان کے درمیان فکر اور استدلال کی کتنی گہری یکسانیت ہے اور دیوبند صرف وہابیت ہی کا نہیں قادیانیت کا بھی محسن اعظم ہے۔

۱- پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کی صراحت کے مطابق خاتم النبیین کے لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا' یہ معاذ اللہ ناسمجھ عوام کا شیوہ ہے۔ امت کا سمجھ دار طبقہ خاتم النبیین کے لفظ سے آخری نبی مراد نہیں لیتا۔ انہیں سمجھدار لوگوں میں مولانا نانوتوی بھی ہیں۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ خاتم النبین کے اجماعی معنی کو مسخ کر کے حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار سب سے پہلے مولانا قاسم نانوتوی نے کیا ہے کیونکہ قادیانیوں نے اگر انکار میں پہل کیا ہوتا تو ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ لفظ خاتم النبین کے معنی کی تشریح کے سلسلے میں جماعت احمدیہ مولانا نانوتوی کے مسلک پر قائم ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ خاتم النبین کے معنی آخری نبی کے انکار کے سلسلے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا نانوتوی کے انداز فکر اور طریقہ استدلال میں پوری یکسانیت ہے۔ چنانچہ قادیانیوں کے یہاں بھی خاتم النبین کے اصل مفہوم کو مسخ کرنے کے لیے حضور سرلپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان کا سہارا لیا گیا اور نانوتوی صاحب بھی مقام مدح کہہ کر آخری نبی کے معنی کے انکار کے لیے حضور کی عظمت شان ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں۔

وہاں بھی کہا گیا ہے کہ خاتم النبین کے لفظ سے حضور کو آخری نبی سمجھنا' یہ عام معنی عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ معنی عوام کے خیال میں ہیں۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطہ نظر الگ الگ ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت نہیں ہو گیا تو اب اس انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں یا ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں' کوئی پہنچ گیا کوئی رہ گزر میں ہے۔

پس خاتم النبین بمعنی آخری نبی کے انکار کی بنیاد اگر قادیانی جماعت کو منکر ختم نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر دیوبندی جماعت کو بھی منکر ختم نبوت نہ قرار دیا جائے۔

صفائی میں کوئی یہ کہے کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عملاً ایک نیا نبی مان چکے ہیں اس لیے انہیں منکر نبوت کہنا واقعہ کے عین مطابق ہے۔ میں جواباً عرض کروں گا کہ عقیدے کی حد تک یہی مسلک تو دیوبندی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھا ہوا ہے۔

"اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا ختم ہونا بدستور قائم رہتا ہے"۔

(تحذیر الناس' ۱۲)

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوت صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا"۔

(ص ۲۸)

marfat.com

غور فرمائیے جب دیوبندی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی قباحت کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو قادیانیوں کا اس سے زیادہ اور قصور ہی کیا ہے جو چیز اہل دیوبند کے یہاں جائز و ممکن تھی اسے انہوں نے واقع کر لیا۔ اصل کفر تو نئے نبی کے جواز و امکان سے وابستہ تھا۔ جب وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھنے کا ہمارے پاس ذریعہ کیا رہا۔

کیونکہ اس راہ میں عقیدے کی جو سب سے مضبوط دیوار حائل تھی وہ تو یہی تھی کہ قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں چونکہ حضور آخری نبی ہیں' اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب دیوبندی جماعت کے نزدیک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی بھی نہیں ہیں اور کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اب آخر کس بنیاد پر کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھا جائے گا اور کس دلیل سے کسی نئے نبی پر ایمان لانا کفر قرار پائے گا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بنیادی سوال کے لحاظ سے دیوبندی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

میری اس مدلل رائے سے اگر دیوبندی مذہب کے علماء کو اختلاف ہو تو وہ کھلے بندوں یہ اعلان کر دیں کہ "تحذیر الناس" ان کی کتاب نہیں ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو "تحذیر الناس" میں کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ جن دو بنیادی عقیدوں کا انکار کیا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے' اس کے خلاف فتوے کی زبان میں اپنی مذہبی بیزاری کا صاف صاف اعلان کریں۔

واضح رہے کہ وہ دو بنیادی عقیدے جن کا "تحذیر الناس" میں انکار کیا گیا ہے' یہ ہیں۔

پہلا عقیدہ --- خاتم النبین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔

دوسرا عقیدہ --- کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ دیوبندی علماء "تحذیر الناس" کے خلاف یہ اعلان ہرگز نہیں کریں گے' کیونکہ انہوں نے اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کو اب تک تسلیم نہیں کیا ہے۔ بہرحال کوئی وجہ بھی ہو اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسلامی دنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام دیوبندی جماعت پر بھی عائد کیا جائے گا۔

ختم نبوت کا انکار وراثت میں

عقیدہ ختم نبوت کے انکار کا جو سنگ بنیاد مولانا قاسم نانوتوی نے رکھا تھا' اسے بعد کے آنے والوں نے صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس پر عمارت بھی کھڑی کر دی۔ اس سلسلے میں قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کی کارگزری خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے دادا جان کے اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

نمونے کے طور پر ان کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے جسے مفتیان دیوبند نے "انکشاف" نامی کتاب میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عالم امکان میں سرچشمہ علوم و کمالات میں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی فیض ہیں خاتم النبین کی نبوت کا' درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے

marfat.com

چلتے گئے۔(انکشاف مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۶۴)

جب حقیقی نبی آپ ہیں تو ظاہر ہے کہ دوسرے انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہوں گے۔ یہی وہ فارمولا ہے جسے مرزا غلام احمد قادیانی نے ظلی نبی' بروزی نبی اور امتی نبی کے نام سے اپنے لیے ایجاد کیا ہے۔

تقریر کے علاوہ "آفتاب نبوت" کے نام سے اسی عنوان پر انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جو پاکستان سے شائع ہوتی ہے اس میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا' نبی ہو گیا"۔(آفتاب نبوت ص ۱۹)

اس عبارت پر مدیر تجلی آنجہانی مولانا عامر عثمانی کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ تبصرہ نہیں ہے بلکہ دیوبندی جماعت کی پشت پر قہر الٰہی کا ایک عبرتناک تازیانہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"قادیانیوں کو اس سے استدلال ملا کہ روح محمدی تو بہرحال فنا نہیں ہوئی' وہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ پہلے اس نے ہزاروں انسانوں کو نبوت بخشی تو اب نہ بخشے"۔(تجلی دیوبند نقد و نظر نمبر ص ۷)

اب اسی کے ساتھ تجلی کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ بھی پڑھ لیجئے' تاکہ یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ جائے کہ مہتمم صاحب نے آفتاب نبوت لکھ کر در پردہ کس کا حق نمک ادا کیا ہے۔

"اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئی اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے اور آپ کی توجہ روحانی "نبی تراش" ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور کو نہیں ملی"۔

(حقیقت الوحی بحوالہ تجلی نقد و نظر نمبر ص ۷۳)

اب عین دوپہر کے اجالے میں مہتمم صاحب کا اصلی چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں تو مہتمم صاحب موصوف اور مرزا صاحب دونوں کی تحریروں کو ایک چوکٹھے میں رکھ کر مدیر تجلی کا یہ دھماکہ خیز بیان پڑھئے۔

"حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو "نبوت بخش" کہا تھا۔ مرزا صاحب "نبی تراش" کہہ رہے ہیں۔ حرفوں کا فرق ہے معنی کا نہیں!"(تجلی نقد و نظر نمبر ص ۷۸)

کیا سمجھے آپ؟ دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مرزا صاحب کا عقیدہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آج بھی حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ نبوت کی استعداد رکھنے والے کسی شخص پر پڑ جائے تو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مہتمم صاحب بھی حضور کو "نبوت بخش" کہہ کر بالکل اس عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ الفاظ و بیان میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعا دونوں کا ایک ہے۔ واضح رہے کہ مدیر تجلی کا یہ تبصرہ الزام نہیں' بلکہ عین امر واقعہ ہے کیونکہ دونوں کے انداز فکر میں اتنی عظیم مطابقت ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں کھینچا جا سکتا۔ مثال کے طور پر مرزا صاحب نے اپنے دعوائے نبوت کے جواز میں مجازی' ظلی اور امتی نبی کا ایک نیا فارمولا تیار کیا تھا اور مہتمم صاحب کی تقریر کا جو اقتباس مفتیان دیوبند نے "انکشاف" نامی کتاب میں پیش کیا ہے' اس میں مہتمم صاحب نے بھی اسی فارمولے کی زبان استعمال کی ہے۔ جیسا کہ ان کی تقریر کا ایک فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ "درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے"۔

marfat.com

غلط جذبہ پاسداری سے بالاتر ہو کر انصاف کیجئے کہ یہ بالکل مرزا صاحب کی زبان ہے یا نہیں۔

"درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں" کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کے سوا دوسرے تمام انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہیں۔ یہی مرزا صاحب نے بار بار کہا ہے اور یہی بات مہتمم صاحب فرما رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے، معنی کا نہیں۔

"آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے"

یہ فقرہ بھی قادیانیوں کے اس دعوے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ جب آپ کی نبوت کے فیض سے پہلے بھی انبیاء بنتے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

تصویرِ کارخ زیبا

مدرسہ دیوبند کے سربراہوں کے ذریعہ قادیانی مذاہب کو کتنی تقویت ملی؟ اسے پھولنے پھلنے کے کتنے مواقع میسر آئے؟ اور ذہن کی فضا سازگار بنانے کے لیے کیسے کیسے ایمان سوز نوشتے ہاتھ آئے؟ اس کی قدرے تفصیل پچھلے اوراق میں آپ کی نگاہ سے گزر چکی ہے۔ اب بریلی کے مرکز رشد و ہدایت کا بھی ایک جلوہ ملاحظہ فرمائیے!

وہ تاج برطانیہ جس کی حدود و مملکت میں سورج نہیں غروب ہوتا تھا، نہ وہ بریلی کا قلم خرید سکا، نہ اس فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں حکومت کی سطوت و جبروت کا کوئی خطرہ وہاں حائل ہو سکا۔ ادھر فتنہ نے جنم لیا اور ادھر سرخیل کاروان سنت، مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا کے قلم کی تلوار بے نیام ہو گئی۔ یہ پوری کہانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سنئے کہ اسے دوست کا نہیں دشمن کا اعتراف کہا جائے گا۔ موصوف اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ...

حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ

اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِکَ اِلَّافِیْ شُرَکَائِکَ۔ میں تمہاری ہر دعا قبول کروں گا سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہو۔

حضرت نے مرزا صاحب کو اسی الہام وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے، اس لیے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لیے دعا کریں۔

وہاں سے عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کر تمہارا خط پہنچا، تمہارے لیے خوب دعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاددہانی کرا دیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانے میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا، میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک ایک کارڈ دعا کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں، اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے۔ میں نے بھی دیکھیں قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ص ۵۵، ۵۶، مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کچھ دنوں شاہ عبدالقادر صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی تھے، لیکن دین میں اعلیٰ حضرت کی سختی انہیں پسند نہیں آئی اور وہ دوسری جگہ چلے گئے۔

marfat.com

اس عبارت میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیرو مرشد کا کردار ملاحظہ فرمائیے کہ ایک کذاب مدعی نبوت کے ساتھ کتنی خوش عقیدگی ہے۔ اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کے ایمان و یقین کی بصیرت، حق کا عرفان اور باطل شکنی کا حوصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ دشمن سے لڑنے کے لیے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔

ایک اور تازہ کتاب

"خطبات حکیم الاسلام" کے نام سے مہتمم صاحب کی تقریروں کا ایک نیا مجموعہ حال ہی میں دیوبند سے شائع ہوا ہے۔ خاتم النبین اور ختم نبوت کے عنوان کے تحت موصوف کی تقریر کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"خاتم النبین کا مطلب یہ ہے کہ نبوت علم اور اخلاق کے کتنے مراتب ہیں وہ آپ کی ذات بابرکات کے اوپر ختم ہو چکے ہیں"۔ (خطبات ص ۴۶، قسط اول)

ختم نبوت کا مفہوم اس اقتباس میں کتنی صفائی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے۔

"ختم نبوت کا معنی قطع نبوت کا نہیں کہ نبوت قطع ہو گئی، ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت، یعنی نبوت کامل ہو گئی"۔ (خطبات ص ۵۰، قسط اول)

اور یہاں پہنچ کر تو مہتمم صاحب نے اپنے چہرے کا بالکل نقاب ہی الٹ دیا ہے۔

"ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے"۔

(خطبات حکیم الاسلام ص ۵۰)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جب نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو اب جتنے نبی آ جائیں، انہیں کون روک سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

نوٹ: اس کتاب کا کچھ حصہ جناب اویس عثمانی کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔

marfat.com

پروفیسر علامہ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب پی ایچ ڈی کراچی' پاکستان

تعظیم و توقیر

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ------ (القرآن)

ہم قرآن کریم نہیں دیکھتے' ہم قرآن کریم نہیں پڑھتے' سنی سنائی پر یقین کر لیتے ہیں' بہت بھولے ہیں--- جب قرآن کریم میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (سورۂ نحل:۸۹) اور ہر بات کی تفصیل موجود ہے۔ (سورہ یوسف:۱۱۱) تو پھر قرآن کریم سے کیوں نہ پوچھا جائے--- ادھر ادھر کیوں بھٹکتے رہیں؟--- ایک ایک کا منہ کیوں تکتے رہیں؟--- کوئی کچھ بتاتا ہے' کوئی کچھ--- دل الجھ کر رہ جاتا ہے' دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے--- متاع عشق و محبت برباد ہونے لگتی ہے' جب وہ برباد ہو گئی تو پھر کیا رہ گیا؟--- ایک خاک کا ڈھیر' ایک بے جان لاشہ--- محبت کی باتیں اتنی مشکل نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکیں--- دل والا ہو تو بات آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے--- یہ باتیں دماغ سوزی سے سمجھ میں نہیں آتیں۔---

ہے دانش برہانی حیرت کا فروانی

کسی بھی شخصیت سے جب تک محبت نہ ہو اور اس کی عظمت کا نقش دل میں نہ بیٹھے' اس کے حضور ادب کا جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا--- اللہ تعالیٰ نے جب محبت کی بات کی تو اپنی اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا ایک ہی معیار رکھا' (سورہ توبہ: ۲۴) --- دو معیار نہ رکھے' تاکہ آپ کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ ہو جائے--- اپنی جان سے بڑھ کر آپ سے محبت کو ایمان کے لیے شرط اول قرار دیا۔ (توبہ:۱۲)

اور اس محبت کو تعظیم کے لیے شرط اول قرار دیا--- فرشتوں کے دل میں حضرت آدم علیہ السلام کا نقش عظمت بیٹھا تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے (سورہ اعراف:۱۱' سورہ بقرہ: ۳۴) --- برادران یوسف (علیہ السلام) کے دل میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کا نقش عظمت بیٹھا تو سب کے سب ان کے حضور سجدے میں گر پڑے۔ (سورہ یوسف:۱۰۰)--- ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو محض ایک بشر اور انسان سمجھا اس لیے تعظیم کے لیے تیار نہ ہوا' ہمیشہ کے لیے مردود و ذلیل ہوا۔ (سورہ اعراف:۱۱' ۱۳)--- محبت فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے' یہ انقلاب پیدا نہ ہو تو انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس کا ہوا۔ ہمیں ہر آن اپنے فکر و نظر کی حفاظت کرنی چاہیے--- کوئی مسلمان انبیاء علیہم السلام کو محض ایک انسان اور بشر نہیں سمجھ سکتا کیونکہ یہ فکر و خیال ابلیس کا ہے' یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کا ہے جس کا بار بار قرآن کریم میں ذکر کیا گیا۔ (سورہ ابراہیم:۱۰' انبیاء:۳' مومنون:۲۴' ۳۳'

marfat.com

شعرا:۱۸۶، یٰسین:۱۵، ہود:۲۷)--- کسی صحابی نے اور صلحائے امت میں سے کسی نے بھی آپ کو اپنے جیسا انسان اور بشر نہ سمجھا اور نہ کہا--- ایسی سوچ سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو ہی نہیں سکتی' اور جب محبت پیدا نہ ہو تو پھر تعظیم و ادب کی بات کیا کی جائے؟

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا نقش دلوں میں جمایا' پھر آپ کی عظمت کا نقش دلوں میں بٹھایا تاکہ جب ادب کی باتیں کی جائیں تو یہ باتیں دلوں میں بیٹھتی چلی جائیں--- تعظیم و تکریم کے لیے فرمایا:

۱- میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔ (سورہ مائدہ:۱۲)

۲- اس رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ (سورہ فتح:۹)

۳- تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں۔ (سورہ اعراف:۱۵۷)

ایمان لانے کے بعد ہی تعظیم کا ذکر فرمایا' پھر دل و جان سے مدد کرنے کا ذکر فرمایا' پھر آپ کی اطاعت و پیروی کا ذکر فرمایا--- اس کے بعد یہ خوشخبری سنائی کہ ایمان لانے والے' تعظیم کرنے والے' مدد کرنے والے' اطاعت و پیروی کرنے والے ہی تو بامراد ہیں (سورہ اعراف:۱۵۷)--- بے شک دونوں جہاں میں سرفرازی کا یہی طریقہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے' آپ کی دل و جان سے تعظیم کی جائے اور اس تعظیم و ادب کو اپنے قول و عمل سے ظاہر کیا جائے--- محبت کی خوشبو پھیلے بغیر نہیں رہتی--- حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی اطاعت کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی ذکر فرمایا ہے--- جہاں اپنے حضور نافرمانی کا ذکر فرمایا ہے وہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور بھی نافرمانیوں کا ذکر کیا ہے۔ (سورۂ آل عمران:۱۲۳' سورہ نساء:۱۴)--- اور یہ کہیں نہ فرمایا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی بلکہ یہ فرما کر آپ کی عظمت کو بڑھایا: جس نے رسول کی اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی (سورہ نساء:۸۰' آل عمران:۲۳' ۱۳۲)--- مقصود و مطلوب آپ کی محبت و اطاعت ہے جس نے آپ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اور جس نے آپ کی اطاعت کی اللہ کا محبوب بن گیا (سورہ آل عمران:۳۱)--- اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کے آثار اور نشانیوں کی تعظیم کا بھی حکم دیا ہے (سورہ حج:۳۰' ۳۲)--- کہ محبوبوں سے نسبت رکھنے والی چیزیں بھی محبوب ہوتی ہیں (سورۂ آل عمران:۸۱)--- یہی محبت کی فطرت ہے۔

کسی بھی شخصیت کا نقش عظمت دل میں بٹھانے کا ایک اور یہ بھی طریقہ ہے کہ اس کی آمد آمد کا ذکر کیا جائے اور اس کا نام نہ بتایا جائے--- اللہ تعالیٰ نے ظہور قدسی سے لاکھوں' کروڑوں سال پہلے انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا اور ان سے یہ عہد لیا کہ جب وہ آنے والا آئے تو سب اس پر ایمان لائیں اور دل و جان سے اس کی مدد کریں (سورہ آل عمران:۸۱)--- یہ معمولی واقعہ نہیں ایک عظیم واقعہ ہے--- پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو دونوں ہاتھ پھیلائے اس آنے والے کے لیے دعا فرما رہے تھے (سورہ بقرہ:۱۲۹)--- پھر ظہور قدسی سے تقریباً ۵۷۰ سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے ہیں اور اس آنے والے رسول کی خبر دے رہے ہیں' ہر امتی کو جس کا انتظار تھا اور جس کے وسیلے سے فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگی جاتی تھیں (بقرہ:۸۹)--- فرما رہے ہیں "میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا"۔ (سورہ صف:۶)--- یہ رفع ذکر کا وہ نظارہ ہے جو سارے عالم کو دکھایا گیا (سورہ قدر:۳)--- تاکہ آپ کی شان اور دوبالا ہو جائے--- پھر جس کی آمد آمد کا ذکر کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنی اپنی امتوں میں کیا اور دنیا میں ایک غلغلہ بپا ہوا' اچانک اس پیکر نوری کی آمد کا اعلان فرمایا گیا (سورہ مائدہ:۱۵)--- اور آپ کو ساری مخلوق میں افضل و برگزیدہ بنایا گیا

marfat.com

(مسلم شریف، باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ترمذی شریف، کتاب التفسیر)--- آپ کی عظمت و شان کے اظہار کے لیے آپ کے آباء کی قسم کھائی (سورہ بلد: ۳) --- آپ کی حیات مبارک کی قسم کھائی (سورہ حجر: ۷۲)--- آپ کے شہر مقدس مکہ معظمہ کی قسم کھائی (سورہ بلد: ۳-۱)--- آپ کے اخلاق عالیہ کا ذکر فرمایا۔ (سورہ قلم: ۴)---

آپ کی عادت کریمہ کا ذکر فرمایا (سورہ توبہ: ۱۲۸)--- آپ کے علم و فضل کا ذکر فرمایا (سورہ تکویر: ۲۴، سورہ نساء: ۱۱۳)--- آپ کی رحمت عامہ کی شان یہ بتائی کہ سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے (سورہ انبیاء: ۱۰۷)--- تبلیغ و ارشاد کی شان یہ بتائی کہ آپ کی ذات سارے عالم کے لیے کافی ہے (سورہ سبا: ۲۸)--- نبوت و رسالت کی شان یہ بتائی کہ اب قیامت تک صرف آپ ہی کا فیض جاری رہے گا، کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا (سورہ احزاب: ۴۰)--- اور قیامت کے دن عرش کے داہنی جانب صرف اور صرف آپ کی کرسی رکھی جائے گی۔ (ترمذی شریف، کتاب المناقب) یہ ساری باتیں اس لیے کہی گئیں، تاکہ سننے والوں کے دلوں میں آپ کا نقش عظمت قائم ہو اور کوئی آپ کے ظاہر کو دیکھ کر اپنے جیسا انسان نہ سمجھ بیٹھے اور دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو--- جس طرح کفار و مشرکین و یہود و نصاریٰ نے سمجھا اور ذلیل و رسوا ہوئے۔ (سورہ ابراہیم: ۴۰)--- قرآن کریم کا دامن حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے، دیکھنے کے لیے نظر چاہیے--- آیئے کچھ اور نظارہ کریں--- اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ خود ہر مسلمان کی رگ جاں سے قریب ہوا (سورہ ق: ۱۶)--- اور تاجدار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر مسلمان کی جان سے قریب کیا گیا (سورہ احزاب: ۶)--- خود فرما رہے ہیں "کوئی مومن ایسا نہیں جس کے ساتھ میں، دنیا و آخرت میں قریب نہیں"۔ (بخاری شریف، کتاب الاستقراض، مسلم شریف، کتاب الجمعہ)--- آپ کی شان کیا بیان کی جائے، ساری امت پر آپ کو گواہ بنایا گیا (سورہ احزاب: ۴۵، سورہ فتح: ۸، سورہ مزمل: ۱۵)--- آپ کو وہ قرآن عطا فرمایا جس میں ہر چیز کا روشن بیان اور تفصیل موجود ہے۔ (سورہ نحل ۸۹، سورہ یوسف: ۱۱۱)--- آپ کو ہزار مہینوں سے افضل لیلۃ القدر عطا کی گئی۔ (سورہ قدر: ۳)--- آپ کو "مقام محمود" کی بشارت سنائی گئی۔ (سورہ بنی اسرائیل: ۹۷)--- آپ پر درود بھیج کر اس مسند عظمت پر بٹھایا گیا (سورہ بقرہ: ۲۴۸)--- جس کی بلندیوں کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں--- آپ ہی کی رضا و خوشنودی کے لیے قبلہ کا رخ بدل دیا گیا۔ (بقرہ: ۱۴۴) بے شک۔

تو جدھر ہے ادھر خدائی ہے

اللہ کو اپنے محبوبوں سے بھی محبت ہے ان سے تو محبت ہے ہی، ان چیزوں سے بھی محبت ہے جن سے محبوبوں کو نسبت ہے--- اس رمز محبت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے--- دل میں اتار لیجئے--- لکڑی کا وہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، قرآن حکیم نے اس کو "چین کا گھر" (سورۂ بقرہ: ۲۴۸)--- قرار دیا اور فرشتوں نے اسے اٹھایا (سورۂ بقرہ: ۲۴۸)--- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے "نشان قدم" کو بیت اللہ کے سامنے رکھوایا اور اپنی نشانی قرار دیا (سورہ بقرہ: ۱۲۵، سورہ آل عمران: ۵۷)--- حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے "نشان راہ" کو اپنی نشانی قرار دیا اور اس کے گرد چکر لگانے کی اجازت دی گئی (سورہ بقرہ: ۱۵۸)--- حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عالی بستیوں کی وجہ سے دنیا کی ساری مساجد میں سے تین مسجدوں کا انتخاب فرمایا اور دور دراز کا سفر کر کے ان مسجدوں کی زیارت اور ان میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (جامع الرضوی، جلد ۲، ص ۳۱۲، بحوالہ بخاری شریف)--- اس اجازت میں کیا راز تھا؟--- وہی راز محبت جس کو عقل والے نہیں سمجھ سکتے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں سفر کر کے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ اس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام (سورہ بقرہ: ۱۲۷، جامع الرضوی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۰)--- اور نہ معلوم کتنے ہزاروں، لاکھوں انبیاء، صلحاء

marfat.com

امت سے نسبت ہے اور سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں عبادت و ریاضت فرمائی--- مسجد اقصیٰ میں سفر کرکے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیمہ کی جگہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی' پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو تعمیر کرایا (سورہ سبا ۱۲-۱۳' سورہ اسراء:۱' جامع الرضوی جلد ۲' ص ۳۱۰)--- اور مسجد نبوی شریف میں سفر کرکے حاضری کی اس لیے اجازت دی کہ اس کی تعمیر میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حصہ لیا (جامع الرضوی' جلد ۲' صفحہ ۳۱۰' بحوالہ بخاری شریف' سورہ توبہ:۱۰۸-۱۰۹)--- اس کو مرکز اسلام بنایا' اسی کے متصل ہی قیام فرمایا--- آج ازواج مطہرات کے سارے حجرے بلکہ مدینہ منورہ کا بڑا حصہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوگیا ہے--- آپ خود اس مسجد شریف میں آرام فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی---- ساری بہاریں نسبتوں کی ہیں--- اللہ! اللہ! محبوبوں کی اداؤں کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حصہ بنادیا۔ (سورہ حج:۳۲' سورہ بقرہ:۱۵۸)--- اس "رمز محبت" کو سمجھنے کی کوشش کریں تو پھر سب باتیں سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔

جب دل میں کسی کی محبت و عظمت گھر کر جاتی ہے تو اس محبوب کے حضور ادب کے لیے ابھارتی ہے--- محبت خود بخود ادب سکھاتی ہے--- وہ محبوب کی خامیاں تلاش نہیں کرتی--- یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے--- وہ محبوب کی ہر ادا پہ جان فدا کرتی ہے--- خامیاں اور برائیاں تلاش کرنا تو دور کی بات ہے وہ محبوب کی برائی سننا بھی پسند نہیں کرتی' برائی کرنے والوں سے منہ پھیر لیتی ہے--- پھر کبھی پلٹ کر نہیں دیکھتی--- اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا محبوب بنایا--- ہمارے لیے نمونہ بنایا (سورہ احزاب:۲۱)--- محبت کرنے اور محبت کی باتیں کرنے کا حکم دیا--- ذہنی پراگندگی اور پریشان خیالی کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا--- اللہ اکبر! عاشق کو آداب محبت سکھا کر جینے کا سلیقہ بتادیا۔

۱- نام نامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ادب سکھایا--- خبردار! نام لے لے کر اس طرح نہ پکارو اور نہ بلاؤ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے اور بلاتے ہو (سورہ نور:۶۳)--- اور خود بھی قرآن کریم میں نام لے کر خطاب نہ فرمایا جس طرح اور نبیوں کے نام لے کر خطاب فرمایا ہے۔ (سورہ مائدہ:۴۱' ۶۷' انفال:۶۴' ہود:۴۸' بقرہ:۳۵' قصص:۳۰' صفت:۱۰۴-۱۰۵)---

۲- آپ کے خرام ناز اور چال کا یہ ادب بتایا کہ نہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرو اور نہ چلتے چلتے آگے نکلو۔ (سورہ حجرات:۱)

۳- دولت کدے میں حاضری کا یہ ادب سکھایا کہ گھر کے باہر سے ہرگز ہرگز آپ کو آواز نہ دو انتظار کرو کہ آپ خود باہر تشریف لے آئیں۔ (سورہ حجرات:۴-۵)

۴- ازواج مطہرات کا یہ ادب بتایا کہ کبھی کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (سورۂ احزاب:۵۳)

۵- دولت کدے پر حاضری کا ادب یہ بتایا کہ بغیر بلائے نہ جاؤ' جب کبھی کھانے پر بلائیں تو وقت پر جاؤ' یہ نہیں کہ پہلے سے چلے جاؤ اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو۔ (سورہ احزاب:۵۳)

۶- اور دعوت کا ادب یہ سکھایا کہ جب کھانا کھا چکو تو خواہ مخواہ بیٹھے باتیں نہ کرتے رہو کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے۔ واپس چلے آؤ۔ (سورہ احزاب:۵۳)

۷- خلوت کدے میں کوئی خاص بات کرنے کا ادب یہ بتایا کہ اگر تنہائی میں بات کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ دو (کہ تم ایک بڑے دربار میں حاضر ہو رہے ہو) پھر حاضر ہو کر سرگوشی میں بات کرسکتے ہو۔ (سورہ مجادلہ:۱۲-۱۳-۵۸)

۸- محفل کا ادب یہ سکھایا کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے ہوں تو خوب کان لگا کر سنو کہ (سورہ بقرہ:۱۰۴) دوبارہ متوجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے کہ یہ بات بھی ادب کے خلاف ہے--- اگر متوجہ کرنا ہو تو "انظرنا" کہو یعنی ہم

marfat.com

پر دوبارہ نظر کرم فرمائیے۔(سورہ بقرہ: ۱۰۴)

۹- بات کرنے کا ادب یہ سکھایا کہ جب آپ سے باتیں کرو تو خبردار آپ کی آواز سے اونچی آواز نہ کرنا اور نہ تڑخ کر بولنا' ایسا نہ ہو کہ اس بے ادبی کی وجہ سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہو۔(سورہ حجرات: ۲-۳)

۱۰- مجلس مشاورت کا ادب یہ بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی مسئلے پر گفتگو کے لیے بلائیں اور سب جمع ہوں تو خبردار! بغیر آپ کی اجازت کے کوئی اٹھ کر نہ جائے۔ (سورہ نور: ۶۲) اگر کوئی اجازت لینا چاہے' جس کو چاہیں آپ اجازت دیں۔ (سورہ نور: ۶۲) اور جس کو چاہیں اجازت نہ دیں۔

۱۱- یہ محفل بڑی عالی محفل ہے--- جو لوگ آڑ لے کر چپکے سے چلے جاتے ہیں' اللہ ان کو دیکھتا ہے' خبردار! ایسا نہ کرو کہیں تم کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور تم پر دردناک عذاب نہ آن پڑے۔(سورہ نور: ۶۳)

اللہ اکبر! یہ وہ بارگاہ ادب ہے جہاں آواز اونچی کرنے پر اعمال ضائع ہو رہے ہیں (سورہ حجرات: ۲) --- جہاں محفل سے بلا اجازت چلے جانے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے--- بے شک۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۱۲- آپ کے فیصلے کا یہ ادب کہ جو فیصلہ فرمادیں' دل سے تسلیم کیا جائے' ذرہ برابر دل میں غبار نہ رکھا جائے۔ (سورہ نساء: ۶۵)

۱۳- وہ فیصلہ فرمادیں تو کسی کو کوئی اختیار نہیں (سورہ احزاب: ۳۶) --- وہ بے اختیار نہیں' ان کے سامنے ہم بے اختیار ہیں---

۱۴- آپ کے حکم کا یہ ادب کہ جب بلائیں فوراً حاضر ہو جاؤ (سورہ انفال: ۲۴) خواہ نماز ہی میں کیوں نہ ہو---

۱۵- حکم کی تعمیل میں ذرا سی سستی پر تین صحابہ کرام کی وہ گرفت ہوئی کہ ان کی جان پر بن گئی' زمین باوجود وسعت کے تنگ ہو گئی (سورہ توبہ: ۱۱۷) سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بولنا کیا بند کیا' سب نے بولنا بند کر دیا۔

تو کیا بدل گیا کہ زمانہ بدل گیا

چالیس دن اسی کرب و اضطراب میں گزر گئے' پھر وحی نازل ہوئی' توبہ قبول ہوئی' جان میں جان آئی' سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گلے لگایا' سب نے گلے لگایا--- سب بولنے لگے---

۱۶- ازواج مطہرات کا یہ ادب کہ ان کو مومنین کی مائیں قرار دیا (سورہ احزاب: ۶) اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ادب کہ آپ کو باپ کہنے سے منع کر دیا گیا (سورہ احزاب: ۴۰) کہ آپ اللہ کے محبوب اور رسول ہیں۔ آپ کی شان بہت عالی ہے--- بھائی تو بھائی' آپ کو باپ کہنا بھی گستاخی ہے---

۱۷- سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ادب کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ازواج مطہرات کو مومنین پر حرام کر دیا (سورہ احزاب: ۵۳) اور فرمایا کہ ان سے کسی کا نکاح کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑی جرات ہے (سورہ احزاب: ۵۳) --- وہ زندہ ہیں' وہ پائندہ ہیں۔

۱۸- اللہ کے حضور گناہوں کی معافی مانگنے اور توبہ کرنے کا یہ سلیقہ بتایا کہ جب گناہ ہو جائے تو سیدھے ہمارے پاس نہ آؤ' ہمارے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ' پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو' توبہ کرو اور آپ بھی اس کی سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے (سورہ نساء: ۶۴)

marfat.com

۱۹- اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلے سے آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا (سورہ فتح: ۲) اور دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی--- بے شک آپ رحمت عالم ہیں (سورہ انبیاء: ۱۰۷) آپ کے ہوتے ہوئے امت پر عذاب ہو ہی نہیں سکتا۔ (سورہ انفال: ۳۳)

۲۰- اللہ تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی بھی ایذا رسانی گوارا نہیں--- مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ اس طرح نہ ستانا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے ماننے والوں نے ستایا تھا (سورہ احزاب: ۶۹-۵۳) پھر فرمایا کہ جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قول و عمل سے ایذا دیتے ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور آخرت میں ذلت کا عذاب (سورہ احزاب: ۵۷) اور دردناک عذاب (سورہ توبہ: ۶۱) جب ادنیٰ سی ایذا رسانی پہ یہ وعیدیں ہیں تو آپ کی شان میں زبان درازیوں اور گستاخیوں کا کتنا بڑا عذاب ہو گا؟

ایک منافق امام بدنیتی سے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لیے نماز میں ہمیشہ سورہ عبس پڑھا کرتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابی کو بھیج کر اس منافق امام کا سر قلم کرا دیا (تفسیر روح البیان جلد ۱۰' ص ۳۳۱) حالانکہ وہ قرآن ہی پڑھا کرتا تھا مگر نیت میں کھوٹ تھا' قابل گردن زدنی قرار دیا گیا--- خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی اور بدنیتی برداشت نہیں کر سکتے تھے' یہ اس سچی محبت کا تقاضا تھا جس سے ان کے سینے روشن تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جیسی محبت کرتے تھے اور آپ کا جیسا ادب اور تعظیم کرتے تھے' اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی--- حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت ماب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ادب و تعظیم کے جو ایمان افروز مناظر دیکھے اس کو بیان کرتے ہوئے' وہ فرماتے ہیں۔

قسم خدا کی! بادشاہ کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں--- میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھ اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ (بخاری شریف جلد ۱' ص ۳۷۹)

حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مناظر اس وقت دیکھے جب وہ مشرف باسلام نہ ہوئے تھے--- وہ فرماتے ہیں' صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

- سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لپکنے کے لیے آپس میں جھپٹتے تھے۔
- آپ کی بارگاہ میں اونچی آواز سے نہ بولتے تھے۔
- چہرہ مبارک کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے' سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ (بخاری شریف: ص ۳۷۹)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ادب و تعظیم کے واقعات کیا بیان کیے جائیں' وہ سراپا محبت تھے وہ سراپا ادب تھے--- چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

۱- ایک مرتبہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کا پانی ایک لگن میں لیے باہر آئے تو صحابہ جھپٹ پڑے جس کو پانی کا ایک قطرہ نہ ملا اس نے دوسرے صحابی کی تری کو چھو کر اپنے چہرے پر مل لیا۔

(بخاری شریف' مسلم شریف' مشکوۃ شریف ص ۴۷)

۲- ایک صحابی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال اتار رہے تھے' ارد گرد گھیرا ڈالے صحابہ کرام

marfat.com

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کھڑے تھے' زمین پر گرنے سے پہلے بالوں کو اپنے ہاتھ پر لے لیتے۔(مسلم شریف جلد ۲'ص ۲۵۶)

۳- حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میرے پاس حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔(بخاری شریف جلد ۱'ص ۲۹)

۴- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لکڑی کے پیالے کو جان سے لگا کر رکھا تھا (بخاری شریف جلد ۲'ص ۸۴۲)---جس کو ایک جانثار نے آٹھ لاکھ درہم میں خریدا---

۵- حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی وصیت کے مطابق کفن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرتا پہنایا گیا' آپ کی چادر میں لپیٹا گیا' آپ کا تہہ بند باندھا گیا--- گلے اور منہ اور ان اعضا پر جو سجدہ کے وقت زمین پر لگتے ہیں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک اور تراشہ ناخن اقدس رکھے گئے۔(مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف جلد ۵'ص ۶۳۸)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سامنے ہوں یا نہ ہوں' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے' حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے دلوں میں بسے ہوئے تھے---اور یہ ادب ان کو آپ ہی نے تعلیم فرمایا---

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا---"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو سامنے نہ تھوکے"۔(مشکوۃ شریف ص ۶۹)---کیوں نہ تھوکے؟ کہ اس طرف بیت اللہ ہے---بیت اللہ سامنے ہو یا نہ ہو اس کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان پر لازم ہے---ایک صحابی نے نماز پڑھاتے وقت قبلہ کی طرف تھوک دیا' سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تھوکتے ہوئے دیکھ لیا---فرمایا' آئندہ یہ شخص لوگوں کو نماز نہ پڑھائے (مشکوۃ شریف ص ۷۱)---اور پھر اس نے کبھی نماز نہ پڑھائی---حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں شاید سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا---"تو نے اللہ و رسول کو اذیت دی اور ان کو ستایا"۔(مشکوۃ شریف ص ۷۱)

اپنے کسی قول و عمل سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت نہ دیں---آپ کی تعظیم و توقیر مقصود حیات ہے' مطلوب پروردگار ہے---جس کا دل آپ کی محبت اور ادب و تعظیم سے خالی ہے وہ ایمان سے محروم ہے' یہی قرآن کا فیصلہ ہے---اپنے ایمان کی حفاظت کریں---یہ ایک گوہر بے بہا ہے---تنہا نہ رہیں' بچوں کے ساتھ رہیں (سورہ توبہ:۱۱۹)---سچے وہ ہیں جن کی صحبت میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و الفت اور ادب و تعظیم پیدا ہو۔جن کی صحبت میں آپ کے سینے محبت رسول علیہ التحیتہ والتسلیم سے خالی ہونے لگیں اور آپ بے ادب و گستاخ بننے لگیں' ان سے اس طرح بچیں جس طرح انسان درندوں سے بچتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوشیار رہیں---درندوں سے تو صرف جان کا خوف ہوتا ہے اور ایسے انسانوں سے ایمان کا خوف رہتا ہے---ایمان ہی سب سے قیمتی متاع ہے---یہ لٹ گئی تو سب کچھ لٹ گیا---

مولیٰ تعالیٰ ہمارے دلوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کا نقش جمائے---آپ کے حضور باادب رکھے' پریشان خیالوں اور لب کشائیوں سے محفوظ رکھے آمین!---بلاشبہ بامراد ہوا جس نے اس در پر سر جھکایا---کامیاب ہوا جس نے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا---سرفراز ہوا جو آپ کے نقش قدم پر چلتا رہا---

marfat.com

شریعت اور طریقت

اولیاء کرام کے اقوال وارشادات کی روشنی میں

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑا ہوا ہے۔ بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ اس لیے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے' وہ حقیقت باطل ہے"۔

(طبقات الاولیاء' امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی' جلد اول' مطبع مصر' ص ۱۳۱)

سرکار غوث اعظم فرماتے ہیں:

"جب تو اپنے دل میں کسی کی دوستی یا دشمنی پائے تو اس کے کاموں کو قرآن و حدیث پر پیش کر' اگر ان کے اعتبار سے پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت رکھ اور ناپسندیدہ ہوں تو ان سے دور رہ' تاکہ خواہش سے نہ کسی کو دوست رکھے نہ دشمن۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکا دے گی خدا کی راہ سے"۔

(طبقات کبریٰ)

سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"شریعت وہ آفتاب ہے جس کی چمک سے تمام جہان کی اندھیریاں جگمگا اٹھیں' شریعت کی پیروی دونوں جہان کی سعادت بخشتی ہے' خبردار! اس کے دائرے سے باہر نہ جانا۔ خبردار! اہل شریعت کی جماعت سے جدا نہ ہونا"۔ (بہجۃ الاسرار)

سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"میرے پیر حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھے دعا دی' اللہ تعالیٰ تمہیں حدیث داں کر کے صوفی

marfat.com

بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمہیں صوفی نہ کرے"۔(احیاء العلوم جلد اول)

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس دعا کی شرح میں فرماتے ہیں:

"حضرت سری سقطی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث و علم حاصل کر کے تصوف میں قدم رکھا فلاح کو پہنچا اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا' اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا"۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ کچھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ احکام شریعت تو وصول کا وسیلہ ہیں اور ہم واصل ہو گئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت؟

اس پر آپ نے فرمایا: وہ سچ کہتے ہیں واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں' اگر ہزار برس جیوں تو فرائض و واجبات تو بڑی چیز ہے جو نوافل و مستحبات ہیں بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں۔
(کتاب الیواقیت والجواہر)

حضرت سیدی ابولقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جس نے نہ قرآن یاد کیا' نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے بے بہرہ ہے' طریقت کے معاملہ میں اس کی پیروی نہ کریں' اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت مکمل کتاب و سنت کا پابند ہے"۔(رسالہ قشیریہ)

حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک رفیق سے فرمایا: چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنام ولایت مشہور کیا ہے۔ وہ مرجع ناس اور مشہور بہ زہد تھا۔ جب وہاں تشریف لے گئے' اس شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فوراً واپس آئے اور اس سے سلام علیک تک نہ کی اور فرمایا: یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں' جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے اس پر کیا امین ہو گا؟ (قشیریہ)

حضرت سیدنا ابو عثمان حیری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے وقت انتقال اپنے صاحبزادہ ابوبکر رحمتہ اللہ علیہ سے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے"۔(رسالہ قشیریہ)

سیدی ابوالحسین احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو حضرت سید الطائفہ ریحانہ الشام یعنی شام کا پھول کہتے تھے' فرماتے تھے:

"جو کسی قسم کا کوئی عمل بے اتباع سنت کرے وہ عمل باطل ہے"۔(رسالہ قشیریہ)

سیدنا ممشاد دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرجع سلسلہ چشتیہ بہشتیہ فرماتے ہیں:

"مرید کا ادب یہ ہے کہ آداب شریعت کی پیروی کرے"۔(رسالہ قشیریہ)

سیدنا سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"تصوف تین وصفوں کا نام ہے' ایک یہ کہ اس کا نور باطن نور تقویٰ کو نہ بجھائے۔ دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر حدیث کے خلاف ہو۔ تیسرے یہ کہ کرامتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری نہ کرائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائیں"۔(قشیریہ)

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدی ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے:

"بارہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ آتا رہتا ہے مگر جب تک قرآن و سنت دو عادل گواہ اس کی تصدیق نہیں کرتے' میں قبول نہیں کرتا"۔(قشیریہ)

marfat.com

سیدی ابوالقاسم نصر آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب و سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو"۔(طبقات کبریٰ)

سیدی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن رکھا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیہ سے کوئی علاقہ نہیں' وہ غرور غلط میں بکتے ہیں کہ ان کے دل خالص اللہ کی طرف ہو گئے ہیں اور وہ مراد کو پہنچ گئے ہیں۔ اور رسول شریعت کی پابندی عوام کا رتبہ ہے۔ ان کا یہ قول خالص الحاد و زندقہ ہے۔ اس لیے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے"۔

حضرت خاتم الولایہ المحمدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"یقین جان کہ شریعت ہی طریقت کا چشمہ ہے' اس لیے کہ شریعت کے دو دائرے ہیں: ایک اوپر ایک نیچے۔ اوپر کا دائرہ اہل کشف کے لیے ہے اور نیچے کا اہل فکر کے لیے۔ اہل فکر جب اہل کشف کے اقوال کو تلاش کرتے اور اپنے دائرہ فکر میں نہیں پاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ قول شریعت کے باہر ہے تو اہل فکر اہل کشف پر معترض ہوتے ہیں' مگر اہل کشف اہل فکر پر انکار نہیں کرتے اور جو کشف و فکر دونوں رکھتا ہے وہ اپنے وقت کا حکیم ہے۔ پس جس طرح علوم و فکر شریعت کا ایک حصہ ہیں۔ یونہی علوم اہل کشف بھی تو وہ دونوں ایک دوسرے پر لازم ہیں اور جبکہ دونوں کناروں کا جامع نادر ہے' لہٰذا ظاہر بینوں نے شریعت و حقیقت کو جدا سمجھا"۔(الیواقیت)

عارف باللہ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"علم کشف یہ ہے کہ اشیاء جس طرح واضح و حقیقت میں ہیں اسی طرح ان سے خبر دے اسے اگر تو تحقیق کرے تو اصلاً کسی بات میں شریعت کے خلاف نہ پائے' بلکہ وہ عین شریعت ہے"۔(میزان الشریعہ الکبریٰ)

سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو قدرت دے رکھی ہے جیسے امام حجتہ الاسلام غزالی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ صاحب کشف آسمان' عرش' کرسی' لوح و قلم جہاں سے اپنے علوم حاصل کرتا ہے۔ اس مکان کی ساختہ تصویر اس کے سامنے قائم کر دے اور حقیقت میں عرش و کرسی لوح و قلم نہ ہوں۔ شیطان کا دھوکہ ہوں۔ اب شیطان اس دھوکے کی ٹوٹی سے اپنا شیطانی علم القاء کرے اور یہ صاحب کشف اسے اللہ عزوجل کی طرف سے گمان کر کے عمل کر بیٹھے خود بھی گمراہ ہو اور ان کو بھی گمراہ کرے' اسی لیے ائمہ اولیاء نے کشف والے پر واجب کیا ہے کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہو اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب و سنت پر عرض کرے اگر موافق ہو تو بہتر' ورنہ اس پر عمل حرام ہے"۔(میزان)

امام ممدوح فرماتے ہیں:

"کبھی ولایت کی نہایت نبوت کی ابتدا تک نہیں پہنچ سکتی ہے اور اگر کوئی ولی اس چشمہ تک بڑھے جس سے انبیاء علیہم السلام فیض لیتے ہیں تو ولی جل جائے۔ اولیاء کی نہایت کار یہ ہے کہ شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق عبادت بجالاتے رہے ہیں۔ خواہ کشف حاصل ہوا ہو یا نہیں اور جب کبھی شریعت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکلیں گے' ہلاک ہو جائیں گے اور ان کی مدد قطع ہو جائے گی تو انہیں کبھی ممکن نہیں کہ اللہ

marfat.com

عزوجل سے خود بالاستقلال لے سکیں"۔(الیواقیت والجواہر)

حضرت عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدس فرماتے ہیں:

"وہ جو ہمارے زمانے کے بعض صوفی بننے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ اے علم ظاہر والو! تم اپنے احکام کتاب و سنت کے لیتے ہو اور ہم خود صاحب قرآن سے لیتے ہیں۔ یہ بالاجماع قطعاً بوجوہ کثیرہ کفر ہے"۔(حدیقہ ندیہ)

بالجملہ! شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس' ایک ایک پل' ایک ایک لحہ مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اسی قدر ہادی کی زیادہ حاجت ہے۔ لہٰذا حدیث میں آیا بغیر فقہ عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسے چکی کھینچنے والا گدھا کہ مکمل مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔

marfat.com

از افادات: تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ العزیز (ماہرہ شریف)
اضافہ و ترتیب نو: مولانا محمد مجاہد حسین مصباحی الہ آباد

قرآن کے دس اصول

جو مرد مومن کے لیے دنیا و آخرت کی ہر کامیابی کی ضمانت ہیں

آج مسلمان تاریخ کے جس نازک دور سے گزر رہا ہے۔ کم از کم ہندوستان کی اسلامی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ایک ہنگامہ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

معاملہ ہماری عبادت گاہوں کا ہو یا فرقہ وارانہ فسادات کا' ہر منزل پر ہمیں کچل دینے کی منظم سازشیں کی جا رہی ہیں۔ آئے دن تقریر و تحریر کے ذریعہ 'اسلام اور بانی اسلام کی شان میں بدترین گستاخیاں کر کے ہماری غیرت ایمانی کا خون کیا جا رہا ہے۔ فسادات کی آڑ میں مسلمانوں کی معیشت تباہ کی جا رہی ہے۔ مذہبی' سیاسی' علمی' معاشی ہر محاذ پر مسلمانوں کو شکست فاش دے کر محکوم بنانے کا سامان فراہم کیا جا رہا ہے۔

ایسے کربناک ماحول میں' حالات یا حکومت وقت کا دست نگر بننے کے بجائے' مسلمانو! آؤ ہم ایک نظام کے پابند ہو جائیں جس کی بنیاد پر کائنات کا حاکم مطلق اپنی حمایت و نصرت کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ جس کی حمایت و نصرت فرمائے دنیا کی کون طاقت اسے مغلوب کر سکتی ہے؟ قرآن فرماتا ہے:

"اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ"

ہماری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایماں پر
ہماری زندگی موقوف ہے تعمیل قرآں پر
ہماری فتح یابی منحصر ہے فضل یزداں پر
نہ قوت پر' نہ طاقت پر' نہ شوکت پر' نہ ساماں پر

marfat.com

تعلیمات قرآنی پر عمل پیرا ہونے کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہ تو ہمیں سکون و راحت دے سکتی ہے' نہ ہی ہماری عظمت رفتہ کو واپس لا سکتی ہے--- ذیل میں ہم زندگی و بندگی سے متعلق "قرآن کے دس حیات آفریں اصول" پیش کر رہے ہیں' جو مرد مومن کے لیے دنیا اور آخرت کی ہر کامیابی کی ضمانت ہیں--- خدائے وحدہ لاشریک ہر مسلمان کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۱) ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رہو

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں "دین اسلام" کے علاوہ کوئی دین نہیں' نہ ہی اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی مذہب اس کی بارگاہ میں قابل قبول ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ- (پارہ۱' رکوع۱۰) بے شک اللہ کے یہاں دین اسلام ہی ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ- (پارہ۳' رکوع۱۷) اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔

جا بجا خدائے وحدہ لاشریک نے اپنے اور اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کامل ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اور اسی دین پر قائم رہنے کی صورت میں فتح و کامرانی کی بشارت دی ہے' فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ- (پارہ۵' رکوع۱۷) اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر' یعنی ایمان پر ثابت قدم رہو۔

اور فرماتا ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ- (پارہ ۴' رکوع۵) تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی دین پر کاربند رہنے والوں کی امداد اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے:

کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ- (پارہ۲۱) اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ- (پارہ۲۴' رکوع۱۸) بے شک وہ جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے' پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں۔

اور ایسا بھی نہیں کہ ایمان پر ثابت قدم رہنا بہت دشوار امر ہے۔ جو ثابت قدم رہنے کا عزم کر لے تو اللہ اسے اثبات کی قوت عطا فرماتا ہے--- فرماتا ہے:

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا- (پارہ۳' رکوع۱۶) اللہ ایمان والوں کو ثابت رکھتا ہے۔

(۲) شریعت مطہرہ کی کامل پیروی کرو

آدھا تیتر آدھا بٹیر بننے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے ایمان کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ مسلمان

marfat.com

زندگی کے کسی شعبہ میں، کسی قوم، کسی مذہب، کسی حکومت کی روش پر ہرگز نہ چلے، بلکہ اپنے ہر معاملہ میں صرف اور صرف اسلامی قانون کا پابند ہو جائے۔ قرآن فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً۔ (پارہ۲، رکوع۹)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

اور فرماتا ہے:

فَاتَّبِعُوْنِىْ۔ (پارہ۳، رکوع۱۳)

تم میرے فرماں بردار ہو جاؤ۔

اور فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (پارہ۵، رکوع۶)

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنالیں، پھر جو کچھ تم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

اور فرماتا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (پارہ۵، رکوع۵)

یعنی حکم مانو اللہ اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں۔ (یعنی مسلم امراء اور حکام کا)

اور فرماتا ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (پارہ۵، رکوع۸)

جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اور فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (پارہ۲۲، رکوع۲)

اور نہ کسی مسلمان مرد، نہ مسلمان عورت کو حق ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے۔

اور فرماتا ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔ (پارہ۲۶، رکوع۵)

اگر تم دین خدا کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اور فرماتا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ (پارہ۲۸، رکوع۴)

یعنی جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو۔

(۳) علم دین حاصل کرو

علم فضل الٰہی ہے۔ قرآن و سنت کے ذخیرے علم اور علماء کی فضیلت سے معمور ہیں۔ علم دین کے ذریعہ انسان شکوک و شبہات کے دلدل سے نکل کر ایمان و یقین کے اجالے میں آسکتا ہے--- عدل و انصاف کا شعور، خشیت الٰہی، درجات کی بلندی، توحید کی متاع بے بہا علم ہی کی بدولت مل سکتی ہے--- قرآن فرماتا ہے:

marfat.com

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ (پارہ۳' رکوع۹)

اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔

اور فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ۔ (پارہ۳'رکوع۱۰)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (پارہ۲۲' رکوع۱۶)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (پارہ۲۸'رکوع۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجے جو تم میں ایمان لائے اور ان کے درجے جنہیں علم دیا گیا بلند فرمائے گا۔

(۴) اعمال صالحہ کا پیکر بن جاؤ

جس ایمان کی بدولت خدائے وحدہ لاشریک نے دارین کی کامل صلاح و فلاح کا وعدہ فرمایا ہے اس کا لازمی جز' عمل صالح ہے۔ عمل صالح کے بغیر حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ قرآن فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (پارہ۱۸' رکوع۱۳)

اللہ نے وعدہ فرمایا ان سے جو تم میں ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔

اور فرماتا ہے:

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ۔ (پارہ۲۲'رکوع۱۴)

اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (پارہ۳۰'رکوع۲۸)

قسم ہے زمانہ محبوب کی' بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

(۵) متحد ہو جاؤ

آپس میں افتراق و انتشار کی اسلام سخت مذمت کرتا ہے' قرآن نے ایک مومن کو دوسرے مومن کا بھائی قرار دے کر میل محبت سے رہنے کا حکم عطا فرمایا ہے---ارشاد ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے

marfat.com

رَاکِعُوْنَ- (پارہ۶' رکوع ۱۲)

حضور جھکے ہوئے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا- (پارہ۱۰' رکوع ۲)

اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ- (پارہ۱۰' رکوع ۱۵)

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ- (پارہ۲۶' رکوع ۱۳)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

(۶) دین کے دشمنوں سے ہوشیار

اسلام دشمن طاقتوں نے ہر دور میں طرح طرح کے حربوں سے اسلام اور مسلمانوں کو زندگی سے بے دخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے قرآن نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ بدمذہبوں سے میل جول نہ رکھیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے ایمان پر ہاتھ صاف کردیں اور آپ کو احساس بھی نہ ہو--- قرآن فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا- (پارہ۴' رکوع ۳)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔

اور فرماتا ہے:

اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ-

(پارہ۴' رکوع ۳)

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے۔

اور فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْنَکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ- (پارہ۴' رکوع ۷)

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے۔ پھر ٹوٹا کھا کے پلٹ جاؤ گے۔

اور فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ-

(پارہ۶' رکوع ۱۳)

اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر' ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

اور فرماتا ہے:

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً- (پارہ۱۰' رکوع ۸)

کسی مسلمان میں قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔

marfat.com

اور فرماتا ہے:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْ هُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔ (پارہ۸' رکوع۱۱)

اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔

اور فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَاِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَاِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا۔ (پارہ۲۸' رکوع۵)

کیا تم نے منافقوں کو نہ دیکھا کہ اپنے بھائی کافر کتابیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے۔

(۷) اللہ پر اعتماد کامل رکھو

تقدیر کے نوشتہ کو کوئی بدل نہیں سکتا' کسی طاقت سے نہ تو مرعوب ہونے کی ضرورت ہے' نہ ہی کسی سے کچھ امید رکھنے پر اللہ پر اعتماد کرو' وہ بہترین کارساز ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (پارہ۴' رکوع۹)

لوگوں نے تمہارے لیے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو' تو ان کا ایمان اور زائد ہو اور بولے! اللہ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔

اور فرماتا ہے:

لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(پارہ۱۰' رکوع۱۳)

ہمیں نہ پہنچے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا' وہ ہمارا مولا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

(پارہ۲۸' رکوع۱۷)

اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(۸) باہمی تعاون سے نیکیوں کو فروغ دو

قرآن فرماتا ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (پارہ۶' رکوع۵)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

(۹) صبر و تقویٰ کے ذریعہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرو

اگر مسلمان صبر و تقویٰ اختیار کرلے تو پھر اس کے دشمنوں کی چال ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی' ہر طاقت سے مقابلہ کرنے کے

marfat.com

لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو دو ہتھیار دیئے ہیں۔ ایک کا نام صبر' دوسرے کا تقویٰ۔ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔ (پارہ۴' رکوع۳)

اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کیے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

اور فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا۔ (پارہ۴' رکوع۱۱)

اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو۔

اور فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (پارہ۱۰' رکوع۳)

اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(۱۰) ایثار و قربانی

دنیا کی کوئی متاع دین اور فلاح اخروی سے قیمتی نہیں۔ خدا نے آپ کو موقع عطا فرمایا ہے کہ بوقت ضرورت اپنے دین اور ایمان کے تحفظ کے لیے جان و مال کی حقیر قربانی دے کر آخرت کی لازوال اور عظیم دولت سے بہرہ ور ہو جائیں--- قرآن فرماتا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (پارہ۴' رکوع۱)

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

اور فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ (پارہ۱۰' رکوع۱۲)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو' تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھے جاتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کر لی اور جیتی دنیا کے اسباب آخرت کے سامنے بہت تھوڑے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (پارہ۱۰' رکوع۱۲)

اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے۔

اور فرماتا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (پارہ۲۸' رکوع۴)

اور اپنی جانوں پہ انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

marfat.com

حق کا داعی

حق کے مقابل میں باطل کی معرکہ آرائی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے جس کی تشریح و تفسیر کے لیے ہر قرن و عہد میں رب العزت جل جلالہ و عم نوالہ نے محض کرم سے اپنے مبارک اور برگزیدہ بندے مبعوث فرمائے اور روح القدس سے ان کی مدد فرما کر حق کا رخ اجالا اور باطل کا منہ کالا کیا۔

ان ذوات مقدسہ کو زبان شرع انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہ الصلوۃ والسلام کے مبارک نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ پاک سلسلہ سیدنا ابی البشر آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور خاتم المرسلین سید الانبیاء فخر آدم و بنی آدم سرکار دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم پر ختم ہوا۔

اس جان انسانیت محبوب رحمٰن علیہ صلوۃ المنان نے "مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ" کا آوازہ بلند فرما کر قیام قیامت تک باطل کے مقابلے میں تحدی فرمائی کہ جس نے مجھ کو دیکھا حق کو دیکھا' کوئی غافل یہ نہ سمجھے کہ یہاں رویت سے صرف رویت بصارت مراد ہے کہ ایسے دیکھنے والے تو ابی جہل و ابی لہب جیسے ابدی باطل پرست بھی تھے' بلکہ مراد یہ ہے کہ جس نے چشم دل سے ہمیں دیکھا' ہماری نورانی تجلیوں سے کسب ضیا کیا' ہماری حقانی تعلیم کے آگے سر نیاز جھکایا تو اس نے حق کو جان لیا' حق کو مان لیا اور بیشک اتباع حق سے اس نے سر میدان باطل کو پچھاڑ کر بازی جیت لی۔ پڑھئے آیہ کریمہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

پیارے نبی عربی مکی مدنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حق و باطل کی نبرد آزمائی میں رسالت حقہ کا فرض کس طرح ادا فرمایا' صحف تاریخ اس کے شاہد عدل ہیں۔ خدا کی مقدس کتاب اور بعثت اقدس کی تئیس سالہ مبارک زندگی کا اسوۂ حسنہ مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ کی حق و باطل پرکھنے والی کسوٹی اپنے حق پرست باطل شکن جاں نثار دوستوں کو سپرد فرما کر خدا کا آخری رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مدینے کے سبز گنبد میں راحت گزیں ہوا۔ ابھی اس حق مجسم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہری آنکھوں سے پردہ فرمائے چنداں عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ مقہور و مردود و باطل جو آتش کدۂ ابلیس میں سپند وار جل رہا تھا' اپنے نزدیک میدان خالی پا کر فتنہ ارتداد عرب کی صورت میں نمودار ہوا۔ بڑا نازک وقت تھا۔ آفتاب نبوت ابھی ابھی اپنی خاکی آرام گاہ میں تشریف فرما ہوا ہے۔ شمع رسالت کے پروانے میں صدمہ جاں گسل سے جاں بہ لب ہیں۔ بعض تو ہوش و خرد کی بازی لگا چکے ہیں مگر نہیں' حق کا مالک حق کی مدد فرماتا ہے' وہ دیکھئے ایک کبیر السن' قوی الایمان' نحیف الجثہ' عظیم الایقان' حق کو ہمیشہ حق جاننے' حق ماننے والا انسان تلوار پر ہاتھ رکھے فرما رہا ہے۔ سنو! میں باطل کا مقابلہ کرتا رہوں گا خواہ وہ حق کی ایک رسی کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ اس کو کسی نے پہچانا' یہ مکے کا ملک التجار قبیلہ بنی تمیم کا رئیس قریش کا مشہور مدبر' نہیں نہیں آپ نہ پہچانیں گے۔ یوں سنئے آخری نبی کا پہلا ولی' شب ہجرت کا ساتھی' معراج

marfat.com

کامصدق 'مومن اول' "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ" ہاں! اب میں نام لیتا ہوں امیر المومنین خلیفہ رسول اللہ بلافصل عبداللہ ابی بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر کیا تھا' حق جاگ اٹھا۔ حق والے حق کے سائے میں حق کی مدد کے لیے ھوالحق کہہ کر باطل کے سامنے کود پڑے۔ اس کے بعد کیا ہوا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

اب ادھر نظر ڈالئے' باطل نے نیا رنگ بدلا' بنوامیہ کی سیاست سے ناجائز فائدہ اٹھا کر تحریک خوارج کے لباس میں باطل کا لشکر حق ناطق مولی المسلمین علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ آور ہوا۔ عجب گومگو کا معاملہ تھا' باطل کی صفوں میں علماء ہیں' قراء ہیں' عباد ہیں' زہاد ہیں' لمبی داڑھیوں والے عباء و دستار سے آراستہ صحابہ کی صحبت میں بیٹھنے والے کلمہ گو اہل قبلہ ہیں مگر کیا حیدر کرار غیر فرار پر یہ سب حیثیتیں ذرہ برابر رعب ڈال سکیں' وہ ذوالفقار حیدری جو کل حق کی تنزیل میں سینہ سپر تھی' آج وہی حق کی غلط تاویل کے مقابلے میں زیب کمر ہے۔ ولی مرتضیٰ کے مبارک کانوں میں نبی مصطفیٰ علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کا بتایا ہوا معیار حق و باطل "مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ" گونج رہا ہے۔ وہ سن چکا ہے' قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا۔ اسے یاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے قرآنی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ بس اٹھی ذوالفقار حیدری اور ایسی اٹھی کہ جب تک بڑے بڑے پرستاران باطل کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیا' نیام میں نہ گئی۔ یہ کیا تھا وہی جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

آیئے! آپ کو ایک اور منظر دکھائیں' فرات کے کنارے کربلا کے تپتے ریت پر اہل بیت نبوت خیمہ زن ہیں۔ ظاہر میں بے یار و مددگار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ حق کا حق ادا فرمانے' مکے اور مدینے کو وداع فرما کے' عراق کے بیاباں میں باطل کی سرکوبی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ آہ! خاک و خون میں آلودہ اس نوجوان کو آپ پہچانتے ہیں' کیا اس کے خون سے آپ کو ابراہیمی خوشبو نہیں آئی۔ یہ سیدہ زینب کی آغوش ناز کا پروردہ اٹھارہ سالہ علی اکبر ہے۔ تخت و حکومت کے لیے نہیں' مال و دولت کے لیے نہیں' دنیوی جاہ و وجاہت کے لیے نہیں' ہاں! ہاں! یہ مقدس گلا حق کے لیے کٹوایا گیا ہے۔ چند قدم آگے بڑھیے اٹھتی جوانی کی ایک ایسی تصویر آپ دیکھیں گے جس کے نقش و نگار میں آپ کو حسنی جھلک نظر آئے گی۔ تیر و تلوار کی دھواں دھار بارش میں حق پر جان قربان کرنے والا یہ طفل نوزادہ سال حسن مجتبیٰ کی نشانی قاسم ذی شان ہے اور مشکیزہ بردوش بازو بریدہ اس مقدس لاشے کو آپ کیسے بھول سکتے ہیں جس کے خون آلود چہرے سے جلال مرتضوی آشکار ہے۔ جی ہاں! یہ قوت بازوئے حسین عباس علم دار ہے۔ بازو کٹائے' سر کٹایا مگر حق کی رفاقت سے منہ نہیں موڑا۔ پھر آپ اس ننھے منے شہید کو کیونکر بھول سکتے ہیں جو گلستان اہل بیت کا غنچہ ناشگفتہ ہے۔ مقدس باپ کی آغوش محبت میں تڑپ کر جان دینے والے پیارے علی اصغر اگر آخری وقت کچھ کہہ سکتے تو یہی کہتے کہ حق کے لیے اہل بیت کے دودھ پیتے بھی اپنا سب کچھ دے دیتے ہیں اور جب آپ یہ سب نہیں بھول سکتے تو کیا اس قیامت صغریٰ کو دل سے بھلا سکتے ہیں' جب راکب دوش نبی' نور دیدۂ علی' روضہ رسول کا مجاور تین دن کا بھوکا پیاسا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیاسی زخموں کے پھولوں کا سہرا باندھے حق کی بزم عروسی میں نوشہ بن کر داخل ہوتا ہے اور اپنے جمعتہ الشہادۃ کے آخری دو گانے میں آنے والی نسلوں کو سبق دیتا ہے کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

غرض! یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ شومی قسمت سے حکمت قرآنی میں ظالموں نے فلسفہ یونانی مخلوط کیا اور باطل کا بہروپیا اعتزال و خروج' رفض و جبر کے نئے روپ دھار کر اپنی پوری قوت کے ساتھ هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ کا نعرہ لگا تا حق صریح سے ہم نبرد

marfat.com

ہوا۔ کفرو بدعت کی باطل بدوش آندھیاں سارے عالم پر محیط تھیں' ضلالت بددینی کا سیلاب امڈا ہوا تھا۔ ملوکیت عالم پر رنگ تعیش غالب تھا کہ سرزمین عجم کے ایک چھوٹے سے گاؤں گیلان کے حسنی حسینی گھرانے میں ایک مبارک ولادت ہوتی ہے۔ ام الخیر فاطمہ ثانی کی آغوش میں محی الدین غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلوہ فرما ہوتے ہیں' باطل کی محفلوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ یہ حق کا پیارا غوثیت عظمیٰ کا خلعت بردار اور احیاء دین حق کا سہرا بر سر حسنی حسینی آلات جنگ سے آراستہ ہو کر تن تنہا عزوم قاتل عندالقتال کا تمغہ لگائے' اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی کا پرچم اڑاتا جب باطل کی صفوں پر ظاہر ہوا تو کفر کی جھنڈیاں اس کی حقانی طاقت کے آگے جھک گئیں' اس کی تبلیغ برق بار اور خنجر خارا شگاف نے میدان صداقت کے وہ رن جیتے ہیں کہ آج بھی رفض و خروج کے قلعوں میں باطل کی آنکھیں کفر کے آنسو روتی ہیں۔ غوثیت کبریٰ کے اس بحر ناپیدا کنار سے حقانیت کے جو دریا بہے انہوں نے چشت و بخارا' یمن و عراق' اکناف ہند اور اطراف یورپ کو حق و نور کے پانیوں سے سیراب و شاداب کر دیا۔ اب سلطان الہند ہوں یا شیخ سہروردؒ مولائے نقشبند ہوں یا شاہ مدار' اس قادری خوان یغما کے خوشہ چیں ہیں۔ میخانہ قادری کا دو آتشہ شریعت و طریقت انہیں جاموں میں چھلکتا ہے۔ شاخ در شاخ اور کاخ بر کاخ یہی عندلیب خوشنوا حق حق کا لہرا حجازی نغموں میں سناتا ہے۔ سچائی کی اس عالمگیر فتح نے کذب زور کے خرمنوں کو برباد کر دیا' ویرانہ ضلالت میں بوم بطالت کو اپنی نحوست گاہ کے لیے چند ٹوٹے ہوئے تنکے بھی ملنا دشوار ہو گئے۔ اس ذلت آمیز شکست کو وہ طاغوت اکبر دیو رجیم کب برداشت کر سکتا تھا' جو ازل میں حق جلیل کے سامنے (معاذ اللہ) خم ٹھونک کر "لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ" کا چیلنج ابناء آدم کو دے چکا تھا' اس نے اپنی ساری طاغوتی قوتوں کو جمع کر کے ایک بار پھر حق کے مقابلہ کی ٹھانی اور نجد کی فتنہ پرور سرزمین میں اپنے ایک ولد ناسعید کو وسواس خناس کی ابلیسی آغوش میں کفری تربیت دی۔ یہ بچہ شیطان چمر توحید کا مکٹ سر پر اوندھائے اور شرک و بدعت کے باؤ گولے وہابیت کی جھولی میں ڈالے شیطان کے سینگ کے ساتھ گمراہی کی بنجر زمین میں شجرۂ خبیثہ کی طرح اگا۔ اس شجرۂ ملعونہ کے حنظلی بیج امام الوہابیہ نے ہندوستان میں گل و لالہ کے نام سے بوئے جس کے منحوس پودے وہابیت' نیچریت' رفض و خروج' زندقہ و الحاد' جھوٹے تصوف اور کھوٹی مشیخت کی کونپلیں پھوٹیں۔ ۵۷ء کی بادسموم نے حق کے باغوں میں سچائی کی نورستہ کلیوں کو مرجھا دیا۔ تب یہ نکبت بھری جھاڑی تکفیر المسلمین کا پانی پی پی کر پھلی پھولی اور دیوبند و علی گڑھ کے بازار میں اس کی تقویت الایمانی گولریں خوب دھڑی دھڑی بکیں۔ جب آسمان ہند پر بے دینی و بددینی کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں' جب آفتاب حق و صداقت بدعت و ضلالت کے کالے کالے بادلوں میں چھپ گیا تھا' اس وقت پھر دریائے رحمت حق میں ایک اسلام نواز' کفر شکن موج اٹھی اور قادریت و چشتیت کے دو آبے میں برکاتی ناخدا نے اپنی کشتی نجات کا لنگر بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖیهَا وَمُرْسٰهَا پڑھ کر اٹھا دیا۔ لاکھوں گرداب بلا درمیان میں تھے بہ مصداق "ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" ساحل مراد تک پہنچنے میں موج در موج آفات و بلیات کا سامنا تھا مگر قطب ہدایت کی سیدھ لے کر چلنے والا یہ سفینہ حیات "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ" کی شاہراہ پر چلا جا رہا تھا' منزل بہ منزل اس کے کھیون ہار بدل رہے تھے کہ آل رسولی منزل پر اس کی پتوار ایک ایسے زبردست ہاتھ میں دی گئی کہ پیشانی پر اس صدی کی مجددیت کا ستارہ چمک رہا تھا۔ کشتی تیز ہو گئی۔ "مَنْ رَّكِبَهَا نَجٰى" کی حدی خوانی نے شور ساحل کو دبا دیا اور آغوش طوفان میں کشتی والوں کو نیند سی آنے لگی۔

بریلی کے بیس سالہ نوجوان فاضل نے جب مارہرہ کے مخانے سے آل رسولی ساغر نوش کیا تو ہاتف نے آنے والی صدی کو خوشخبری دی کہ مبارک ہو مجدد وقت آ پہنچا' فتنوں سے کہہ دو کہ مر جائیں' کفری بادل چھٹ جائیں' باطل کے جمگھٹوں میں شور واویلا برپا ہے۔ اگر کہیں منکران خاتمیت' مدعیان نبوت' مجددان نیچریت' مبلغان وہابیت' مویدان ندویت و ساحران سیاست و

marfat.com

خباثت وغیرہم اشرار نے اپنے جلسوں' جلوسوں' نعروں' وعظوں' کتابوں' لیکچروں' لٹریچروں' اسپیچوں' نظموں' نثروں اور اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ کے مطابق کفری اتحادوں کے گھمنڈ میں ربانی طاقتوں اور حقانی قوتوں کو ایک سرے سے نیست و نابود کرنے کا بیڑا اٹھایا تو وہیں صدی کا مجدد اعظم اپنی فوج ظفر موج لیے "کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ" کے جلوے دکھاتا حرمین طیبین کی کافر کش باطل سوز حسام بے نیام کے جوہر چمکاتا' میمنے میسرے میں اپنے مرشدان عظام اور ان کے اخلاف کرام کی مبارک دعاؤں کے پرچم اڑاتا' ہمت مرداں مدد خدا کہہ کر میدان میں کودا' باطل کی چنگاریوں پر اوس پڑ گئی' فتنوں نے آدمیوں کی بستیاں چھوڑ کر گورستان جہود آباد کیا' کفروبدعت کی محفلوں میں الو بولنے لگا۔ حق اور اہل حق شاد اور ناحق شناس باطل کیش برباد ہوئے۔ مَآ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کی جو نورانی تفسیر علوم نبوی کے اس سچے وارث نے کی' آنے والی نسلوں کے لیے اس میں ایک ابدی سبق ہے جو افراد سے لے کر اقوام تک کے حق میں کبریت احمر ہے' اکسیر اعظم ہے' صراط مستقیم ہے' رشد عظیم ہے۔ ۶۵ سال تک یہ آفتاب نور بار افق سعادت پر چمکتا رہا مگر آہ امتحان کی گھڑی پھر آ گئی۔ غیرت خداوندی پھر خبیث و طیب میں تمیز کرنا چاہتی ہے۔ اہل حق کا یہ سچا راہنما امت کا حقیقی نبض شناس آنے والے زمانے کو اپنی چشمان حق میں سے دیکھ رہا تھا۔ بھری محفل میں اخلاف و خلفاء کے مجمع میں آخری وصیت فرماتا ہے' افراد و اشخاص' اخلاف و خلفاء اپنے تلامذہ و احباب ہی کو نہیں ایک عالم سنیت کو حق کی آخری تبلیغ کرتا ہے' حق کی کسوٹی' صداقت کا معیار' سنیت کی پہچان کسی خلیفہ جانشین تلمیذ و مرید کو نہیں بلکہ اپنی مقدس کتابوں اور مبارک فتووں کو ٹھہراتا ہے اور ان کے ایمان بھرے مضامین سے ظاہر اپنے دین و مذہب پر چلنے کو ہر فرض سے اہم فرض قرار دیتا ہے۔ صفر ۱۳۴۰ھ میں یہ مجدد دین و ملت اذان جمعہ کو لبیک کہتا اس عالم فانی سے اس دار باقی کو ہجرت کرتا ہے۔

آفتاب حق و ہدایت کے غروب ہوتے ہی زمانہ پر تاریکی چھانی شروع ہوتی ہے۔ سنیت کا شیرازہ جو کل تک حبل اللہ المتین میں بندھا ہوا تھا آج اغیار اس کے تار و پود بکھیرنے کی فکر میں لگ چکے ہیں۔ کل جن فتنوں کا سر کچلا جا چکا تھا آج ان کے بے سر اجسام پر شور و شر کے نئے سر لگا کر میدان میں بھیجا گیا ہے۔ دو رنگی قادیانیت اپنے آقایان ولی نعمت کی آغوش میں بیٹھی قصر نبوت کی چوری کر رہی ہے۔ علی گڑھ کی نیچریت اور دیوبند کی وہابیت نے نئے چولے بدلے ہیں۔ کہیں خاکساری تحریک ایمان و سنیت کو خاک میں ملا رہا ہے' کہیں احرار و سیرت کمیٹی مسلمانوں کو دین حق اور قیود شرع سے آزادی کے سبق پڑھا رہے ہیں۔ نیشنلسٹ مسلمان مشرک غلامی کی دعوتیں دے رہے ہیں اور دنیا کے رنگین دام فریب میں مسلمانوں کو اسیر کر کے ان کے قلوب سے حرارت ایمانی اور محبت نبوی سلب کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین حق اور مسلک صحیح پر قائم رکھے۔ (آمین)

marfat.com

از قلم فیض رقم احسن العلماء حضرت علامہ مولانا سید شاہ حسن میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ والرضوان (مارہرہ شریف)

مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

اولیاء کرام کے نام پر نذر کیے ہوئے جانور حلال ہیں

اشرف علی تھانوی کا اپنی تفسیر میں یہ حکم لگانا کہ جو مسلمان حضرات اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مثل سید احمد کبیر و شاہ عبدالحق و سیدۃ النساء بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلہ و طفیل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں مقاصد اور مرادیں پیش کرتے، صحنک توشہ وغیرہ نیاز دلاتے ہیں وہ سب مرتکب حرام ہیں اور چونکہ ان ساری چیزوں پر غیر اللہ کا نام لگا، لہٰذا ان کا کھانا پینا بھی حرام و ناجائز ہو گیا، قطعاً افتراء اور باطل ہے۔ اسی طرح شبیر احمد عثمانی اور محمود الحسن دیوبندی کا اپنی تفسیر میں یہ حکم لگانا کہ اگر کسی مسلمان نے جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح کرنے سے تقرب غیر اللہ کا چاہا وہ مرتد ہو جائے گا اور ذبیحہ اس کا مرتد کے ذبیحہ کی طرح مردار ہو گا، یہ بھی مسلمانوں پر کھلا ہوا ظلم اور قبیح افتراء ہے۔

وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے

عامہ مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلال لغیر اللہ جو حرام ہے اس سے ذکر اسم غیر اللہ عند الذبح مراد ہے اور مہل عرف شرعی میں بہ معنی ذابح کے ہے، پس مدار حرمت کسی غیر اللہ کے مطلقاً کسی طرح بھی نام لگے ہونے پر رکھ دینا مخالف اتفاق حضرات مفسرین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہے اور محض اس بنا پر حکم ارتداد اور ذبیحہ پر ذبیحہ مرتد کی طرح حرام ہونے کا حکم عائد کر دینا ان دیانہ کا ظلم، تکفیر مسلمین میں بے باکی اور خود ان کی ابلیسی شریعت ہے۔ اگر کسی مسلمان نے ذبح جانور سے قبل یہ نیت کر لی ہو کہ رب تبارک و تعالیٰ میری فلاں مراد سیدنا غوث اعظم یا سیدنا غریب نواز اجمیری یا سیدنا احمد کبیر رفاعی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وسیلہ و طفیل میں پوری فرما دے تو میں اس جانور کو ذبح کر کے اس کے ثواب کی نذر ان بزرگان دین کی ارواح طیبات کو پیش کروں گا اور وہ مراد پوری ہونے پر جانور کو تقریب الی اللہ کی نیت سے خالص اللہ کے نام پر ذبح کر کے منت پوری کرتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز حرام نہ ہو گا۔ یہ ذبیحہ حلال ہے۔ تفسیر وسیط علامہ واحدی میں ہے۔

مَعْنٰى مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَا ذُبِحَ لِلْاَصْنَامِ وَذُكِرَ عَلَيْهِ اِسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ هٰذَا قَوْلُ جَمِيْعِ الْمُفَسِّرِيْنَ۔

یعنی مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے اور وقت ذبح اس پر غیر خدا کا نام لیا جائے۔ یہی قول سارے مفسرین کا ہے۔

marfat.com

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ترجمان القرآن میں اسی کی تائید و توثیق فرمائی ہے اور تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے:

وَفِی الْحَدِیْثِ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ قَالَ النَّوَوِیُّ اَلْمُرَادُ بِہٖ اَلذَّبْحُ بِاِسْمِ غَیْرِ اللّٰہِ عِنْدَ ذَبْحٍ لِّلصَّنَمِ اَوْلِمُوْسٰی اَوْلِغَیْرِھِمَا۔

یعنی اس حدیث شریف کی کہ اللہ نے لعنت فرمائی اس شخص پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا تشریح فرماتے ہوئے امام نووی نے فرمایا مراد اس ارشاد پاک کی وہی وقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا ہے جیسے کہ وہ شخص جس نے ذبح کے وقت بتوں کا یا موسیٰ یا ان کے سوا کسی کا نام لیا۔

تفسیر بیضاوی پارہ ۲ رکوع ۴ میں ہے:

وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اَیْ رَفَعَ بِہِ الصَّوْتُ عِنْدَ ذَبْحٍ لِّلصَّنَمِ۔

یعنی اہلال لغیر اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جانور کے ذبح کے وقت بجائے خدا کے بت کا نام لیا جائے۔

تفسیر جلالین میں اسی موقع پر فرمایا:

وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اَیْ ذُبِحَ عَلٰی اِسْمِ غَیْرِہٖ وَالْاِھْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَ کَانُوْا یَرْفَعُوْنَہٗ عِنْدَ الذَّبْحِ لِلصَّنَمِ۔

یعنی وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا' بلند آواز سے بتوں کا نام لے کر وہ حرام کیا گیا۔

اسی تفسیر بیضاوی میں دوسرے مقام پر سورۂ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۲ میں آیت کریمہ کے تحت فرمایا گیا۔ (ترجمہ) "وہ جانور حرام ہے جس پر ذبح کے وقت بجائے خدا کے غیر خدا کا نام لیا جائے جیسے کفار کا بجائے بسم اللہ کے باسم اللات والعزیٰ بوقت ذبح کہنا"۔

اس موقع پر تفسیر جلالین میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اَیْ بِاَنْ ذُبِحَ عَلٰی اِسْمِ غَیْرِہٖ۔

یعنی اہلال لغیر اللہ کی صورت یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔

امام الہمام برہان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی المرغینانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہدایہ اور نہایہ ص ۴۳۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) مکروہ ہے اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسری چیز کا ذکر کرنا ذبح کے وقت اور اس کی صورت یہ کہ ذابح وقت ذبح یوں کہے "بسم اللہ محمد رسول اللہ"۔ لفظ محمد کی دال پر پیش کے ساتھ اس لیے کہ شرکت غیر نہیں پائی گئی' لہٰذا وہ ذبح غیر اللہ کے لیے نہ ہوا مگر مکروہ اس لیے ہوا کہ ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ کے نام کا ملنا پایا گیا اور دوسری صورت یہ کہ ذبح کرنے والا غیر اللہ کو اللہ کے نام کے ساتھ معطوفاً ذکر کرے مثلاً یوں کہے "بسم اللہ وباسم فلاں یا بسم اللہ و محمد رسول اللہ" دال کے زیر کے ساتھ تو اب ذبیحہ حرام ہو جائے گا کہ اہلال لغیر اللہ پایا گیا۔

تیسری صورت یہ کہ ذبح کرنے والا تسمیہ پڑھے اور جانور کو ذبح کے لیے لٹانے سے پہلے یا بعد میں ذکر غیر اللہ کرے تو اب صورۃً و معناً دونوں طرح سے فصل پایا گیا اور اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں' اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذبیحہ کے بعد یہ دعا پڑھی کہ اے اللہ! اس قربانی کو امت محمد کے ان لوگوں کی جانب سے قبول فرما جنہوں نے تیری وحدانیت اور میری نبوت کی گواہی دی ہو۔

برجندی و قاضی خاں میں ہے:

رَجُلٌ ضَحّٰی وَذَبَحَ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِنَامِ

یعنی کسی شخص نے قربانی کی اور جانور کو ذبح کرتے ہوئے

marfat.com

خُدَا وَبِنَامِ نَبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ الشَّیْخُ مُحَمَّدُ بْنُ فَضْلٍ اِنْ اَرَادَ الرَّجُلُ بِذِکْرِ اِسْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَبْجِیْلِہٖ وَتَعْظِیْمِہٖ جَازَ وَلَا بَاْسَ بِہٖ وَاِنْ اَرَادَ بِہِ الشِّرْکَۃَ مَعَ اللّٰہِ تَعَالٰی لَا یَحِلُّ الذَّبِیْحَۃَ۔

یوں کہا باسم اللہ وبنام خدا وبنام نبی علیہ السلام امام محمد بن فضل نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک محض تعظیماً لیا تو یہ جائز ہے اور اس ذبیحہ میں کوئی شرعی حرج نہیں اور اگر اس نے حضور کا نام اللہ کے ساتھ شرکت کے ارادے سے لیا تو اب ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

ان تصریحات کی روشنی میں ملاحظہ ہو کہ جو یہ کہتے ہیں کہ قبل وبعد جب کبھی کسی طرح غیر اللہ کا نام کسی شے پر لگا اس کا کھانا حلال نہ رہا اور وہ جانور حرام ہو گیا' باطل اور کھلی ہوئی گمراہی ہے' یہ شریعت پر افتراء ہے۔

مسلمان جو جانور اس لیے پالتے ہیں کہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانا پکوا کر کسی اللہ کے ولی کی روح کو ایصال ثواب کیا جائے گا یہ جائز ہے اور جانور بھی حلال و طیب ہے' اس کو "مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں داخل کرنا بدترین جہالت اور مسلمانان اہل سنت سے دیا.نہ کی عداوت اور خود ان کی گمراہی ہے۔

قرآن مقدس کا ارشاد ہے یعنی "اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جو جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا"۔

حدیث شریف میں ہے' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اشیاء کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا۔ اور وہ چیزیں جن کے بیان حلت و حرمت سے سکوت فرمایا وہ معفو ہیں' یعنی کم از کم درجہ اباحت میں ہیں۔ تو جب وہ چیزیں جن کے حلت و حرمت کے بیان سے سکوت فرمایا گیا اور جو درجہ اباحت میں ہیں تو اللہ کے نام پر مذبوح کی حلت و جواز تو ادلہ شرعیہ قطعیہ یقینیہ جیسا کہ اوپر بیان کر آئے ہیں قائم ہیں تو اب ان دیوبندیوں وغیرہم کو اس بات کا کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے خلاف پر زبان کھولیں اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو کافر و مشرک' مرتد و مبتدع ٹھہرائیں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ رسالہ "کشف النور" میں نذر اولیاء اللہ کی بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:

وَاَمَّا اِصْرَارُ بَعْضِ النَّاسِ عَلٰی تَحْرِیْمِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ بِغَیْرِ دَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ فَوَجَبَهٗ عَدَمُ الْحَیَاءِ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّ الْحَرَامَ فِیْ مُقَابَلَۃِ الْفَرْضِ یُحْتَاجُ فِیْ ثُبُوْتِہٖ اِلٰی دَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ اِلٰی اٰخِرِہٖ مُلَخَّصًا مُلْتَقَطًا۔

یعنی بعض لوگوں کا ان امور و نذر اولیاء کرام و محبوبان خدا کی حرمت پر بغیر دلیل قطعی کے اڑ جانا ان کا خداوند قدوس سے شرم و حیا کا نہ ہونا ہے۔ پس بیشک حرام فرض کے مقابلے میں ہے اور محتاج ہے اپنے ثبوت میں دلیل قطعی کا۔

شریعت مطہرہ ان دیا.نہ ملاعنہ اور گستاخان رسول کے لیے صاف صاف حکم دے چکی ہے: "مَنْ شَكَّ فِیْ كُفْرِهِمْ وَعَذَابِهِمْ فَقَدْ كَفَرَ"۔

مسلمانوں کا ان سے ہر طرح کا رشتہ و تعلق ختم کر لینا لازم و واجب ہے اور اسی میں بھلائی ہے۔

marfat.com

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کرامت اور معجزہ

انسانی اختیار

بندوں کے اختیاری افعال میں متعدد مذاہب ہیں۔ ان میں سے تین مذہب معروف ہیں۔

(۱) معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ صرف بندے کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) جبریہ کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے بندے کا اس میں کوئی اختیار نہیں' بندہ ایک پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۳) اہل سنت کے امام شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ فعل کو پیدا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن بندے کو ایک قدرت اور یار دیا گیا۔ جب وہ اس قدرت کو فعل کی طرف پھیرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا فرما دیتا ہے۔ وہ فعل اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور بندہ اس کا سبب ہے۔ (عبدالعزیز پرہاروی' علامہ: النبراس و شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی' بندیال ص ۲۷۲)

خلق اور کسب

علامہ تفتازانی خلق اور کسب کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّ صَرْفَ الْعَبْدِ قُدْرَتَہٗ وَاِرَادَتَہٗ اِلَی الْفِعْلِ
سَبٌ وَاِیْجَادُ اللّٰہِ تَعَالٰی الْفِعْلَ عَقِیْبَ
اِلِکَ خَلْقٌ وَالْمَقْدُوْرُ الْوَاحِدُ دَاخِلٌ تَحْتَ
قُدْرَتَیْنِ لٰکِنْ بِجِھَتَیْنِ --- مُخْتَلِفَیْنِ
الْفِعْلُ مَقْدُوْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی بِجِھَۃِ الْاِیْجَادِ
قْدُوْرُ الْعَبْدِ بِجِھَۃِ الْکَسْبِ۔

انسان کا قدرت و ارادہ کو فعل کی طرف پھیر دینا کسب ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو وجود عطا کرنا خلق ہے۔ مقدور ایک ہے جو دو قدرتوں کے تحت مختلف جہتوں سے داخل ہے۔ پس فعل ایجاد کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اور کسب کے لحاظ سے بندے کی قدرت میں ہے۔

(مسعود بن عمر تفتازانی' علامہ: شرح العقائد (مطبع شوکت الاسلام لکھنؤ) ص ۶-۶۵)

marfat.com

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی قادر اور بندہ بھی قادر تو وہ لائق توجہ نہیں ہوگا کیونکہ دونوں قدرتوں میں فرق ظاہر ہے پھر بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے شرک کیسا؟ اور برابری کیسی؟ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انسان کے لیے قدرت و اختیار تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معطل اور معزول ہو گیا' اسے نہ قدرت ہے نہ اختیار تو ایسے شخص کی بات پر کون کان دھرے گا؟ انسان کی قدرت کا سرے سے انکار کر کے ایک یہی راستہ رہ جاتا ہے کہ جبریہ کا مذہب اختیار کر لیا جائے جو انسان کو پتھر سے بڑھ کر کوئی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اقسام خوارق

انسان سے معمول کے مطابق بے شمار افعال صادر ہوتے ہیں۔ بعض انسانوں سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو انتہائی غیر معمولی ہوتے ہیں جنہیں خوارق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امام فخرالدین رازی نے ان کی چند قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) ایسے افعال الوہیت کے مدعی کے ہاتھوں ظاہر ہوں جیسے فرعون کے ہاتھوں ظاہر ہوئے یا دجال کے ہاتھوں ظاہر ہوں گے۔ یہ امر ممکن ہے کیونکہ اس شخص کی شکل اور خلقت اس کے جھوٹا ہونے پر شاہد ہے' لہٰذا اس کے ہاتھوں خوارق کے ظاہر ہونے سے کوئی التباس لازم نہیں آئے گا۔

(۲) یہ افعال نبوت کے سچے مدعی کے ہاتھوں ظاہر ہوں۔ ایسی ہستی کے ہاتھوں خوارق کا ظہور ضروری ہے۔ اس پر نبوت انبیاء کے ماننے والوں کا اتفاق ہے۔

(۳) وہ شخص نبوت کا جھوٹا مدعی ہو' اس کے ہاتھ پر اول تو خوارق ظاہر ہی نہیں ہوں گے اور اگر ظاہر ہوں تو اس کا معارضہ ضرور کیا جا سکے گا۔

(۴) وہ شخص ولایت کا مدعی ہو' اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے کہ اس کے دعوے کے مطابق خوارق ظاہر ہوں یا نہیں۔

(۵) وہ شخص جادو اور شیطان کی اطاعت کا دعوے دار ہو۔ ہمارے نزدیک اس کے ہاتھ پر خوارق کا ظہور جائز ہے۔ معتزلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

(۶) ایک شخص صالح اور بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہے' اس نے دعویٰ کچھ نہیں کیا۔ اس کے ہاتھوں خوارق کا ظاہر ہونا ولی کی کرامت ہے' اہل سنت اسے جائز قرار دیتے ہیں جب کہ ابوالحسین بصری اور محمود خوارزمی کے علاوہ معتزلہ کرامت اولیاء کا انکار کرتے ہیں۔

(۷) جو شخص طاعت الٰہی سے مردود ہے (فاسق ہے یا کافر) اس کے ہاتھ پر خوارق کے ظاہر ہونے کو استدراج کہتے ہیں۔

(فخرالدین الرازی' امام: تفسیر کبیر (عبدالرحمٰن محمد' قصر) ج ۲۱ ص ۸۵)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے خوارق کی سات قسمیں اس طرح بیان کی ہیں:

(۱) انبیاء کا معجزہ۔

(۲) اولیاء کی کرامت۔

(۳) عام مومن کی معونت جو نہ تو ولی ہے اور نہ فاسق ہے۔

(۴) اعلان بعثت سے پہلے نبی کا ارہاص جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پتھروں کا سلام عرض کرنا۔

marfat.com

(۵) کافراور فاسق کااستدراج' وہ خرق عادت جواس کی غرض کے مطابق ہو کہ وہ اسے آہستہ آہستہ آتش دوزخ تک پہنچائے گا۔

(۶) اہانت وہ خرق عادت جو کافریا فاسق کی غرض کے خلاف ہو جیسے مسیلمہ کذاب نے کلی کی تو پانی کھاری ہوگیا۔ ایک بھینگے کی آنکھ کو ہاتھ لگایا تو وہ اندھا ہوگیا۔

(۷) جادو نفس شریر کے شیاطین کی امداد سے چند مخصوص اعمال کے بعد جو خرق عادت ظاہر ہو' بعض علماء جادو کو خوارق میں سے شمار نہیں کرتے۔ (عبدالعزیز پرہاروی' علامہ: النبراس ص ۴۳۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (القرآن پ ۳' آل عمران:۴۹)

اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے' اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے کو جلاتا (زندہ کرتا) ہوں اللہ کے حکم سے۔ (کنزالایمان)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَکُوْنَ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ۔ (القرآن پ ۷' المائدہ:۱۱۰)

اور جیسا مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا' پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔

موت کے فرشتے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ (القرآن پ ۷' الانعام:۶۱)

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

نظام عالم چلانے والے فرشتے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں

marfat.com

وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

آسانی سے پیریں پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں' پھر کام کی تدبیر کریں۔(کنزالایمان)

حضرت جبرائیل امین نے بیٹا دیا

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کے سامنے صورت انسانی میں جلوہ گر ہو کر کہتے ہیں:

اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ (القرآن پ۱۶' مریم:۱۹)

میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

ان آیات مبارکہ میں غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف مٹی کے پرندے بنانے (خلق) ان میں پھونک مار کر اڑانے' مادرزاد اندھے' برص کے مریض کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرنے کی نسبت کی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگا' روح کے قبض کرنے اور موت دینے اور نظام عالم چلانے کی نسبت فرشتوں کی طرف اور بیٹا دینے کی نسبت حضرت جبرائیل کی طرف کی گئی ہے۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی نسبت مخلوق کی طرف کرنا شرک ہے تو کیا قرآن پاک شرک کی تعلیم دیتا ہے؟ ہرگز نہیں' ان افعال کی نسبت مخلوق کی طرف مجازاً کی گئی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے اذن کی قید بھی لگا دی گئی ہے تو یہ نسبت قطعاً شرک نہیں ہے۔

احسان الٰہی ظہیر کہتے ہیں:

فَمَا دَامَ الشَّيْخُ عَبْدُالْقَادِرِ مَا دُوْنَا مُخْتَارًا' مُتَصَرِّفًا' مُحْيِيًا مُمِيْتًا' مُغِيْثًا' مُعْطِيًا مُوْصِلًا فَلَمَّا ذَا الدُّعَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَلِمَا ذَا الْاِسْتِغَاثَةُ بِذَوِى الْاِسْتِعَانَةِ مِنْهُ وَالتَّوَكُّلُ مِنْهُ' فَكُلَّمَا يَطْلُبُهُ الْاِنْسَانُ يَطْلُبُ مِنَ الشَّيْخِ الْجِيْلَانِيِّ عِيَاذًا بِاللّٰهِ۔

جب تک شیخ عبدالقادر ماذون مختار' متصرف' زندگی اور موت دینے والے' امداد دینے والے' عطا کرنے والے اور پہنچانے والے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں کی جائے گی اس سے امداد و اعانت کیوں طلب کی جائے گی اس پر اعتماد کیوں کیا جائے انسان نے جو مانگنا ہوگا شیخ جیلانی سے مانگ لے گا۔ العیاذ باللہ!

(احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ ص ۷۳)

اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ معاذ اللہ! قرآن کریم شرکیات سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو شفا دیتے تھے' مردوں کو زندہ کرتے تھے' ملائکہ موت کے وقت جان قبض کرتے ہیں' نظام عالم چلاتے ہیں' حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے فرزند عطا کیا تو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی کیا ضرورت؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں ہی سے مانگ لیا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریم کو بیٹا اللہ تعالیٰ ہی نے دیا لیکن حضرت جبرائیل امین کے ذریعے سے۔ جنگ بدر میں فتح و نصرت اللہ تعالیٰ ہی نے دی لیکن فرشتوں کے واسطے سے۔ ارشاد ربانی ہے:

بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (القرآن پ۴' آل عمران:۱۲۵)

ہاں! کیوں نہیں' اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

marfat.com

دیکھئے! امداد اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی لیکن فرشتوں کے واسطے سے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہمیں فرشتے ہی کافی ہیں اللہ تعالیٰ کی امداد کی کیا ضرورت؟

اسی طرح اگر کسی شخص کی مراد اولیاء کرام کے ہاتھوں پوری ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی امداد ہوگی مگر اولیاء کے واسطے سے' اسی طرح اگر کوئی مردہ ولی کے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہنے سے زندہ ہو جائے یا کوئی گستاخ ان کے قہر و غضب کا نشانہ بن کر ہلاک ہو جائے تو اس کی زندگی اور موت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی۔ اولیاء کرام کی حیثیت وسیلہ اور سبب کی ہوگی۔ اس بحث کے ابتدا میں گزر چکا ہے کہ بندہ جن افعال کا سبب ہوتا ہے اس میں اس کا اتنا ہی دخل ہوتا ہے کہ وہ اپنے خداداد ارادے اور قدرت کو فعل کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اس کے بعد فعل کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے' اس لیے حقیقی التجا استعانت اور استغاثہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہوگا' اگرچہ بظاہر اس کی کسی مخلوق سے ہی ہو۔ یہ وہ باریک نکتہ ہے جو کئی لوگوں کو سمجھ ہی نہیں آتا۔

marfat.com

از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز

مسئلہ علم غیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ○

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت والا درجت، عظیم البرکتہ حضرت مولانا مولوی سید حسین حیدر میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العلیہ۔

بعد تسلیم و آداب خادمانہ عارض (۱) حضرت والا کو معلوم ہو گا کہ وہابیہ گنگوہ، دیوبند و نانوتہ و تھانہ بھون و دہلی و سہسوان خذلہم اللہ تعالیٰ نے اللہ عزوعلا و حضور پرنور سید الانبیاء علیہ و علیہم افضل الصلوۃ والثناء کی شان میں کیا کیا کلمات ملعونہ بکے، لکھے اور چھاپے جن پر عامہ علماء عرب و ہند نے ان کی تکفیر کی۔

کتاب حسام الحرمین مع تمہید ایمان و خلاصہ فوائد فتاویٰ حاضر خدمت ہیں، زیادہ نہ ہو تو صرف دو رسالے اولین تمہید ایمان و خلاصہ فوائد کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمالیں کہ حق آفتاب سے زیادہ واضح ہے۔

(۲) اس کتاب مستطاب کی اشاعت پر خدا اور رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بدگویوں کی جو حالت اضطراب و پیچ و تاب ہے بیان سے باہر ہے۔ دو سال سے اسی کتاب کی طبع کے بعد چیختے چلاتے اور طرح طرح کے غل مچاتے، پرچوں اخباروں میں گالیوں کے انبار لگاتے، سو سو پہلو سے بحث بدلتے، ادھر ادھر پلٹے کھاتے ہیں مگر اصل مبحث کا جواب دینا درکنار اس کا نام لیے ہول کھاتے ہیں۔

بدگویوں میں مرتضیٰ حسن چاند پوری دیوبندی اور ان کے یار غار ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد صرف اسی غل مچانے، بحثیں بدلنے، گالیاں چھاپنے کے لیے منتخب کیے گئے ہیں جن کے غل پر پانچ پانچ رسالے مرے احباب کے ان کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان سب کا بھی جواب غائب اور چیخ بدستور۔

یہ تمام حال حضرت والا کو ملاحظہ رسالہ ظفرالدین الجید و ظفرالدین اللبیب واشتہار ضروری نوٹس واشتہار نیا زمانہ کے ملاحظہ سے واضح ہو گا۔ سب مرسل خدمت ہیں اور زیادہ تفصیل احباب فقیر کے رسالہ کین کیش پنجہ پیچ و رسالہ بارش سنگی و رسالہ

marfat.com

پیکان جاں گداز کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگی۔ یہ سب زیر طبع ہیں بعد طبع بعونہ تعالیٰ ان سے کہہ دوں گا کہ ارسال خدمت اقدس کریں۔

(۳) اب چند امور ضروری مختصراً عرض کروں کہ بعونہ تعالیٰ اظہار حق وابطال باطل کو بس ہوں۔

امر اول (مخالفین کی افترا پردازیاں)

ان چالوں کے علاوہ خدا اور رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بدگویوں نے ادھر یہ مکر گانٹھا کہ کسی طرح معارضہ بالقلب کیجئے، یعنی ادھر بھی کوئی بات ایسی نسبت کریں جس پر معاذ اللہ حکم یا ضلال لگا سکیں۔

اس کے لیے مسئلہ علم غیب میں افترا چھانٹنے شروع کیے۔

(۱) کبھی یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم ذاتی بے عطائے الٰہی مانتا ہے۔

(۲) کبھی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم، علم الٰہی سے مساوی جانتا ہے، صرف قدم وحدوث کا فرق کرتا ہے۔

(۳) کبھی یہ کہ باستثناء ذات وصفات الٰہی باقی تمام معلومات الٰہیہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم محیط بتاتا ہے۔

(۴) کبھی یہ کہ امور غیر متناہیہ بالفعل کو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم بہ تفصیل تمام حاوی ٹھہراتا ہے۔

حالانکہ اللہ واحد قہار دیکھ رہا ہے کہ یہ سب ان اشقیاء کا افترا ہے۔

سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں سے کون سا جملہ فقیر کے کس رسالے، کس فتوے، کس تحریر میں ہے؟

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ پ ۱ رکوع ۱۳ آیت ۱۱۱)

تم فرماؤ، لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

یہی بہتانات لوگوں کے سامنے بیان کر کے ان کو پریشان کرتے ہیں۔ ان کا پریشان ہونا حق بجانب ہے، اس پر اگر کوئی عالم مخالفت کرے تو ضرور اسے لائق اور مناسب ہے۔ مفتریان کذاب اگر ان کلمات کا خود مجھ سے استفتاء کرتے تو سب سے پہلے ان باطل باتوں کا رد وابطال میں کرتا۔

فقیر نے مکہ معظمہ میں جو رسالہ "اَلدَّوْلَةُ الْمَكِّيَّةُ بِالْمَادَّةِ الْغَيْبِيَّةِ" اس باب میں تصنیف کیا جس کی متعدد نقول علماء مکہ نے لیں۔ اس میں ان تمام خرافات کا رد صریح موجود ہے، ان اباطیل کل یا بعض پر جو عالم مخالفت کرے یا رد لکھے وہ رد وخلاف حقیقتاً انہیں ملعون افتراؤں پر عائد ہوگا، نہ اس پر جو ان اکاذیب سے بحمد اللہ تعالیٰ ایسا ہی بری ہے جیسے وہ مفتریان کذاب دین وحیا سے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

حضرت والا کو حق سبحانہ وتعالیٰ شفائے کامل وعاجل عطا فرمائے اگر براہ کرم قدیم ولطف عمیم یہاں تشریف فرما ہو کر خادم نوازی کریں تو اصل رسالہ جس پر مولانا تاج الدین الیاس ومولانا عثمان بن عبد السلام مفتیان مدینہ منورہ کی اصل تقریظات ان کی مہری دستخطی موجود ہیں نظر انور سے گزاروں گا۔

marfat.com

فی الحال اس کی دو چار عبارات عرض کرتا ہوں جن سے روشن ہو جائے گا کہ مفتریوں کے افترا کس درجہ باطل وپادر ہوا ہیں جس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی بدباطن کہے "اہلسنّت کا مذہب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبرا اور حضرت صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان اٹھانا ہے" والعیاذ باللہ رب العالمین۔ میرے رسالہ کی نظر اول میں ہے۔

(۱) اَلْعِلْمُ ذَاتِیٌّ مُخْتَصٌّ بِالْمَوْلٰی سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی لَایُمْکِنُ لِغَیْرِہٖ وَمَنْ اَثْبَتَ شَیْئًا مِّنْہُ وَلَوْ اَدْنٰی مِنْ اَدْنٰی مِنْ ذَرَّۃٍ لِاَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ فَقَدْ کَفَرَ وَاَشْرَکَ۔

علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے' اس کے غیر کے لیے محال ہے۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے' وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔

(۲) اسی میں ہے۔

اَلَّا تَنَاہِیُ الْکُمِّیِّ مَخْصُوْصٌ بِعِلْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

غیر متناہی بالفعل کو شامل ہونا صرف علم الٰہی کے لیے ہے۔

(۳) اسی میں ہے۔

اِحَاطَۃُ اَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ بِمَعْلُوْمَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی جِھَۃِ التَّفْصِیْلِ التَّامِ مُحَالٌ شَرْعًا وَعَقْلًا بَلْ لَوْ جُمِعَ عُلُوْمُ جَمِیْعِ الْعٰلَمِیْنَ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا لَمَا کَانَتْ لَہٗ لَنِسْبَۃٌ مَّا اَصْلًا اِلٰی عُلُوْمِ اللّٰہِ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی حَتّٰی کَنِسْبَۃِ حِصَّۃٍ مِّنْ اَلْفِ اَلْفِ حِصَصِ قَطْرَۃٍ اِلٰی اَلْفِ اَلْفِ بَحْرٍ۔

کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بہ تفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی۔ بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کیے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے۔

(۴) اسی کی نظر ثانی میں ہے۔

زَھَرْ وَبَھَرْ مِمَّا تَقَرَّرَ اِنَّ شِبْھَۃَ مُسَاوَاۃِ عُلُوْمِ الْمَخْلُوْقِیْنَ طُرًّا اَجْمَعِیْنَ بِعِلْمِ رَبِّنَا اِلٰہِ الْعٰلَمِیْنَ مَا کَانَتْ لِتَخْطُرَ بِبَالِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہو گیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم مل کر بھی علم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گزرے۔

(۵) اسی میں ہے۔

قَدْ اَقَمْنَا الدَّلَائِلَ الْقَاھِرَۃَ عَلٰی اَنَّ اِحَاطَۃَ عِلْمِ الْمَخْلُوْقِ بِجَمِیْعِ الْمَعْلُوْمَاتِ الْاِلٰھِیَّۃِ مُحَالٌ قَطْعًا عَقْلًا وَّسَمْعًا۔

ہم قاہر دلیلیں قائم کر چکے کہ علم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرع دونوں کی رو سے یقیناً محال ہے۔

(۶) اسی کی نظر ثالث میں ہے۔

اَلْعِلْمُ الذَّاتِیُّ وَالْمُطْلَقُ الْمُحِیْطُ التَّفْصِیْلِیُّ مُخْتَصٌّ بِاللّٰہِ تَعَالٰی وَمَا

علم ذاتی اور علم الاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں' بندوں کے لیے صرف ایک گونہ علم بہ عطائے

marfat.com

لِلْعِبَادِ الْاَمْطَلَقُ الْعِلْمِ الْعَطَائِيّ۔ الٰہی ہے۔

(۷) اسی کی نظر خامس میں ہے۔

لَا نَقُوْلُ بِمُسَاوَاةِ عِلْمِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَلَا بِحُصُوْلِہٖ بِالْاِسْتِقْلَالِ وَلَا نَثْبُتُ بِعَطَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَیْضًا اِلَّا الْبَعْضَ۔

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں' نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔

میرا مختصر فتویٰ "انباء المصطفیٰ" بمبئی مراد آباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ ایک نسخہ اسی کا کہ "رسالۃ الکلمۃ العلیا" کے ساتھ مطبوع ہوا' مرسل خدمت ہے۔ اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔

امر دوم (بندوں کو علم غیب عطا ہونے کی سندیں اور آیات نفی کی مراد)

انہیں عبارات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ علم غیب کا خاصہ حضرت عزت ہونا بیشک حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہَ۔

تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

اور اس سے مراد وہی علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی باری عزوجل کے لیے ثابت ہے اور اس سے مخصوص ہیں۔ علم عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو' علم غیر محیط کہ بعض اشیاء سے مطلع بعض سے ناواقف ہو' اللہ عزوجل کے لیے ہو ہی نہیں سکتا' اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور اللہ عزوجل کی عطا سے علوم غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

(۱) وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔

اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے' ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

(۲) اور فرماتا ہے۔

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۳) اور فرماتا ہے۔

وَمَا ہُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۔

نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

(۴) اور فرماتا ہے۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ۔

اے نبی! یہ غیب کی باتیں ہم تم کو مخفی طور پر بتاتے ہیں۔

(۵) حتیٰ کہ مسلمانوں کو فرماتا ہے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔

غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلاً علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن۔ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے۔

marfat.com

(۶) لَایَمْتَنِعُ اَنْ نَّقُوْلَ نَعْلَمُ مِنَ الْغَیْبِ مَا لَنَا عَلَیْہِ دَلِیْلٌ۔

یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لیے دلیل ہے۔

(۷) نسیم الریاض میں ہے۔

لَمْ یُکَلِّفْنَا اللّٰہُ الْاِیْمَانَ بِالْغَیْبِ اِلَّا وَقَدْ فَتَحَ لَنَا بَابَ غَیْبِہٖ۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا جبھی حکم دیا ہے کہ اپنے غیب کا دروازہ ہمارے لیے کھول دیا ہے۔

فقیر نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کہا تھا' یہ ائمہ علماء جو اپنے لیے مان رہے ہیں معلوم نہیں کہ مخالفین ان پر کون سا حکم جڑیں۔

(۸'۹) امام شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں۔

لِلْمُجْتَہِدِیْنَ الْقَدَمُ الرَّاسِخُ فِیْ عُلُوْمِ الْغَیْبِ۔

علم غیب میں ائمہ مجتہدین کے لیے مضبوط قدم ہے۔

(۱۰'۱۱) مولانا علی قاری (کہ مخالفین براہ نافہمی اس مسئلہ میں ان سے سند لاتے ہیں) مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں کتاب عقائد تالیف حضرت شیخ ابو عبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔

نَعْتَقِدُ اَنَّ الْعَبْدَ یَنْتَقِلُ فِی الْاَحْوَالِ حَتّٰی یُصِیْرَ اِلٰی لُغَتِ الرُّوْحَانِیَّۃِ فَیَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقی مقامات پاکر صفت روحانی تک پہنچتا ہے' اس وقت اسے علم غیب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۲) یہی علی قاری' مرقاۃ میں اسی کتاب سے ناقل۔

یَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلٰی حَقَائِقِ الْاَشْیَآءِ وَیَتَجَلّٰی لَہُ الْغَیْبُ وَغَیْبُ الْغَیْبِ۔

نور ایمان کی قوت بڑھ کر بندہ حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر غیب نہ صرف غیب بلکہ غیب کا غیب روشن ہو جاتا ہے۔

(۱۳) یہی علی قاری اسی مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

اَلنَّاسُ یَنْقَسِمُ اِلٰی فَطِنٍ یُدْرِکُ الْغَائِبَ کَالْمُشَاھَدَۃِ وَھُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَاِلٰی مِنَ الْغَائِبِ عَلَیْھِمْ مُتَابَعَۃُ الْحِسِّ وَالْوَھْمِ فَقَطْ وَھُمْ اَکْثَرُ الْخَلَائِقِ فَلَا بُدَّ لَھُمْ مِنْ مُّعَلِّمٍ یَّکْشِفُ لَھُمُ الْمُغَیِّبَاتِ وَمَا ھُوَ اِلَّا النَّبِیُّ الْمَبْعُوْثُ لِھٰذَا الْاَمْرِ۔

آدمی دو قسم کے ہیں' ایک وہ زیرک کہ غیب کو شہادت کی طرح جانتے ہیں اور یہ انبیاء ہیں' دوسرے وہ جن پر صرف حس و وہم کی پیروی غالب ہے' اکثر مخلوق اسی قسم کی ہے تو ان کو ایک بتانے والے کی ضرورت ہے جو ان پر غیبوں کو کھول دے اور وہ بتانے والا نہیں مگر نبی کہ خود اس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(۱۴'۱۵) یہی علی قاری شرح فقہ اکبر میں حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل۔

اَلْفَرَاسَۃُ مُکَاشَفَۃُ النَّفْسِ وَمُعَایَنَۃُ الْغَیْبِ وَھِیَ مِنْ مُّقَامَاتِ الْاِیْمَانِ۔

فراست مومن (جس کا ذکر حدیث میں ارشاد ہوا ہے) وہ روح کا کشف اور غیب کا معائنہ ہے اور یہ ایمان کے مقاموں میں سے ایک مقام ہے۔

(۱۶'۱۷) امام ابن حجر مکی کتاب الاعلام' پھر علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں۔

marfat.com

اَلْخَوَاصُ یَجُوْزُ اَنْ یَّتَعَلَّمُوا الْغَیْبَ فِیْ قَضِیَّةٍ اَوْ قَضَایَا کَمَا وَقَعَ لِکَثِیْرٍ مِّنْهُمْ وَاشْتَهَرَ۔

جائز ہے کہ اولیاء کو کسی واقعے یا وقائع میں علم غیب ملے جیسا کہ ان میں بہت سے واقع ہو کر مشتہر ہوا۔

(۱۸'۱۹) تفسیر معالم و تفسیر خازن میں زیر قولہ تعالیٰ "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ" ہے۔

یَقُوْلُ اِنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْهِ عِلْمَ الْغَیْبِ فَلَا یَبْخَلُ بِهٖ عَلَیْکُمْ بَلْ یُعَلِّمُکُمْ۔

یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم آتا ہے وہ تمہیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو بھی اس کا علم دیتے ہیں۔

(۲۰) تفسیر بیضاوی میں زیر قولہ تعالیٰ "وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" ہے۔

اَیْ مِمَّا یَخْتَصُّ بِنَا وَلَا یَعْلَمُ اِلَّا بِتَوْفِیْقِنَا وَهُوَ عِلْمُ الْغُیُوْبِ۔

یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے وہ علم کہ ہمارے ساتھ خاص ہے اور بے ہمارے بتائے ہوئے معلوم نہیں ہوتا وہ علم غیب ہم نے خضر کو عطا فرمایا ہے۔

(۲۱) تفسیر ابن جریر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَکَانَ رَجُلٌ یَّعْلَمُ عِلْمَ الْغَیْبِ قَدْ عَلِمَ ذَالِکَ۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔ خضر علم غیب جانتے تھے انہیں علم غیب دیا گیا تھا۔

(۲۲) اسی میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا۔

لَمْ تُحِطْ مِنْ عِلْمِ الْغَیْبِ بِمَا اَعْلَمُ۔

جو علم غیب میں جانتا ہوں آپ کا علم اسے محیط نہیں۔

(۲۳) امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

اَلنُّبُوَّةُ هِیَ الْاِطِّلَاعُ عَلَی الْغَیْبِ۔

نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ علم غیب جاننا۔

(۲۴) اسی میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم مبارک نبی کے بیان میں فرمایا۔

اَلنُّبُوَّةُ مَاْخُوْذَةٌ مِّنَ النَّبَاءِ وَهُوَ الْخَبَرُ اَیْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِطَّلَعَهٗ عَلٰی غَیْبِهٖ۔

حضور کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا۔

(۲۵) اسی میں ہے۔

قَدِ اشْتَهَرَ وَانْتَشَرَ اَمْرُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَصْحَابِهٖ بِالْاِطِّلَاعِ عَلَی الْغُیُوْبِ۔

بیشک صحابہ کرام میں مشہور و معروف تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیبوں کا علم ہے۔

(۲۶) اسی کی شرح زرقانی میں ہے۔

اَصْحَابُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَازِمُوْنَ بِاطِّلَاعِهٖ عَلَی الْغَیْبِ۔

صحابہ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے۔

(۲۷) علی قاری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

marfat.com

عِلْمُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاوٍ لِّفُنُوْنِ الْعِلْمِ (اِلٰی اَنْ قَالَ) وَمِنْھَا عِلْمُہٗ بِالْاُمُوْرِ الْغَیْبِیَّۃِ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اقسام علوم کو حاوی ہے غیبوں کا علم بھی علم حضور کی شاخوں سے ایک شاخ ہے۔

(۲۸) تفسیر امام طبری میں اور تفسیر در منثور میں بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ استاد امام بخاری و مسلم وغیرہ ائمہ محدثین سیدنا امام مجاہد، تلمیذ خاص حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے۔

اَنَّہٗ قَالَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَلَئِنْ سَئَلْتَھُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ یُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ اَنَّ نَاقَۃَ فُلَانٍ بِوَادِ کَذَا وَکَذَا وَمَا یُدْرِیْہِ بِالْغَیْبِ۔

انہوں نے فرمایا اللہ کے قول "وَلَئِنْ سَاَلْتَھُمْ" الخ کی تفسیر میں کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہم سے بیان کرتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے بھلا وہ غیب کی بات کیا جانیں۔

(مترجم)

یعنی کسی کا ناقہ گم ہو گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فلاں جنگل میں ہے۔ ایک منافق بولا محمد غیب کیا جانیں۔ اسی پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیتوں سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد۔

حضرت ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت مخالفین پر کیسی آفت ہے۔

وہابیہ پر غضبوں کی ترقیاں

۱- ان پر پہلا غضب ائمہ کے اقوال تھے کہ دریا سے قطرہ عرض کیے ان پر تو یہیں تک تھا کہ یہ سب ائمہ دین، ان مخالفین دین کے مذہب پر معاذ اللہ کافر و مشرک ٹھہرتے ہیں۔

۲- دوسرا غضب اس سے زیادہ آفت اس حدیث ابن عباس میں تھی کہ معاذ اللہ عبداللہ بن عباس خضر علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے علم غیب بتا کر کافر قرار پاتے ہیں۔

۳- تیسرا غضب اس سے عظیم تر اشد آفت مواہب شریف اور زرقانی کی عبارات میں تھی کہ نہ صرف عبداللہ بن عباس بلکہ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر ایمان لا کر وہابیہ دھرم میں کافر ہوئے جاتے ہیں۔

۴- چوتھا غضب اس سے سخت تر ہولناک آفت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری حدیث میں تھی کہ سیدنا خضر علیہ الصلوۃ والسلام کہ نبی ہیں، خود اپنے لیے علم غیب بتا کر معاذ اللہ (خاک بدہن وہابیہ) کافر ٹھہرتے ہیں۔

۵- پانچواں غضب اس سے بھی انتہا درجہ کی حد سے گزری ہوئی آفت کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کہ اجماعاً قطعاً یقیناً ایماناً اللہ کے رسول و نبی اور اولوالعزم من الرسل سے ہیں، وہابیہ کی تکفیر سے کہاں بچتے ہیں۔

خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے خود ان سے کہا کہ مجھے علم غیب ہے جو آپ کو نہیں اور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس پر کچھ انکار نہ فرمایا، کیا اس پر ایک وہابی نہ کہے گا کہ افسوس ایک ناؤ کا تختہ توڑ دینے یا گرتی دیوار بے اجرت لیے سیدھی کر دینے پر وہ اعتراض کہ باوصف وعدہ صبر نہ ہو سکا اور وہابی شریعت کی رو سے مونہہ بھر کلمہ کفر سنا اور شربت کا سا گھونٹ پی کر چپ رہے۔

marfat.com

خیران سب آفتوں کا وہابیہ کے پاس تین کہاوتوں سے علاج تھا۔ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت خضر کے لیے علم غیب تسلیم کیا تو وہابیہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰ بدین خود' مایاں بدین خود۔ حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے لیے علم غیب بتایا تو وہ اس شیطانی مثل کی آڑ لے سکتے تھے کہ ناؤ کس نے ڈبوئی خواجہ خضر نے۔

ابن عباس وعام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب جانا تو کسی دہن دریدہ وہابی کو کہتے کیا لگتا کہ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○

۶۔ مگر چھٹا غضب دہر کی قیامت تو خود اللہ واحد قہار نے ڈھادی' پورا قہراس آیہ کریمہ اور اس کی شان نزول نے توڑا۔ یہاں عزوجل یہ حکم لگا رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے' وہ اللہ و رسول سے ٹھٹھا کرتا ہے' وہ کلمہ گوئی کر کے مرتد ہوتا ہے۔ افسوس کہ یہ یہاں اس چوتھی مثل کے سوا کچھ گنجائش نہیں کہ ؎

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

بھلا جس خدا کی توحید نبی رکھنے کے لیے نبی سے بگاڑی' رسولوں سے بگاڑی' سب کے علم پر دولتی جھاڑی' غضب ہے وہی خدا وہابیہ کو چھوڑ کر رسولوں کا ہو جائے' الٹا وہابیہ پر حکم کفر لگائے۔ سچ ہے اب کسی سے دوستی کا دھرم نہ رہا۔ معلوم نہیں کہ اب مخالفین اپنے سرگروہوں کا فتویٰ مانتے ہیں یا اللہ واحد قہار کا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

امر سوم (ذاتی و عطائی کی جانب علم کا انقسام اور علماء کی تصریحات)

مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کر دیا' انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔

علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی' یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی۔ ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے' یعنی علم ذاتی و علم محیط یقینی۔

تو آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعاً یہی قسمیں مراد ہیں۔ فقہاء کہ حکم تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر مبنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفت خاصہ کہ دوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی۔ حاشا للہ! علم عطائی خدا کے ساتھ خاص ہونا درکنار' خدا کے لیے محال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اسے علم حاصل ہو' پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط۔ حاشا للہ! علم محیط خدا کے لیے محال قطعی ہے جس میں بعض معلومات مجہول رہیں تو علم عطائی غیر محیط حقیقی غیر خدا کے لیے ثابت کرنا' خدا کی صفت خاصہ ثابت کرنا کیونکر ہوا۔

تکفیر فقہاء اگرچہ اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار' خدا کی صفت نہیں ہو سکتی' لہٰذا کافر ہو! یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے۔ کیا کوئی احمق سا احمق ایسا اخبث جنون گوارا کر سکتا ہے۔ وَلٰكِنَّ النَّجْدِيَّةَ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○

(۲۹'۳۰) امام حجر کی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

marfat.com

وَمَاذَكَرْنَاهُ فِی الْاٰیَۃِ صَرَّحَ بِہِ النَّوَوِیُّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَتَاوَاہُ فَقَالَ مَعْنَاھَا لَا یَعْلَمُ ذٰلِکَ اِسْتِقْلَالًا وَعِلْمُ اَحَاطَۃٍ بِکُلِّ لِّمَعْلُوْمَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی ○

یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی' فرماتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذات خود ہو اور جمیع معلومات الہیہ کو محیط ہو۔

(۳۱) نیز شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ تَعَالٰی اِخْتَصَّ بِہٖ لٰکِنْ مِنْ حَیْثُ الْاِحَاطَۃِ فَلَا یُنَا فِیْ اِطِّلَاعَ اللّٰہِ تَعَالٰی لِبَعْضِ خَوَاصِہٖ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنَ الْمُغَیَّبَاتِ حَتّٰی مِنَ الْخَمْسِ الَّتِیْ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ۔

غیب اللہ کے لیے خاص ہے مگر بمعنی احاطہ تو اس کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض خاصوں کو بہت سے غیبوں کا علم دیا یہاں تک کہ ان پانچ میں سے جن کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

(۳۲) تفسیر کبیر میں ہے۔

قَوْلُہٗ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ یَدُلُّ عَلٰی اِعْتِرَافِہٖ بِاَنَّہٗ غَیْرُ عَالِمٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ۔

یعنی آیت میں جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا تم فرمادو! میں غیب نہیں جانتا' اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا علم جمیع معلومات الہیہ کو حاوی نہیں۔

(۳۳'۳۴) امام قاضی عیاض 'شفا شریف اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

(ھٰذِہِ الْمُعْجِزَۃُ) فِیْ اِطِّلَاعِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْغَیْبِ (مَعْلُوْمَۃٌ عَلَی الْقَطْعِ) بِحَیْثُ لَا یُمْکِنُ اِنْکَارُھَا اَوِالتَّرَدُّدُ فِیْھَا لِاَحَدٍ مِّنَ الْعُقَلَاءِ (لِکَثْرَۃِ رُوَاتِھَا وَاتِّفَاقِ مَعَانِیْھَا عَلَی الْاِطِّلَاعِ عَلَی الْغَیْبِ) وَھٰذَا لَا یُنَافِی الْاٰیَاتِ الدَّالَّۃَ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَقَوْلُہٗ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ فَاِنَّ الْمَنْفِیَّ عِلْمُہٗ مِنْ غَیْرِ وَاسِطَۃٍ وَاَمَّا اِطِّلَاعُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ بِاِعْلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَہٗ فَاَمْرٌ مُّتَحَقِّقٌ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ علم غیب یقیناً ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کرلیتا۔ اس لیے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے بتائے ہو اور اللہ تعالیٰ کے بتائے سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(۳۵) تفسیر نیشاپوری میں ہے۔

لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ

آیت کے یہ معنی ہیں کہ علم غیب جو بذات خود ہو وہ خدا کے

marfat.com

بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا اللّٰہُ۔

ساتھ خاص ہے۔

(۳۶) تفسیر انموذج جلیل میں ہے۔

مَعْنَاہُ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ بِلَا دَلِیْلٍ اِلَّا اللّٰہُ اَوْ بِلَا تَعْلِیْمٍ اِلَّا اللّٰہُ اَوْ جَمِیْعَ الْغَیْبِ اِلَّا اللّٰہُ۔

آیت کے یہ معنی ہیں کہ غیب کو بلا دلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیب کو محیط ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

(۳۷) جامع الفصولین میں ہے۔

یُجَابُ بِاَنَّہٗ یُمْکِنُ التَّوْفِیْقُ بِاَنَّ الْمَنْفِیَّ ھُوَ الْعِلْمُ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا الْعِلْمُ بِالْاَعْلَامِ اَوْ الْمَنْفِیُّ ھُوَ الْمَجْزُوْمُ بِہٖ لَا الظُّنُوْنُ وَیُؤَیِّدُہٗ قَوْلُہٗ تَعَالٰی اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا اَلْاٰیَۃَ لِاَنَّہٗ غَیْبٌ اَخْبَرَ بِہِ الْمَلٰٓئِکَۃَ ظَنًّا مِّنْھُمْ اَوْ بِاَعْلَامِ الْحَقِّ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّکَفَّرَ لَوِ ادَّعَاہُ مُسْتَقِلًّا لَا لَوْ اَخْبَرَ بِہٖ بِاِعْلَامٍ فِیْ نَوْمِہٖ اَوْ یَقْظَتِہٖ بِنَوْعٍ مِّنَ الْکَشْفِ اِذْ لَا مُنَافَاۃَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْاٰیَۃِ لِمَا مَرَّ مِنَ التَّوْفِیْقِ۔

یعنی فقہاء نے دعویٰ علم غیب پر حکم کفر کیا اور حدیثوں اور ائمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذات خود علم غیب مانا جائے خدا کے بتائے سے علم غیب کی نفی نہ کی یا نفی قطعی کی ہے نہ ظنی کی، اور اس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے فرشتوں نے عرض کی، کیا تو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اسی میں فساد و خونریزی کریں گے، ملائکہ غیب کی خبر بولے مگر ظنا یا خدا کے بتائے سے۔ تو تکفیر اس پر چاہے کہ کوئی بے خدا کے بتائے علم غیب ملنے کا دعویٰ کرے، نہ کہ براہ کشف جاگتے یا سوتے میں خدا کے بتائے سے، ایسا علم غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

(۳۸، ۳۹) ردالمحتار میں امام صاحب ہدایہ کی مختارات النوازل سے ہے۔

لَوِ ادَّعٰی عِلْمَ الْغَیْبِ بِنَفْسِہٖ یُکَفَّرُ۔

اگر بذات خود علم غیب حاصل کر لینے کا دعویٰ کرے تو کافر ہے۔

(۴۰ تا ۴۴) اسی میں ہے۔

قَالَ فِی التَّتَارْخَانِیَّۃِ وَفِی الْحُجَّۃِ ذَکَرَ فِی الْمُلْتَقَطِ اَنَّہٗ لَا یُکَفَّرُ لِاَنَّ الْاَشْیَاءَ تُعْرَضُ عَلٰی رُوْحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَّ الرُّسُلَ یَعْرِفُوْنَ بَعْضَ الْغَیْبِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ قُلْتُ بَلْ ذَکَرُوْا فِیْ کُتُبِ الْعَقَائِدِ اِنَّ مِنْ جُمْلَۃِ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَآءِ الْاِطِّلَاعُ عَلٰی بَعْضِ الْمُغَیَّبَاتِ وَرُدُّوْا عَلَی الْمُعْتَزِلَۃِ الْمُسْتَدِلِّیْنَ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ عَلٰی نَفْیِھَا۔

تاتارخانیہ میں فتاویٰ حجہ میں ہے ملتقط میں فرمایا کہ جس نے اللہ و رسول کو گواہ کر کے نکاح کیا کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اشیاء نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرض کی جاتی ہیں اور بیشک رسولوں کو بعض علم غیب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتب عقائد میں ذکر فرمایا کہ بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا ہے۔ ہمارے ائمہ نے اس کا رد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ آیہ کریمہ اولیاء سے بھی مطلقاً علم غیب کی نفی نہیں فرمائی۔

marfat.com

(۴۵) تفسیر غرائب القرآن اور رغائب الفرقان میں ہے۔
لَمْ یَنْفِ اِلَّا الدِّرَایَۃَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِہٖ وَمَا نَفَی الدِّرَایَۃَ مِنْ قِبَلِ الْوَحْیِ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے خدا کے بتائے سے جاننے کی نفی نہیں فرمائی۔

(۴۶، ۴۷) تفسیر جمل شرح جلالین و تفسیر خازن میں ہے۔
اَلْمَعْنٰی لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اَنْ یَّطَّلِعَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ۔

آیت میں جو ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔

(۴۸) تفسیر عنایہ القاضی میں ہے۔
لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مَا لَمْ یُوْحٰی اِلَیَّ وَلَمْ یَنْصُبْ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ۔

آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک وحی یا کوئی دلیل قائم نہ ہو مجھے بذات خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(۴۹) اسی میں ہے۔
وَعِنْدَہٗ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ وَجْہُ اِخْتِصَاصِہَا بِہٖ تَعَالٰی اَنَّہٗ لَا یَعْلَمُہَا کَمَا ہِیَ ابْتِدَآءً اِلَّا ہُوَ۝

یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اس خصوصیت کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء بغیر بتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔

(۵۰) تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے۔
(قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ) لَمْ یَقُلْ لَیْسَ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ لِیُعْلَمَ اَنَّ خَزَآئِنَ اللّٰہِ وَہُوَ الْعِلْمُ بِحَقَآئِقِ الْاَشْیَآءِ وَمَا ہِیَاتُہَا عِنْدَہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاِسْتِجَابَۃِ دُعَآءِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَوْلِہٖ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ہِیَ وَلٰکِنَّہٗ یُکَلِّمُ النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِہِمْ (وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ) اَیْ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ ہٰذَا مَعَ اَنَّہٗ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِمْتُ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اھ مُخْتَصِرًا۔

یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی! فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہیں مگر حضور لوگوں سے ان کی سمجھ کے قابل باتیں فرماتے ہیں اور وہ خزانے کیا ہیں تمام اشیاء کی حقیقت و ماہیت کا علم۔ حضور نے اسی کے ملنے کی دعا کی اور اللہ عزوجل نے قبول فرمائی۔ پھر فرمایا: میں غیب نہیں جانتا، یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں، مجھے ما کان و ما یکون کا علم ملا۔ یعنی جو کچھ ہو گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ انتہی۔

الحمدللہ! اس آیہ کریمہ کی کہ "فرمادو میں غیب نہیں جانتا" ایک تفسیر وہ تھی جو تفسیر کبیر سے گزری کہ احاطہ جمیع غیوب کی نفی ہے نہ کہ غیب کا علم ہی نہیں۔

دوسری وہ تھی جو بہت کتب سے گزری کہ بے خدا کے بتائے جاننے کی نفی ہے۔ نہ یہ کہ بتائے سے بھی مجھے علم غیب نہیں۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ سب سے لطیف تر یہ تیسری تفسیر ہے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے، اس لیے کہ اے

marfat.com

کافرو! تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو ورنہ واقع میں مجھے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم ملا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

امر چہارم (علم غیب سے متعلق اجماعی مسائل)

یہاں تک جو کچھ معروض ہوا جمہور ائمہ دین کا متفق علیہ ہے۔

۱- بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔

۲- بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا' مساوی درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر علوم الہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ' دونوں متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے۔ بخلاف علوم الہیہ کو غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش و فرش' شرق و غرب و جمیع کائنات از روز ازل تا روز آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں' شرق و غرب دو حدیں ہیں' روز اول و روز آخر دو حدیں ہیں اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔

بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذ اللہ توہم مساوات۔

۳- یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے' یہ بھی ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔

۴- اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء' تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔

امر پنجم (علم غیب کی اختلافی حدود اور مسلک عرفاء)

فضل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکروں کو جہنم میں جانے دیجئے۔ تتمہ کلام استماع فرمایئے ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے' آیا وہ روز ازل سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔

بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں کسی نے کہا متشابہات کا' کسی نے خمس کا' کثیر نے کہا ساعت کا اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا ما کان وما یکون بمعنی مذکور میں از انجا کہ غایت میں دخول و خروج دونوں محتمل ہیں ساعت داخل ہو یا نہیں' بہرحال! یہ مجموعہ بھی علوم الہیہ سے ایک بعض خفیف بلکہ انباء المصطفیٰ حاضر ہے۔

میں نے قصیدہ بردہ شریف اور اس کی شرح ملا علی قاری سے ثابت کیا ہے کہ علم الٰہی تو علم الٰہی جو غیر متناہی در غیر

marfat.com

متناہی در غیر متناہی ہے' یہ مجموعہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سمندر سے ایک لہر ہے' پھر علم الٰہی غیر متناہی کے آگے اس کی کیا گنتی۔ اللہ کی قدر نہ جاننے والے اسی کو معاذ اللہ علم الٰہی سے مساوات ٹھہراتے ہیں۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔

اور جب واقعی ان کے امام الطائفہ کے نزدیک ایک پیڑ کے پتے گن دینے پر خدائی آگئی تو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ تو بڑی چیز ہے۔ خیر انہیں جانے دیجئے یہ خاص مسئلہ جس طرح ہمارے علماء اہلسنت میں دائر ہے مسائل خلافیہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مثل ہے کہ اصلاً محل لوم نہیں۔

ہاں! ہمارا مختار قول اخیر ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک ہے اس بارے میں بعض آیات واحادیث واقوال ائمہ' حضرت کو فقیر کے رسالے انباء المصطفیٰ میں ملیں گے اور اَللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ عِلْمِ الْبَشِیْرِ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں اور اقوال اولیاء کرام و علماء عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر عظیم درکار ہے۔

یہاں بطور نمونہ صرف بعض اشارات ائمہ پر اقتصار' وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ۔

حدیث صحیح جامع ترمذی جس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔ ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔

اور فرمایا۔

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(۵۱) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔

دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین ہا بود۔ عبارت است از حصول تمامہ علوم جزی و کلی واحاطہ آں۔ میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ اس حدیث میں تمام علوم کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے۔ (مترجم)

(۵۲) امام محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَہَا
وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ! دنیا و آخرت دونوں حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم (جس میں تمام مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ) ہے' حضور کے علم سے ایک ٹکڑا ہے۔

(۵۳) علامہ علی قاری اس کی شرح فرماتے ہیں۔

کَوْنُ عِلْمِہَا مِنْ عُلُوْمِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُلُوْمَہٗ تَتَنَوَّعُ اِلَی الْکُلِّیَّاتِ وَالْجُزْئِیَّاتِ وَحَقَائِقَ وَدَقَائِقَ وَعَوَارِفَ وَمَعَارِفَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُہَا اِنَّمَا یَکُوْنُ سَطْرًا مِّنْ سُطُوْرِ عِلْمِہٖ وَنَہْرًا مِنْ بُحُوْرِ عِلْمِہٖ ثُمَّ مَعَ ہٰذَا ہُوَ مِنْ

لوح و قلم کا علم' علوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا ہے' وہ اس لیے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں کلیات' جزئیات' حقائق' دقائق' عوارف اور معارف کہ ذات و صفات الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے' پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت سے تو ہے صلی اللہ تعالیٰ

marfat.com

اَبرَکَۃِ وُجُوْدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

علیہ وسلم۔

(۵۴) ام القریٰ شریف میں ہے۔

وَسِعَ الْعٰلَمِیْنَ عِلْمًا وَحِلْمًا۔

حضور کا علم و حلم تمام جہان کو محیط ہے۔

(۵۵) امام ابن حجر مکی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اِطَّلَعَہٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام عالم پر اطلاع دی تو سب اولین و آخرین کا علم حضور کو ملا جو گزرا اور جو ہونے والا ہے سب جان لیا۔

(۵۶، ۵۷) نسیم الریاض میں ہے۔

ذَکَرَ الْعِرَاقِیُّ فِیْ شَرْحِ الْمُہَذَّبِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیْہِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ فَعَرَفَہُمْ کُلَّہُمْ کَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔

امام عراقی شرح مہذب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرض کی گئیں تو حضور نے فرمایا ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔

(۵۸) اسی لیے امام بوصیری مدحیہ ہمزہ میں عرض کرتے ہیں۔

لَکَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَیْبِ وَمِنْہَا لِاٰدَمَ الْاَسْمَآءَ۔

عالم غیب سے حضور کے لیے علوم کی ذات ہے اور آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے نام۔

(۵۹، ۶۰) امام ابن حاج مکی، مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

قَدْ قَالَ عُلَمَآؤُنَا رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ الزَّائِرَ یَشْعُرُ نَفْسَہٗ بِاَنَّہٗ وَاقِفٌ بَیْنَ یَدَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا ہُوَ فِیْ حَیَاتِہٖ اِذْ لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مُشَاہَدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِہِمْ وَنِیَّاتِہِمْ وَعَزَائِمِہِمْ وَخَوَاطِرِہِمْ وَذَالِکَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ لَا خِفَاءَ بِہٖ۔

بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زائر اپنے نفس کو آگاہ کردے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے جیسا کہ حضور کی حیات ظاہر میں، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

(۶۱) نیز مواہب شریف میں ہے۔

لَا شَکَّ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اِطَّلَعَہٗ عَلٰی اَزْیَدَ مِنْ ذَالِکَ وَاَلْقٰی عَلَیْہِ عُلُوْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

کچھ شک نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زائد حضور اکرم ﷺ کو علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور اکرم ﷺ پر القا فرمایا۔

(۶۲ تا ۶۴) امام قاضی پھر علامہ قاری پھر علامہ مناوی تیسیر شرح جامع الصغیر امام سیوطی میں لکھتے ہیں۔

marfat.com

اَلنُّفُوْسُ الْقُدْسِيَّةُ اِذَا تُجُوْرِدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ اِتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰى وَلَمْ يَبْقَ لَهَا حِجَابٌ فَتَرٰى وَتَسْمَعُ الْكُلَّ كَالْمُشَاهَدَةِ۔

پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں ملاء اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لیے کچھ پردہ نہیں رہتا تو سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں موجود ہیں۔

(۶۵) ملا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ رُوْحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرَةٌ فِيْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کریم تمام جہان میں ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔

(۶۶) مدارج النبوت شریف میں ہے۔

ہرچہ در دنیا است از زمان آدم تا اوان نفخہ اولیٰ بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند تا ہمہ احوال اورا از اول تا آخر معلوم گردید و یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد---

جو کچھ دنیا میں ہے آدم علیہ السلام کے زمانے میں نفخہ اولیٰ تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا ہے یہاں تک کہ تمام احوال آپ کو اول سے آخر تک معلوم ہو گئے' ان میں سے کچھ اپنے دوستوں کو بھی بتا دیئے۔

(۶۷) نیز فرماتے ہیں قدس سرہ۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ووے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داناست بہمہ چیز از شیونات و احکام الٰہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار بجمیع علوم ظاہر و باطن و اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ شدہ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام چیزوں کو جانتے ہیں اللہ کی شانوں اور اس کے احکام اور صفات کے احکام اور اسماء و افعال و آثار میں۔ اور تمام علوم ظاہر و باطن اول و آخر کا احاطہ کر لیا اور فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ کا مصداق ہو گئے' ان پر اللہ کی بہترین رحمتیں ہوں اور اتم و اکمل تحیات ہوں۔

(۶۸) شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں۔

فَاضَ عَلَيَّ مِنْ جَنَابِهِ الْمُقَدَّسِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفِيَّةً تَرْقِى الْعَبْدُ مِنْ حَيِّزِهٖ اِلٰى حَيِّزِ الْقُدْسِ فَيَتَجَلّٰى لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ كَمَا اَخْبَرَ عَنْ هٰذَا الْمَشْهَدِ فِيْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ الْمَنَامِيِّ۔

مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہ سے فیض ہوا کہ بندہ کو نکر اپنی جگہ سے مقام مقدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شے اس پر روشن ہو جاتی ہے جیسا کہ معراج کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اس مقام سے خبر دی۔

(۶۹) نیز اسی میں ہے۔

اَلْعَارِفُ يَتَجَذَّبُ اِلٰى حَيِّزِ الْحَقِّ فَيُعِيْرُ عِنْدَ اللّٰهِ فَيَتَجَلّٰى لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ۔

عارف مقام حق تک کھینچ کر بارگاہ قرب میں ہوتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے۔

(۷۰) اسی میں ولی فرد کے خصائص سے لکھا ہے کہ وہ تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے۔ پھر لکھا کہ یہ استیلا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں تو ظاہر ہے۔

marfat.com

وَاَمَّا فِیْ غَیْرِھِمْ فَمَنَاصِبُ وَرَاثَۃِ الْاَنْبِیَآءِ کَالْمُجَدِّدِیَّۃِ وَالْقُطْبِیَّۃِ وَظُھُوْرِ اٰثَارِھَا وَاَحْکَامِھَا وَالْبُلُوْغِ اِلٰی حَقِیْقَۃِ کُلِّ عِلْمٍ وَّ حَالٍ۔

رہے غیر انبیاء ان میں وراثت کے منصب ہیں جیسے مجدد و قطب ہونا اور ان کے آثار و احکام کا ظاہر ہونا اور علم و حال کی حقیقت کو پہنچ جانا۔

(۷۱) اسی میں تقریر مذکور و تفصیل دقائق فرد کے بعد ہے۔

بَعْدَ ذَالِکَ کُلِّہٖ جُبِلَتْ نَفْسُہٗ نَفْسًا قُدْسِیَّۃً لَا یَشْغَلُھَا شَانٌ عَنْ شَانٍ وَلَا یَاتِیْ عَلَیْہِ حَالٌ مِّنَ الْاَحْوَالِ اِلَی التَّجَرُّدِ اِلَی النُّقْطَۃِ الْکُلِّیَّۃِ اِلَّا وَھُوَ خَبِیْرٌ بِھَا الْاٰنَ وَاِنَّمَا الْاٰتِیْ تَفْصِیْلَ لِاِجْمَالٍ۔

اور اس سب کے بعد بات یہ ہے کہ مرد کا نفس اصل خلقت میں نفس قدسی بنایا جاتا ہے' اسے ایک بات دوسری سے مشغول نہیں کرتی (یعنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک دھیان میں اور طرف کا دھیان نہ رہے' بلکہ ہر جانب اس کی نگاہ ایک سی رہتی ہے) اور اب سے لے کر اس وقت تک کہ وہ سب سے جدا ہو کر مرکز عالم سے جا ملے یعنی وقت وفات تک جو کچھ حال اس پر آنے والا ہے اس سب کی اس وقت اسے خبر ہے وہ جو آئے گا اجمال کی تفصیل ہی ہوگا۔

(۷۲) امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

ھٰذَا مَعَ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَکْتُبُ لٰکِنَّ وَلٰکِنَّہٗ اُوْتِیَ عِلْمَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی قَدْ وَرَدَتْ اٰثَارٌ بِمَعْرِفَتِہٖ حُرُوْفَ الْخَطِّ وَحُسْنِ تَصْوِیْرِھَا کَقَوْلِہٖ لَاتَمُدُّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَوَاہُ ابْنُ شَعْبَانَ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَوْلُہُ الْحَدِیْثُ الْاٰخَرُ الَّذِیْ رُوِیَ عَنْ مُّعَاوِیَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ کَانَ یَکْتُبُ بَیْنَ یَدَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہُ اَلْقِ الدَّوَاۃَ وَحَرِّفِ الْقَلَمَ وَارْقِمِ الْبَآءَ وَ فَرِّقِ السِّیْنَ وَلَا تُعَوِّرِ الْمِیْمَ وَحَسِّنِ اللّٰہَ وَمُدَّ الرَّحْمٰنَ وَجَوِّدِ الرَّحِیْمَ ○

یعنی حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھتے نہ تھے مگر حضور کو ہر چیز کا علم عطا ہوا تھا یہاں تک کہ بیشک حدیثیں آئی ہیں کہ حضور کتابت کے حروف پہچانتے تھے اور یہ کہ کس طرح لکھے جائیں تو خوبصورت ہوں گے جیسے ایک حدیث ابن شعبان نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ کشش سے نہ لکھو (اس میں دندانے ہوں نری کشش نہ ہو) دوسری حدیث (مسند الفردوس میں) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوئی کہ یہ حضور کے سامنے لکھ رہے تھے' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دوات میں صوف ڈالو اور قلم پر ترچھا خط دو اور بسم اللہ کی ب کھڑی لکھو اور اس کے دندانے جدا رکھو اور میم اندھا نہ کردو (اس کے چشمہ کی سفیدی کھلی رہے) اور لفظ اللہ خوبصورت لکھو اور لفظ رحمٰن میں کشش ہو (رحمٰن یا رحمٰن یا رحمٰن یا رحمٰن) اور لفظ رحیم اچھا لکھو۔

(۷۳' ۷۴) امام شعرانی قدس سرہ کتاب الجواہر والدرر نیز کتاب درۃ الغواص میں سید علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل۔

marfat.com